امامت
اورائمہ معصومین کی عصمت

فہرست مطالب

مقدمہ

پہلی فصل

اسلام اور تسلیم

اجتہاد کے سلسلہ میں بعض اصحاب کا موقف

حکم کے دو رخ

دوسري فصل

دینی مرجعیت

رہبری کے عمومی شرائط

اہلیت، عمومی مرجعیت کی برترین شرط ہے

اہلبیت کون لوگ ہیں؟

مرجعیت کے عام شرائط اور نص

خلیفہ کی تعیین اور احادیث نبوی

پیغمبر اسلام کی دیگر احادیث

رسول اسلام کا مبلّغ

تاج پوشی

مرجعیت کے لئے حضرت علی کے اہلیت

علی، اعلم امت

امت کی شجاع ترین فرد علی

حضرت علی اور جنگ بدر

حضرت علی اور جنگ خندق

حضرت علی خیبر میں

حضرت علی اور جنگ حنین

اختلاف کے اسباب

شاہراہ اجتہاد کا استعمال

تیسری فصل

آغاز تشیع

راستہ کی نشاندہی

سخت ترین مرحلہ!

چوتھی فصل

مسیر تشیع

اسلامی فرقے اور غالیوں کے انحرافات

مفہوم تشیع

تشیع کا عمومی مفہوم

تشیع کا خصوصی مفہوم

اثنا عشری عقیدہ

انحرافی پہلو

غلو اور غلو کرنے والے!

غلو قرآن کی نظر میں:

ا بعض افراد کے نظریات:

عبد اللہ بن سبا

غلاۃ کے سلسلہ میں اہل بیت اور ان کے شیعوں کا موقف

غلاۃ کے بارے میں امیر المومنین کا موقف

غلاۃ اور امام زین العابدین کا موقف

غلاۃ اور امام محمد باقر کا موقف

غلاۃ اور امام صادق کا موقف

غلاۃ اور امام موسیٰ کاظم کا موقف

غلاۃ اور امام رضا کا موقف

غلاۃ اور امام علی بن محمد ہادی کا موقف

پانچویں فصل

حقیقت تشیع

اصول کا یہودی شبہ

اہل فارس کا شبہ

خاتمہ

مصادر و منابع

پہلا باب:

امامت آیہ ابتلاء کی روشنی میں

وإذ ابتلی ابرھیم ربّہ بکلمات فأتمّھنّ قال إنّی جاعلک للنّاس إماماً قال ومن ذرّیّتی قال لا ینال عھدی الظالمین (بقرہ/ ۱۲۴)

”اوراس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراھیم علیہ السلام کا امتحان لیااورانھوں نے پورا کردیاتواس) خدا) نے کہا: ہم تم کولوگوں کا قائداورامام بنارہے ہیں۔)ابراھیم علیہ السلام) نے کہا کیا یہ عہدہ میری ذریت کو بھی ملے گا؟ ارشاد ہوا کہ یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں پہونچے گا۔“

اس آیہء کریمہ سے دو بنیادی مطلب کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

۱۔منصب امامت، نبوت ورسالت سے بلند تر ہے۔

۲۔منصب امامت، ظالموں اور ستم گاروں کو نہیں ملے گا۔

یہ مطلب تین باتوں پر مشتمل ہے:

پہلی بات: منصب امامت کا بلند مرتبہ ہونا۔

دوسری بات: منصب امامت ظالموں اور ستم گاروں کو نہیں ملے گا۔

تیسری بات: منصب امامت کا زبان امامت سے تعارف۔

پھلی بات

منصب امامت کا بلند مرتبہ ہونا

ہم اس آیہٴ شریفہ میں دیکھتے ہیں کہ خدائے متعال نے حضرت ابراھیم علیہ السلام سے بڑھاپے کے دوران نبوت رسالت کو سالہا سال گزرنے کے بعدان کی عمر کے آخری مرحلہ میں امتحان لیااور انھوں نے اس امتحان الٰہی کوقبول کیا اور کامیابی کے ساتھ مکمل کردکھا یا امامت کا عہدہ وہ ارتقائی درجہ تھا جواس عظیم امتحان اور صبر وثبات کے بعد انھیں عطا کیا گیا۔

آیہٴ کریمہ سے اس مطلب کو بہتر طریقہ سے واضح کرنے کے لئے،درج ذیل چند بنیادی نکات کی وضاحت ضروری ہے:

۱۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحان اوران کی امامت کے درمیان رابطہ کیسا ہے؟

۲۔اس آیہٴ کریمہ میں بیان کیا گیا امتحان،کس قسم کا امتحان تھا؟

۳۔کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ،حضرت ابراھیم علیہ السلام کوعطا کئے گئے عہدہ امامت سے مراد ان کا وہی منصب نبوت ورسالت ہی ہے؟

۴۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کوعطا کی گئی امامت،کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟

امتحان اور منصب امامت کا رابطہ

آیہٴ کریمہ

:<واذابتلیٰ ابراھیم ربّہ بکلمات فاٴتمّھنّ قال انّی جا علك للناس إماماً...>

میں لفظ "إذ" ظرف زمان ہے اوراس کے لئے ایک متعلق کی ضرورت ہے۔"إذ" کا متعلق کیا ہے؟

پہلا احتمال یہ ہے کہ "إذ" کا متعلق "اذکر" (یادکرو) ہے، جومحذوف اور پوشیدہ ہے،یعنی:اے پیغمبر (ص)! یاداس وقت کو کیجئے جب پروردگار نے ابراھیم علیہ السلام کا چندکلمات کے ذریعہ سے امتحان لیا۔

اس احتمال کی بنیاد پر چنداعتراضات واردہیں:

۱۔مستلزم حذف وتقدیر)متعلق کومحذوف اورمقدر ماننا) خلاف اصل ہے۔

۲۔"إنی جاعلك للناس إماماً" کا اس کے پہلے والے جملہ سے منقطع ہونا حرف عطف کےبغیرہونالازم آتا ہے۔

وضاحت: جملہٴ" قال انّی جاعلک ......" کابظاہرسیاق یہ ہے کہ وہ اپنے پہلے والے جملہ سے علٰحیدہ اورمنقطع نہیں ہے اورمعنی ومضمون کے لحاظ سے قبل والے جملہ سے وابستہ ہے،اور چونکہ اس کے لئے حرف عطف ذکرنہیں ہواہے،اس لئے بظاہراس جملہ کے آنے سے پہلا جملہ مکمل ہوتا ہے،اوران دونوں فقروں کے درمیان ارتباط کلمہ"إذ" کے" قال" سے متعلق ہونے کی بنا پر ہے۔اسی صورت میں ایہٴشریفہ کامعنی یوں ہوتا ہے:"جب ابراھیم علیہ السلام سے ان کے پروردگار نے امتحان لیا،توان سے کہا: میں تم کولوگوں کے لئے امام

قرار دیتا ہوں۔"اس بنا پر یہ امتحان حضرت ابراھیم علیہ السلام کو منصب امامت عطا کرنے کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ تھا۔

آیہء کریمہ کے اس مطلب پر قطعی گواہ کے لئے ایک دوسری آیت ہے کہ اس میں پیغمبروں کے ایک گروہ کے لئے صبر وامامت کے درمیان رابطہ بخوبی بیان ہوا ہے:

<وجعلنا منهم ائمته یهدون بامرنا لمّاصبروا وکانوا بآیاتنایوقنون>

(سجدہ/۲۴)

"اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کوامام اور پیشوا قرار دیا ہے جو ہمارے امر سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں،اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا ہے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔"

اس آیہء شریفہ میں ان پیغمبروں کوامامت ملنے کا سبب صبر ویقین بیان کیا گیا ہے اور یہ رابطہ حضرت ابرھیم علیہ السلام کے امتحان اور امامت کے درمیان رابطہ کو زیر بحث آیت میں واضح اور روشن کرتا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا امتحان

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحانات اور ان کی یہ آزمائشیں کن مسائل اور امور سے متلق تھیں کہ جس کا نتیجہ امامت کا عظیم عطیہ قرار پایا تھا۔

آیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ امتحان چند کلمات کے ذریعہ لیا گیا اور حضرت ابراھیم علیہ السلام نے انھیں مکمل کر دکھایا۔بظاہر یہ کلمات ایک خاص قسم کے فرائض اور احکام

تھے کہ جن کے ذریعہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا امتحان لیا گیا۔

قرآن مجید میں، حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تاریخ کے سلسلہ میں جو چیز "واضح وروشن امتحان" کے عنوان سے بیان ہوئی ہے، وہ ان کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا اقدام ہے

:<إن هذا لهو البلاء المبين>١)

بیشک یہ بڑا واضح و روشن متحان ہے)یہ) بیٹے کو ذبح کرنے کا اقدام)حقیقت میں وہی کھلا امتحان ہے۔ یہ امتحان حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اپنے پروردگار کے حضور میں ایثار وقربانی اور مکمل تسلیم ہونے کا مظہر تھا۔

اس مطلب کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا یہ امتحان ان کی پیری اور بڑھاپے میں انجام پایا ہے اور وہ بھی اس وقت جب ان کا بیٹا جوانی کے مرحلہ میں داخل ہو چکا تھا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی جوانی کا مرحلہ طے کرنے تک صاحب اولاد نہیں تھے۔ جب بڑھاپے کے مرحلہ میں پہنچے اور اولاد سے ناامید ہوئے، تو خدائے متعال

١۔صافات/١٠٦

نے انھیں اسماعیل واسحاق نام کے دو بیٹے عطا کئے اور یہ اس حالت میں تھا کہ جب ان کی نبوت اور رسالت کو سالہا سال گزر چکے تھے۔

کیا اس آیت میں امامت سے مراد ان کی وہی نبوت و رسالت نہیں ہے؟

خدائے متعال نے جو امامت حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کی، کیا وہ، وہی ان کی نبوت

ورسالت تھی، جیسا کہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے، یا یہ امامت کوئی دوسرا عہدہ ہے؟

اس سے پہلے بیان کئے گئے مطلب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ امامت، درج ذیل دو دلائل کے پیش نظر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے پاس پہلے سے موجود نبوت ورسالت کے علاوہ تھی:

پہلے یہ کہ: یہ آیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ امامت، حضرت ابراھیم علیہ السلام کو بہت سے امتحانات کے بعد عطا کی گئی ہے، کہ ان امتحانات کا ایک واضح وروشن نمونہ ان کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا اقدام تھا جبکہ نبوت ورسالت انھیں پہلے دی جا چکی تھی۔

دوسرے یہ کہ: آیہء کریمہ میں "جاعلک" اسم فاعل ہے اور ادبی لحاظ سے اسم فاعل صرف اسی صورت میں اپنے مابعد پر عمل کرسکتا ہے اور کسی اسم کو مفعول کے عنوان سے نصب دے سکتا ہے، جب ماضی کے معنی میں نہ ہو، ا بلکہ اسے حال یا مستقبل کے معنی میں ہونا چاہئے۔ اس بنا پر آیہء شریفہ

:<إنیّ جاعلك للنّاس إماماً>

میں فاعل "جاعل" کے دو مفعول ہیں) ایک ضمیر "کاف" اور دوسرا "اماماً") اس لئے ماضی کو ملحوظ نظر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۱-البهجته المرضیته، مکتبته المفید، ج۲، ص۶-۵

یہ امامت کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟

ہمیں آیہء شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامت کا مفہوم پیشوائی اور قیادت ہے اور اس کا معنی نبوت و رسالت سے متفاوت ہے۔ امام، وہ ہے جو دوسروں کا پیشوا ہو اور انسانوں کے آگے آگے چلے، جسے خدائے متعال نے متعلق طور پر لوگوں کے لئے امام قرار دیا ہے اور تمام انسانی پہلوؤں سے لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایا ہے لوگوں کو چاہئے کہ تمام ابعاد حیات میں اس سے ہدایت حاصل کریں اور اس کی اقتداء و پیروی کریں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کو یہ مقام (امامت) رسالت ملنے کے سالہا سال بعد تمام بڑے امتحانات الٰہی میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد عطا کیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امامت کا مرتبہ اور درجہ نبوت و رسالت کے مساوی نہیں ہے بلکہ ان سے بالاتر ہے۔

اس بحث کا نتیجہ یہ ہوگا کہ: جب یہ ثابت ہوا کہ امامت کا درجہ و مرتبہ نبوت سے بالاتر ہے اور نبوت کے لئے قطعی دلائل کی بنیاد پر عصمت کی شرط لازمی ہے، پس جو چیز نبوت سے برتر و بلندتر ہو، بدرجہ اولی اس کے لئے بھی عصمت کا شرط ہونا ضروری ہوگا۔

دوسری بات:

منصب امامت ظالموں کو نہیں ملے گا

یہ آیہء شریفہ عصمت امامت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آیت کے

جملہ<لا ینال عھدی الظالمین>یعنی:

"میرا وعدہ) امامت) ظالموں تک نہیں پہونچے گا" سے استفادہ ہوتا ہے کہ ظالم مقام امامت تک نہیں پہونچ سکتا۔

جب خدائے متعال نے فرمایا:

<إنّي جاعلك للناس إماماً>"

میں تجھے لوگوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں" حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عرض کیا

:<ومن ذرّيّتي؟>"

کیا میری ذریت اور اولاد میں سے بھی کوئی اس مقام تک پہنچے گا؟" پروردگار عالم نے فرمایا

:<لا ینال عھدی الظالمین>

میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔

اس جملہ سے درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱۔امامت وعدۂ الٰہی ہے۔

۲۔یہ وعدہ ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا، چونکہ ہر گناہ ظلم شمار ہوتا ہے، الہذا جو معصوم نہیں ہے، وہ گناہوں میں گرفتار ہوگا۔

اس بناء پر آیہء شریفہ کی یہ دلالت کہ ہر امام کو اپنے عہدہ امامت میں گناہوں سے پاک ہونا چاہئے، واضح اور نا قابل انکار ہے۔

کیا اس جملہ سے یہ استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ: جن لوگوں نے امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے اگر کوئی ظلم کیا ہو وہ امامت کے عہدہ پر فائز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

ا۔ چونکہ ہر گنا کبیرہ یا صغیرہ کیفر الٰہی کا مستحق ہے، اس لئے گناہ گار گناہ کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں: مشتق کا عنوان) جسے ظالم) زمانہ حال میں ظہور رکھتا ہے اور یہ اس شخص پر لاگو نہیں ہوتا ہے جو پہلے اس صفت سے متصف تھا لیکن زمانہ حال میں اس میں وہ صفت نہیں ہے۔اس بناء پر اس آیہء شریفہ کے مطابق، جو خلافت کے عہدہ پر فائز ہونے کے دوران ظالم ہو، وہ امامت کے عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتا لیکن جو پہلے کبھی ظالم تھا، لیکن اس عہدہ پر فائز ہونے کے وقت ظالم نہیں ہے، وہ امامت کے عہدہ پر فائز ہو سکتا ہے۔

اعتراض کے جواب میں دو باتیں

پہلی بات جو اس اعتراض کے جواب میں پیش کی گئی ہے وہ ایک عظیم محقق مرحوم حاج شیخ محمد حسین اصفہانی کی ہے کہ جسے مرحوم علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے تفسیر المیزان میں ذکر کیا ہے:ا

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی ذریت چار گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے:

ا۔ وہ گروہ جو امامت پر فائز ہونے سے پہلے ظالم تھے اور اس مقام پر فائز ہونے کے بعد بھی ظالم رہے۔

۲۔وہ گروہ جو امامت کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے عادل تھے اور امامت کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ظالم بن گئے۔

۳۔وہ گروہ، جو امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے ظالم تھے اور امامت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد عادل ہو گئے۔

۴۔وہ گروہ جو امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد دونوں زمانوں میں عادل تھے۔حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی اس عظمت کے پیش نظر پہلے دو گروہوں کے لئے کہ، جو اپنے عہدہ امامت کے دوران ظالم ہوں، ہرگز امامت کی درخواست

ا۔تفسیر المیزان، ج۱،ص۲۷۷، دارالکتب الاسلامیہ۔

نہیں کریں گے۔اس بنا پر

<ومن ذرّيّتي>"

میری اولاد سے؟" کا جملہ صرف تیسرے اور چوتھے گروہ پر صادق آتا ہے،اور خدائے متعال بھی جواب میں فرماتا ہے

<لاينال عهدي الظالمين>

"میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا۔"اس جملہ کے پیش نظر تیسرا گروہ جو پہلے ظالم تھا لیکن امامت کا عہدہ سنبھالنے کے دوران عادل ہو گیا، وہ بھی خارج ہو جاتا ہے اور اپنی اولاد کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں صرف چوتھے گروہ کو امامت دی جاتی ہے۔

دوسری بات مرحوم طبرسی کی ہے جو تفسیر مجمع البیان میں ذکر ہوئی، وہ کہتے ہیں: ہم اس بات

کوقبول کرتے ہیں کہ جو فی الحال ظالم نہیں ہے اس پر ظالم کا عنوان حقیقت میں اطلاق نہیں ہوتا ہے، لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس نے پہلے ظلم کیا ہے، ظلم کرنے کے دوران اس پر ظالم کا عنوان حقیقت میں صادق تھا، مذکورہ آیت ایسے افراد کو بھی مشتمل ہے۔یعنی ایسا شخص اب امامت کے لئے شائستہ نہیں ہے اور امامت پر فائز نہیں ہوسکتا ہے اور''لا ینال'' کا جملہ چونکہ مضارع منفی ہے، اس لحاظ سے اس پر دلالت کرتا ہے۔

اس بناپر، جس نے زندگی میں ایک لمحہ کے لئے بھی گناہ کیا ہے، وہ امامت کے عہدے پر فائز نہیں ہوسکتا ہے، چونکہ اس وقت ظالم اور ستم گار رہے اور آیہء شریفہ کہتی ہے:※ لا ینال عھدی الظالمین ※''میرا عہدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔''

اس طرح یہ واضح ہوگیا کہ آیہء شریفہ دو جہتوں سے اماموں کی عصمت پر حتی عہدہ امامت پر فائز ہونے سے پہلے بھی دلالت کرتی ہے۔اور امامت کے منصب پر فائز ہونے والا شخص اپنی پوری عمر ملکہء عصمت سے وابستہ ہوتا ہے۔اور اس طرح یہ بھی واضح ہوگیا کہ امامت ایک الٰہی منصب ہے جو خدائے متعال کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے، یعنی یہ خدائے متعال کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کو وہ جو شائستہ وسزاوار جانتا ہے اسی کو عطا کرتا ہے۔

تیسری بات

منصب امامت کا زبان امامت سے تعارف

آیہء شریفہ کو بیان کرنے کے بعد مناسب ہے کہ امامت کی حقیقت کے سلسلہ میں ہمارے آٹھویں امام حضرت امام موسی الرضا علیہ السلام کی بیان کی گئی ایک حدیث پیش کیجائے:

أبو محمد القاسم بن العلاء ـ رحمہ ـ رفعه عن عبدالعزیز بن مسلم قال: کنّا مع الرضا ـ علیه السلام ـ بمرو، فاجتمعنا فی الجامع یوم الجمعة فی بدء مقدمنا، فأداروا امر الامامته وذکروا کثرة اختلاف الناس فیها ـ فدخلت علی سیدی ـ علیه السلام ـ فأعلمته خوض الناس فیه، فتبسم ـ علیه السلام ـ ثم قال: یا عبدالعزیز جهل القوم وخذعوا عن آرائهم ـ إن الله عزّ وجلّ لم یقبض نبیّه (ص) حتی أکمل له الدین وانزل علیه القرآن فیه تبیان کلّ شیءٍ، بیّن فیه الحلال والحرام والحدود والاحکام وجمیع ما یحتاج الیه النّاس کملاً فقال عزّ وجلّ: ما فرّطنا فی الکتاب من شیءٍ ۱ وأنزل فی حجة الوداع، وهی آخر عمره (ص): أليوم أكملت لكم دین واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً ۲ وامر الامامة من تمام الدین ـ ولم یمض (ص) حتیّ بیّن لامته معالم دینهم وأوضع لهم سبیلهم، وترکهم علی قصد سبیل الحق، واقام لهم علیّا علماً و

۱ـ انعام/ ۳۸

۲ـ مائدہ/ ۳

إماماً و ماترك لهم شیئاً یحتاج إلیه الامته إلاّ بیّنه فمن زعم ان الله

عزّوجلّ لم يكمل دينه فقد ردّ كتاب الله و من ردّ كتاب الله فهو كافر به۔ هل يعرفون قدر الإمامة و محلّها من الامّة فيجوز فيها اختيارهم؟ إنّ الامامة اٴجلّ قدراً و اٴعظم شاٴنا و اعلى مكاناً و اٴمنع جانباً و ابعد غوراً من اٴن يبلغها النّاس بعقولهم اٴوينالو بآراٴهم اٴويقيموا إماماً باختيارهم۔

إنّ الإمامة خص الله عزّوجلّ بها إبراهيم الخليل - عليه السلام - بعد النبوة و الخلّة مرتبة ثالثة و فضيلة شرّفه بها و اٴشاد بها ذكره فقال:<إنّي جاعلك للنّاس اماماً> فقال الخليل- عليه السلام سروراًبها: <ومن ذرّيّتي> قال الله تعالى:<ولاينال عهدى الظالمين >١ فابطلت هذه الآية إمامة كلّ ظالم إلى يوم القيامة و صارت فى الصفوه۔ ثمّ اٴكرم الله تعالى باٴن جعلها فى ذرّيّته اهل الصفوة و الطهارة فقال:<و وهبنا له إسحاق و يعقوب نافلة وكلّا جعلنا صالحين۔ وجعلناهم اٴئمّه يهدون باٴمرنا واٴوحينا إليهم فعل الخيرات وإقام الصلوةوإيتاء الزكوة وكانوا لنا عابدين>٢

فلم تزل فى ذرّيّته يرثها بعض عن بعض قرناً فقرناً حتى ورّثها الله تعالى النبيّ (ص) فقال جلّ وتعالى:<إنّ اٴولى الناس بإبراهيم للّذين اتّبعوه وهذا النبيّ والّذين آمنوا والله

۱۔بقرہ/ ۱۲۴

۲۔انبیاء/ ۷۳۔۷۲

ولیّ المؤمنین>۱

فکانت له خاصّةفقلّدها (ص)علیاً-علیه السلام-بأمر الله تعالی علی رسم مافرض الله فصارت فی ذرّیّته الأصفیاء الذین آتاهم الله العلم والإیمان بقوله تعالی:<وقال الّذین أوتوا العلم والإیمان لقدلبثتم فی کتاب الله إلی یوم البعث>۲فهی فی ولد علیّ-علیه السلام-خاصّة إلی یوم القیامة,إذ لا نبیّی بعد محمد(ص) فمن أین یختار هؤلاء الجّهال۔

إنّ الإمامة هی منزلة الأنبیاء وإرث الأوصیاء۔إنّ الإمامة خلافة الله وخلافة الرسول (ص) ومقام أمیرالمؤمنین -علیه السلام - ومیراث الحسن والحسین -علیها السلام - انّ الإمامة زمام الدّین ونظام المسل مین وصلاح الدنیا وعزّالمؤمنین إنّالإمامةأُس الإسلام النامی و فرعه السّامی۔ بالإمام تمام الصلاة والزکاةوالصیام والحج والجهادوتوفیرالفیء والصدقات وإمضاء الحدود والأحکام ومنع الثغور والأطراف۔الإمام یحلّ حلا ل الله ویحرّم حرام الله و یقیم حدود الله و یذّب عن دین الله ویدعو إلی سبیل ربّه بالحکمة الموعظة الحسنة و الحجّة البالغة۔ الإمام کالشمس الطالعة المجلّلة بنورها للعالم وهی فی الأفق بحیث لاتنالها الأیدی والأبصار۔

۱۔آل عمران/ ٦٨

۲۔روم/ ٥٦

الإمام البدر المنير والسراج الزاهر والنور الساطع والنجم الهادى فى غياهب الدجى واجواز البلدان والقفار ولجج البحار۔ الإمام الماء العذب على الظماء والدالّ على الهدى والمنجى من الرّدى الإمام النار على اليفاع الحارّ لمن اصطلى به والدليل فى المهالك۔ من فارقه فهالك۔

الإمام السحاب الماطر والغيث الهاطل والشمس المضيئة والسماء الظليلة والأرض البسيطة والعين الغزيرة والغدير والروضة۔

الإمام الأنيس الرفيق والوالد الشفيق والأخ الشقيق والأم البرّة بالولد الصغير ومفزع العباد فى الداهية النآد۔

الإمام أمين الله فى خلقه وحجّته على عباده وخليفته فى بلاده والداعى إلى الله والذابّ عن حرام الله۔

الإمام المطهّر من الذنوب والمبرّأ عن العيوب المخصوص بالعلم الموسوم بالحلم نظام الدّين و عزّ المسلمين وغيظ المنافقين و بوار الكافرين۔

الإمام واحد دهره، لا يدانيه أحد ولا يعادله عالم ولا يوجد منه بدل ولا له مثل و لا نظير مخصوص بالفضل كلّه من غير طلب منه له و لا اكتساب بل اختصاص من المُفضل الوهّاب۔ فمن ذا الذى يبلغ معرفة الإمام أو

یمکنه اختیاره؟!! هیهات هیهات! ضلّت العقول وتاهت الحلوم وحارت الاٴلباب و خسئت العیون و تصاغرت العظماء و تحیّرت الحکماء و تقاصرت الحلماء و حصرت الخطباء و جهلت الاٴلبّاء و کلّت الشعراء وعجزت الاٴدباء وعییت البلغاء عن وصف شاٴن من شاٴنه اٴوفضیلة من فضائله واٴقرّت بالعجز و التقصیر و کیف یوصف بکلّه اٴو ینعت بکنهه اٴو یفهم شیئ من اٴمره اٴو یوجد من یقوم مقامه یغنی غناه؟!

لا، کیف واٴنّی؟ و هو بحیث النجم من ید المتناولین و وصف الواصفین! فاٴین الاختیار من هذا؟ و اٴین العقول عن هذا؟ و اٴین یوجد مثل هذا؟! اٴتظنّون ان ذلک یوجد فی غیر آل الرسول محمد (ص) کذبتهم - والله - اٴنفسهم و منّتهم الاٴباطیل فارتقوا مرتقاً صعباً دحضاً تزلّ عنه إلی الحضیض اٴقدامهم۔ راموا إقامة الإمام بعقول حائرة ناقصة و آرا مضلّة فلم یزدادوا منه إلاّ بُعداً <قاتلهم الله اٴنّی یؤفکون>؟ ولقد راموا صعبا و قالوا إفکاً و ضلّوا ضلا لاً بعیداً و وقعوا فی الحیرة۔ إذ ترکوا الإمام عن بصیره <زیّن لهم الشیطان اٴعمالهم عن السبیل و کانوا مستبصرین>۱

رغبوا عن اختیار الله و اختیار رسول الله (ص) و اٴهل بیته إلی اختیارهم و القرآن ینادیهمو ربّک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لهم الخیرة سبحان الله و تعالی عمّاً یشرکون>۲ وقال عزّوجلّ: <و ما کان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضی الله و رسوله اٴمراً اٴن یکون لهم الخیرة من اٴمرهم>۳ الآیة و

قال:<مالكم كيف تحكمون

١۔نمل/ ٢٤

٢۔قصص/ ٦٨

٣۔احزاب/ ٣٦

ا ٔم لكم كتاب فيه تدرسون إن لكم فيه لمّا تخيّرونا ٔم لكم ا ٔيمان علينا بالغة إلى يوم القيامة إنّ لكم لما تحكمون سلهم ا ٔيّهم بذلك زعيم ا ٔم لهم شركاء فليا ٔتوا به شركائهم إن كانوا صادقين>٤ وقال عزّوجل:<ا ٔفلا يتدبّرون القرآن ا ٔم على قلوب ا ٔقفالها٥ ا ٔم طبع الله على قلوبهم فهم لا يفقهون>٦ ا ٔم < قالوا سمعنا و هم لا يسمعون إنّ شرّ الدوابّ عند الله الصمّ البكم الذين لا يعقلون و لو علم الله فيهم خيراً لا ٔسمعهم و لو ا ٔسمعهم لتولّوا و هم معرضون> ٧ ا ٔم < قالوا سمعنا و عصينا>٨ بل هو فضل الله يؤتيه من يشاء و الله ذو الفضل العظيم

فكيف لهم باختيار الإمام؟! و الإمام عالم لا يجهل و راع لا ينكل معدن القدس و الطهارة و النسك و الزهادة و العلم و العبادة مخصوص بدعوة الرسول (ص) ونسل المطهرة البتول لا مغمز فيه فی نسب و لا يدانيه ذو حسب فی البيت من قريش، و الزروة من هاشم و العترة من الرسول (ص) و الرضا من الله عزّوجلّ شرف الا ٔشرف و الفرع من عبد مناف نامی العلم كامل الحلم مضطلع بالإمامة عالم بالسياسة مفروض الطاعة قائم با ٔمر

الله عزّ وجلّ ناصح لعباد الله حافظ لدین الله۔

إنّا لأنبياء والأئمة - صلوات الله عليهم - يوفّقهم الله و يؤتيهم من مخزون علمه وحكمه ما لا يؤتيه غيرهم فيكون علمهم فوق علم

ا۔قلم/ ۴۱۔۳۶

۲۔محمد/ ۲۴

۳۔توبہ/ ۸۷

۴۔انفال/ ۲۳۔۵۲۱۔بقرہ/ ۹۳

أهل الزمان في قوله تعالى: < أفمن يهدي إلى الحقّ أحقّ أن يُتّبع أمّن لا يهدّي إلّا أن يُهدى فما لكم كيف تحكمون >۱ و قوله تبارك و تعالى <ومن يؤت الحكمة فقد أُوتي خيراً كثيراً >۲ و قوله في طالوت < إنّ الله اصطفاه عليكم و زاده بسطة في العلم و الجسم و الله يؤتي ملكه من يشاء و الله واسع عليم >۳ و قال لنبيه (ص) < أنزل عليك الكتاب و الحكمة و علّمك ما لم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيماً >۴ و قال في الأئمّة من أهل بيت نبيّه و عترته و ذريّته صلوات الله عليهم -:< أم يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله فقد آتينا آل ابراهيم الكتاب و الحكمة و آتيناهم ملكاً عظيماً فمنهم من آمن به و منهم من صدّ عنه و كفى بجهنم سعيراً ۵ و إنّ العبد إذا اختاره الله عزّ و جلّ لأُمور عباده شرح صدره لذلك و أودع قلبه ينابيع الحكمة و ألهمه العلم إلهاماً فلم يعي بعده بجواب و لا يحير

فیه عن صواب فهو معصوم مؤیّد فوفّق مسدّد قد اُمن من الخطایا و الزلل والعثار یخصّه الله بذلك لیکون حجّته علی عباده و شاهد علی خلقه و ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء و الله ذو الفضل العظیم۔

فهل یقدرون علی مثل هذا فیختارونه؟ أو یکون مختارهم بهذه الصفة فیقدّمونه؟ تعدّوا -و بیت الله- الحقّ و نبذوا کتاب الله

۱۔ یونس/ ۳۵

۲۔ بقره/ ۲۶۹ ۳۔ بقره ۲۴۷ ۴۔ سورۂ نسائ سے اقتباس/ ۱۱۳

۵۔ نساء/ ۵۵۔۵۶

وراء ظهورهم کأنهم لا یعلمون و فی کتاب الله الهدی و الشفائ فنبذوه و اتّبعوا أهواء هم فذمّهم الله و مقّتهم و أتعسهم فقال جلّ و تعالی:<و من أضّل ممّن اتّبع هواه بغیر هدی من الله إنّ الله لایهدی القوم الظالمین>۱ وقال:<فتعسا لهم و أضلّ أعمالهم>۲ و قال: < کبُر مقتاً عند الله وعند الّذین آمنوا کذلك یطبع الله علی کلّ قلب متکبّر جبّار >۳ وصلی الله علی النبیّ محمد وآله وسلّم تسلیماً کثیراً"۴

❋❋❋ عبدالعزیز بن مسلم سے روایت ہے کہ: ہم مسجد مرو میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں تھے۔ وہاں پہنچنے کے ابتدائی دنوں میں جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوئے تھے۔ حضار نے مسئلہء امامت کے بارے میں گفتگو کی اور اس موضوع کے بارے میں موجود بہت سے اختلافات کو بیان کیا گیا۔

میں نے اپنے مولا) امام رضا علیہ السلام) کی خدمت میں لوگوں کی اس گفتگو کے بارے میں وضاحت کی۔حضرت علیہ السلام نے ایک مسکراہٹ کے بعد یوں فرمایا:اے عبدالعزیز!ان لوگوں نے نادانی کا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنے نظریات کی جانب دھوکہ میں ہیں۔

خدائے عزّوجل نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جب تک ان کے لئے دین کو مکمل نہیں کر لیا اور قرآن مجید کہ، جو ہر چیز کو واضح کرنے والی کتاب ہے اور جس میں حلال وحرام، حدود واحکام اور انسان کی تمام ضرورتیں مکمل

۱۔قصص/ ۵۰

۲۔محمد/ ۸

۳۔غافر/ ۳۵

۴۔اصول کافی،مترجم،ج۱،ص ۲۸۳،اصول کافی غیر مترجم،ج۱،ص۱۹۸،عیون اخبار الرضا۴،ج۱،ص۲۱۶۔

طور پر بیان ہوئی ہیں نازل نہیں کر لی اور فرمایا

<ما فرّطنا فی الکتاب من شیء>"

ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے") پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حجہ الوداع میں جو آپ کی عمر کے آخری ایام میں انجام پایا آیہء

<الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم

الاسلام دیناً>

نازل فرمائی۔اس طرح دین کوکامل فرمایااورامامت دین کا تکملہ ہے۔)خدا نے)پیغمبراسلام (ص) کوتب تک اس دنیا سے نہیں اٹھالیا جب آپ نے امت کے لئے دینی امورواضح کردیئے حق کا وہ راستہ دکھلا دیا جس پران کو چلنا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد امت کے لئے رہبر کے طور پر پہنچوا دیا،حتی کہ امت کی ضرورت کی کسی چیز کو بیان کئے بغیر نہیں چھوڑا۔پس،ان اوصاف کے پیش نظر جو یہ تصور کرے کہ خدائے متعال نے اپنے دین کو مکمل نہیں کیا ہے،اس نے خدا کی کتاب سے انکار کیا ہے،اورایسا آدمی کافر ہے۔کیا یہ لوگ امت کے درمیان امامت کی عظمت وبلندی نیز اس کی کلیدی حیثیت کو جاننے کا شعور رکھتے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں کوئی رائے قائم کرسکیں؟ بیشک امامت اس سے کہیں زیادہ گراں بہا،عظیم الشاں،بلندمرتبہ اور عمیق تر ہے کہ لوگ اسے اپنی عقلوں سے درک کریں نیز اپنی رائے اوراپنے اختیار سے امام منتخب کریں۔

امامت ایک ایسا خاص عہدہ ہے جوخدائے متعال کی طرف سے خلّت نیز نبوت ورسالت کے منصب کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کیا گیا،اوراس سے مذکورہ دونوں عہدوں سے بلنداورافضل قرار دیتے ہوئے خداوندعالم نے فرمایا:

<إنیّ جاعلك للنّاس إماماً>یعنی:"

میں تجھے لوگوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں"۔حضرت ابراھیم علیہ السلام نے خوش ہوکرکہا:

<ومن ذرّیّتی>"

کیا میری ذریت کو بھی یہ عہدہ ملے گا؟" خدائے متعال نے فرمایا:

<لاینال عهدالظالمین>"

میرا وعدہ)امامت) ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔" اس آیہء شریفہ نے ہر ظالم کے لئے عہدہ امامت کو قیامت تک کے لئے مسترد کر دیا اور اس)امامت) کو ممتاز اور منتخب افراد میں متعین قرار دیا۔-※※※ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام (ص) نے اسے وراثت میں حاصل کیا※※※ آپ نے بھی اسے خدا کے حکم سے علی علیہ السلام اور ان کی معصوم نسلوں میں قرار دیا کہ جو اہل علم و ایمان تھے اور یہ مقام ان کے معصوم فرزندوں میں قیامت تک رہے گا۔ پس یہ نادان کیسے امام کو انتخاب کر سکتے ہیں۔؟!! امامت انبیاء کی عظمت و منزلت اور اولیائے الٰہی کی وراثت ہے۔ امامت، خدائے متعال اور پیغمبر اسلام (ص) کی جانشین اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی عظمت نیز حسن وحسین علیہما السلام کی وارثت ہے۔ امامت، دین کی زمامداری، مسلمانوں کی حکمت عملی، دنیا کی بہتری اور مؤمنین کی عزت ہے۔ صرف امامت کے ذریعہ نماز، روزہ، حج، زکواۃ اور جہاد کو مکمل طور پر انجام دیا جا سکتا ہے اور امام کے ذریعہ حدود اور احکام الٰہی کا نفاذ ممکن ہے اور سرحدوں کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔

یہ امام ہی ہے جو خدا کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام بتاتا ہے، خدا کے حدود کو جاری کرتا ہے، دین خدا کا دفاع کرتا ہے اور لوگوں کو خدا کے راستہ کی طرف اپنی حکمت عملی، اچھی نصیحت اور محکم و متقن دلائل سے دعوت دیتا ہے۔

امام ایک آفتاب کے مانند ہے جو طلوع ہو کر پوری دنیا کو روشنی میں غرق کر دیتا ہے چونکہ وہ

ایک بلندی پر مستقر ہوتا ہے لہذا اس تک لوگوں کی نظریں اور آلودہ ہاتھ نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

امام، ماہ تابان، شمع فروزان، چمکتا نور اور درخشاں ستارہ ہے جو شدید تاریکیوں شہہ راہوں اور گزرگاہوں، شہروں اور گلی کوچوں، صحراؤں اور سمندروں کے گردابوں میں) جہالت و آزمائش نیز دربدری کے زمانہ میں) لوگوں کی ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔

امام، پیاسوں کے لئے ٹھنڈا پانی اور گمراہوں کی ہدایت کے لئے راہنما و ایک دلیل ہے۔

امام، ایک ابر باران، موسلا دھار بارش، چمکتا ہوا سورج، سایہ دار چھت، وسیع و عریض زمین، ابلتا ہوا چشمہ، نیز جھیل اور گلستان کے مانند ہوتا ہے۔

امام، خدا کے بندوں کے لئے انتہائی سختیوں میں، ہمدم و مونس، مہربان باپ، برابر کا بھائی، غمخوار ماں اور خدا کی پناہ گاہ ہوتا ہے۔

امام، خدا کے بندوں میں خدا کا امانتدار، اس کے بندوں پر حجت الٰہی اور اس کے ملک میں اس کا جانشین ہوتا ہے۔

امام، خدا کی طرف دعوت دینے والا اور حریم الٰہی) حدود، مقدرات اور احکام) کا دفاع کرنے والا ہوتا ہے۔

امام، گناہوں سے پاک، عیوب اور برائیوں سے منزّہ ہوتا ہے۔

امام علم میں یگانہ، حلم و بردباری میں یکتا، نظام، دین نیز مسلمانوں کی عزت، منافقون کے واسطے غضب اور کافروں کے لئے ہلاکت ہے۔

امام،) فضائل اور انسانی اقدار کے حوالے سے) بے مثال ہوتا ہے۔ کوئی بھی عظمت و بزرگی

کے اعتبار سے اس) امام) کے برابر نہیں ہوسکتا ہے اور کوئی عالم اس کے مساوی نہیں ہوسکتا ہے اور کسی کو اس کا جانشین اور متبادل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اور امام وہ ہے کہ، جس کو تلاش وکوشش کے بغیر تمام فضیلتیں خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔

پس، کون ہے جو امام کو پہچان سکتا ہے۔ اور اس کو چننے اور منتخب کرنے کی قدرت رکھتا ہے افسوس! افسوس!) اس سلسلہ میں)

عقلیں گم ہیں، نظریں ناتواں ہیں، بڑے چھوٹے ہو گئے ہیں، حکماء اور فلاسفہ حیراں و سرگرداں ہیں، اور خطباء، عقلاء، شعراء، ادباء اور مبلغین، خستہ و عاجز ہیں، کہ اس) امامت) کی کوئی شان یا اس کی فضیلتوں میں سے کسی فضیلت کی توصیف کریں۔ یہ مقام کیسے توصیف کے حدود میں اسکتا ہے جبکہ امام ستارہ کے مانند ہے اور انسان کی توصیف کے دائرہ امکان سے دور ہے۔

کیا تم لوگ تصور کرتے ہو کہ یہ خصوصیتیں پیغمبر اسلام (ص) کے خاندان کے علاوہ کسی اور میں موجود ہوسکتی ہیں؟!

خدا کی قسم! ان کی نفسانی خواہشات نے انھیں جھوٹ بولنے پر مجبور کیا ہے اور باطل تصورات نے انھیں منحرف کیا ہے۔

انہوں نے بلندیوں پر قدم رکھا اور آخر کار ان کے قدم ڈگمگائے اور وہ پستیوں میں جا گرے ہیں۔ انہوں نے اپنی گمراہ کن اور پریشان عقلوں سے امام منتخب کرنا چاہا لیکن دوری، گمراہی اور انحراف کے علاوہ انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔

انہوں نے خدائے متعال،رسول خدا (ص) نیز آپ کے اہل بیت)علیہم السلام) کے انتخاب کے علاوہ خود انتخاب کرنا چاہا،جبکہ قرآن مجید،ان کے لئے یوں فرماتا ہے:※ وربّک یخلق مایشاء ویختار ماکان لھم الخیرۃ※ "تیرا پروردگار جسے چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور منتخب کرتا ہے،ان کے لئے انتخاب کا حق نہیں ہے،وہ اس بات سے منزّہ و پاک ہے کہ جس کالوگ اسے شریک قرار دیتے ہیں") خدائے متعال مزید فرماتا ہے:)※ وما کالمؤمن ولا مؤمنۃ إذ قضی اللہ ورسولہ أمراًأن یکون لھم الخیرمن أمرھم ۔۔※ "اور کسی مؤمن مرد یا عورت کواختیار نہیں ہے کہ جب خدااور رسولخدا کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اپنے امور کے بارے میں صاحب اختیار ہوجائے"

پس وہ کیسے امام کو انتخاب کر سکتے ہیں جبکہ امام ایک ایسا دانشور ہے جس کے حدود میں نادانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔وہ ایک ایسا سر پرست ہے،جس میں خوف اور پلٹنے کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا۔وہ تقدس، پاکیزگی،زہدواطاعت،علم وعبادت کا مرکز ہے،پیغمبراسلام (ص) کی دعائیں حضرت فاطمۂ بتول کی پاکیزہ اولاد سے مخصوص ہے۔وہ یہ کہ اس مقدس سلسلہ میں عیب جوئی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور کوئی بھی خاندانی شرف اس کے برابر نہیں ہے۔وہ خاندان قریش وہاشم اور پیغمبر اسلام (ص) کی عترت سے ہیں جو خدا کے پسندیدہ ہیں۔وہ اشراف الاشراف عبدمناف کی اولاد سے ہیں۔وہ علم وآگہی کے وارث اور مکمل بردباری کے مالک ہیں۔رہبری میں قدرتمند اور سیاست سے آگاہ ہیں۔خدا کے حکم کے مطابق ان کی اطاعت کرنا واجب ہے۔وہ امر خدا پر سختی سے قائم، نیز خدائے متعال کے بندوں کے حق

میں خیر خواہ اور دین کے محافظ ہیں۔

خدائے متعال نے انبیاء اور ائمہ کو توفیق عطا کی ہے اور اپنے علم وحکمت کے خزانہ سے جو چیز دوسروں کو نہیں دی ہے، وہ انھیں عطا کی ہے۔اس لحاظ سے ان کی عقل اپنے زمانہ کے لوگوں کی عقلوں سے افضل ہے کہ خدائے متعال نے فرمایا ہے:

<افمن یهدی إلی الحقّ...>

کیا جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ اطاعت کے لئے زیادہ شائستہ وسزاوار ہے یا وہ جو خود راہنمائی کے بغیر راستہ پر گامزن نہیں ہے؟ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ کیسے حکم کرتے ہو؟ خدائے متعال فرماتا ہے

<ومن یؤت الحکمة...>"

جسے حکمت دے دی گئی ہے اس نے بہت سی نیکیاں پالی ہیں۔" طالوت کے بارے میں خدائے عزّوجل کا فرمان ہے

:<إنّ للہ اصطفاء علیکم...>

انہیں اللہ نے تمھارے لئے منتخب کیا ہے اور علم وجسم میں وسعت عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا کرتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور صاحب علم بھی۔

)خدائے متعال نے)اپنے پیغمبر (ص) سے فرمایا

:<وائنزل اللہ علیك الکتاب والحکمة...>"

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان تمام باتوں کا علم دے دیا ہے

کہ جن کا آپ کو علم نہ تھا، اور آپ پر خدا کا بہت بڑا فضل ہے“۔ اور اہل بیت اطہار اور عترت پیغمبر (ص) کے ائمہ کے بارے میں فرمایا:

<ا ٴم یحسدون النّاس علی ما آتاهم الله من فضله...>“

یا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنھیں خدا نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ عطا کیا ہے تو پھر ہم نے آل ابراھیم (علیہ السلام) کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم عطا کیا ہے۔ پھر ان میں سے بعض ان پر ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا اور ان کے لئے جہنم کی دھکتی ہوئی آگ ہے۔“

حقیقت میں جب خداوند متعال اپنے کسی بندہ کو اپنے بندوں کے امور کی اصلاح کے لئے منتخب کرتا ہے، تو اس کے سینہ میں وسعت عطا کرتا ہے، اس کے دل میں حکمت کے چشمے قرار دیتا ہے اور اسے ایک ایسے علم سے نوازتا ہے کہ اس کے بعد کسی سوال کا جواب دینے میں عاجز نہیں ہوتا اور راہ حق سے منحرف نہیں ہوتا ہے۔ پس اس)امام)معصوم کو خدائے متعال کی طرف سے توفیق اور تائید حاصل ہوتی ہے۔ ہر قسم کی خطا، لغزش اور فرو گذاشت سے محفوظ ہوتا ہے۔ خدائے متعال نے اسے ان صفات کا امتیاز بخشا ہے تا کہ وہ اس کے بندوں پر حجت اور اس کی مخلوقات پر گواہ رہے اور یہ بخشش و کرم خدا کی طرف سے ہے وہ جسے چاہتا عطا کرتا ہے اور خداوند متعال بڑا کریم ہے۔

کیا لوگوں میں یہ طاقت ہے کہ اس قسم کے کسی شخص کا انتخاب کریں یا ان کا منتخب کردہ نمائندہ اس قسم کا ہو؟ بیت اللہ کی قسم! ان لوگوں نے حق سے تجاوز کیا ہے اور نادانی کی صورت میں

کتاب خدا سے منہ موڑ لیا ہے، جبکہ ہدایت اور شفا کتاب خدا میں ہے۔انہوں نے کتاب الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی ہے۔خدائے متعالی نے بھی ان کی مذمت کی اور انھیں دشمن قرار دیتے ہوئے قعر مذلت میں ڈال دیا اور فرمایا:

<ومن اضلّ ممن هواه بغير هدى من الله...>"

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو ہدایت الٰہی کے علاوہ اپنی خواہشات کا اتباع کر لے جبکہ اللہ ظالم قوم کی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔"اور فرمایا

:<فتعساً لهم واضلّ اعمالهم...>"

وہ نابود اور ھلاک ہوجائیں اور ان کے اعمال برباد ہوجائیں۔"اور فرمایا

:<كبر مقتاً عندالله...>

"وہ اللہ اور صاحبان ایمان کے نزدیک سخت نفرت کے حقدار ہیں اور اللہ اس طرح ہر مغرور اور سرکش انسان کے دل پر مہر لگاتا ہے۔" خدا کی بے شمار رحمتیں اور درود وسلام حضرت محمد اور ان کے خاندان پر۔

دوسرا باب:

امامت آیۂ مباہلہ کی روشنی میں نجران کے عیسائی اوران کا باطل دعوی

<فمن حاجّك فيه من بعد ما جاء ك من العلم فقل تعالوا ندعُ ا ٔبنائنا و ا ٔبناء كم و نسائنا و نسائكم و ا ٔنفسنا و ا ٔنفسكم ثمّ نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين>آل عمران/٦١)

”)پیغمبر!)علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے)حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں)کٹ حجتی کریں،ان سے کہہ دیجئے کہ چلوہم لوگ اپنے اپنے فرزند،اپنی عورتوں اوراپنے اپنے نفسوں کودعوت دیں اورپھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اورجھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں“

آیہ ٔشریفہ میں گفتگونجران کے عیسائیوں کے بارے میں ہے کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام کوخداجانتے تھے اوران کے بغیرباپ کے پیداہونے کی وجہ سے ان کے خدا ہونے کی دلیل تصورکرتے تھے۔اس سے پہلی والی آیت میں ایاہے:

<إنّ مثل عيسى عند الله كمثل آدم خلقه من تراب ثمّ قال له كن فيكون>آل عمران/٥٩)

”بیشک عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں مٹی سے پیدا کیااور پھر کہا کہ ہوجاؤ

تو وہ خلق ہو گئے۔"

مذکورہ آیت ان کے دعوے کو باطل کرتی ہے۔یعنی اگر تم لوگ حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام کے بارے میں بغیر باپ کے پیدا ہونے کے سبب ان کے خدا ہونے کے قائل ہو تو حضرت آدم علیہ لسلام ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں،اس لئے وہ زیادہ حقدار وسزاوار ہیں کہ تم لوگ ان کی خدائی کے معتقد ہو جاؤ۔

اس قطعی برہان کے باوجود انہوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اپنے اعتقاد پر ڈٹے رہے۔

بعد والی آیت میں خدائے متعال نے پیغمبر اکرم (ص) سے مخاطب کر کے حکم دیا کہ انھیں مباہلہ کرنے کی دعوت دیں۔

اگر چہ اس آیت) آیہء مباہلہ) کے بارے میں بہت سی بحث ہیں،لیکن جو بات یہاں پر قابل توجہ ہے،وہ اہل بیت علیھم السلام،خاص کر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں چند نکات ہیں، جو آنحضرت (ص) کے ساتھ مباہلہ کے لئے آئے تھے۔

مذکورہ آیہء شریفہ اور اس سے مربوط احادیث کی روشنی میں ہونے والی بحثیں مندرجہ ذیل پانچ محور پر استوار ہے:

ا۔پیغمبر اکرم (ص) مامور تھے کہ مباہلہ کے لئے کن لوگوں کو اپنے ساتھ لائیں؟

۲۔ان کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد کیا تھا؟

۳۔آیہء شریفہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے آنحضرت (ص) کن افراد کو اپنے ساتھ لائے؟

۴۔آیہء مباہلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا مقام اور یہ کہ آیہء شریفہ میں حضرت علی علیہ السلام کونفس پیغمبر(ص) کہا گیا ہے نیز اس سے مربوط حدیثیں۔

۵۔ان سوالات کا جواب کہ مذکورہ آیت کے ضمن میں پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا محور

آیہء مباہلہ میں پیغمبر(ص) کے ہمراہ

پہلی بحث یہ کہ پیغمبر اسلام(ص) کو مباہلہ کے سلسلہ میں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کن افراد کو دعوت دینی چاہئے تھی،اس سلسلہ میں ایہء شریفہ میں غور وخوض کے پیش نظر درج ذیل چند مسائل ضروری دکھائی دیتے ہیں:

الف:"ابنائنا"اور"نسائنا" سے مراد کون لوگ ہیں؟

ب:"انفسنا" کا مقصود کون ہے؟

<...تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم...>

ابناء ابن کا جمع ہے یعنی بیٹے،اور چونکہ"ابناء کی"ضمیر متکلم مع الغیر یعنی"نا" کی طرف نسبت دی گئی ہے ا اور اس سے مراد خود آنحضرت(ص) ہیں،اس لئے آنحضرت(ص) کو کم از کم تین افراد،جو ان کے بیٹے شمار ہوں،کو مباہلہ کے لئے اپنے ہمراہ لانا چاہئے۔

<...ونسائنا ونسائکم...>

"نساء"اسم جمع ہے عورتوں کے معنی میں اور ضمیر متکلم مع الغیر یعنی"نا" کی طرف اضافت دی گئی

ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت (ص) اپنے گھرانے میں موجود تمام عورتوں (چنانچہ جمع مضاف کی دلالت عموم پر ہوتی ہے) یا کم از کم تین عورتوں کو) جو کم سے

ا۔اس آیہء شریفہ میں استعمال کئے گئے متکلم مع الغیر والی ضمیریں، معنی کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔ "ندع" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ وآنحضرت علیہ السلام یعنی نصاریٰ مقصود ہے،اور" ابناء"،" نساء" و"انفس" اس سے خارج ہیں۔اور" ابنائنا"،" نسائنا"اور" انفسنا" میں خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقصود ہیں اور طرف مباہلہ اور ابناء، نسائ اور انفس بھی اس سے خارج ہیں۔"نبتھل" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ اور ابناء، نساء اور انفس سب داخل ہیں۔

کم جمع کی مقدار اور خاصیت ہے) مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے۔

اس بحث میں قابل ذکر ہے، وہ "أبنائنا ونسائنا وأنفسنا" کی دلالت کا اقتضا ہے اور بعد والے جوابات محور میں جو مباہلہ کے ھدف اور مقصد پر بحث ہوگی وہ بھی اس بحث کا تکملہ ہے۔

لیکن "أبناء" اور "نساء" کے مصادیق کے عنوان سے کتنے اور کون لوگ مباہلہ میں حاضر ہوئے ،ایک علیحدہ گفتگو ہے جس پر تیسرے محور میں بحث ہوگی۔

<...وانفسنا وانفسکم...>

انفس، نفس کی جمع ہے اور چونکہ یہلفظ ضمیر متکلم مع الغیر "نا" (جس سے مقصود خود آنحضرت (ص) کی ذات ہے) کی طرف مضاف ہے، اس لئے اس پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام

(ص) کو) جمع کے اقتضا کے مطابق) کم از کم تین ایسے افراد کو مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے جو آپ کے نفس کے زمرے میں آتے ہوں۔ کیا "أنفسنا" خود پیغمبر اکرم) ص) پر قابل انطباق ہے؟

اگر چہ "أنفسنا" میں لفظ نفس کا اطلاق اپنے حقیقی معنی میں صرف رسول اللہ (ص) کے نفس مبارک پر ہے، لیکن آیہء شریفہ میں موجود قرائن کے پیش نظر "أنفسنا" میں لفظ نفس کو خود آنحضرت (ص) پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے اور وہ قرائن حسب ذیل ہیں:

۱۔ "أنفسنا" جمع ہے اور ہر فرد کے لئے نفس ایک سے زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ جملہء <فقل تعالوا ندع>

آنحضرت (ص) کو اس کے حقیقی معنی میں دعوت دینے کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور حقیقی دعوت کبھی خود انسان سے متعلق نہیں ہوتی ہے، یعنی انسان خود کو دعوت دے، یہ معقول نہیں ہے۔

اس بنائ پر، بعض لوگوں نے تصور کیا ہے کہ "فطوّعت لہ نفسہ" یا "دعوت نفسی" جیسے استعمال میں "دعوت") دعوت دینا) جیسے افعال نفس سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ یہ اس نکتہ کے بارے میں غفلت کا نتیجہ ہے کہ یہاں پر یا تو یہ "نفس" خود انسان اور اس کی ذات کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، یا "دعوت سے مراد" (دعوت دینا) حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ "فطوّعت لہ نفسہ قتل أخیہ" کی مثال میں نفس کا مقصود انسان کی نفسانی خواہشات ہے اور اس جملہ کا معنی یوں ہے "اس کی نفسانی خواہشات نے اس کے لئے اپنے بھائی کو قتل کرنا آسان کر دیا" اور "دعوت نفسی" کی مثال میں مقصود اپنے آپ کو کام انجام دینے کے لئے

مجبور اور آمادہ کرنا ہے اور یہاں پر دعوت دینا اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے کہ جو نفس سے متعلق ہو۔

۳۔"ندع" اس جہت سے کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے اس لئے نفس پر دلالت کرتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے، کہ دوسروں کو دعوت دینے والا خود مباہلہ کا محور ہو، اور وہ خود کو بھی دعوت دے دے۔

دوسرا محور:

مباہلہ میں اہل بیت رسول (ص) کے حاضر ہونے کا مقصد

پیغمبر اسلام (ص) کو کیوں حکم ہوا کہ مباہلہ کرنے کے واسطے اپنے خاندان کو بھی اپنے ساتھ لائیں، جبکہ یہ معلوم تھا کہ مباہلہ دو فریقوں کے درمیان دعویٰ ہے اور اس داستان میں ایک طرف خود پیغمبر (ص) اور دوسری طرف نجران کے عیسائیوں کے نمائندے تھے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت (ص) کے نزدیک ترین رشتہ داروں کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد صرف آنحضرت (ص) کی بات سچی ہونے اور ان کی دعوت صحیح ہونے کے سلسلہ میں لوگوں کو اطمینان و یقین دکھلانا تھا، کیونکہ انسان کے لئے اپنے عزیز ترین اشخاص کو اپنے ساتھ لانا صرف اسی صورت میں معقول ہے کہ انسان اپنی بات اور دعویٰ کے صحیح ہونے پر مکمل یقین رکھتا ہو۔ اور اس طرح کا اطمینان نہ رکھنے کی صورت میں گویا اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں کو خطرے میں ڈالنا ہے اور کوئی بھی عقلمند انسان ایسا اقدام نہیں

کرسکتا۔

پیغمبر اکرم (ص) کے تمام رشتہ داروں میں سے صرف چند اشخاص کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کے حوالے سے یہ توجیہ صحیح نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ اس صورت میں اس خاندان کا میدان مباہلہ میں حاضر ہونا اور اس میں شرکت کرنا ان کے لئے کسی قسم کی فضیلت اور قدر و منزلت کا باعث نہیں ہوسکتا ہے، جبکہ آیہء شریفہ اور اس کے ضمن میں بیان ہونے والی احادیث میں غور و خوض کرنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس ماجرا میں پیغمبر اسلام (ص) کے ہمراہ جانے والوں کے لئے ایک بڑی فضیلت ہے۔

اہل سنت کے ایک بڑے عالم علامہ زمخشری کہتے ہیں:

"وفیه دلیل لاشیئ اقویٰ منه علی فضله اصحاب الکساء"[1]

"آیہء کریمہ میں اصحاب کساء) علیہم السلام) کی فضیلت پر قوی ترین دلیل موجود ہے"

آلوسی کا روح المعانی میں کہنا ہے:

"و دلالتها علی فضل آل الله و رسوله (ص) مما لا یمتری فیها مؤمن والنصب جازم الایمان"[2]

"آیہ کریمہ میں ال پیغمبر (ص) کہ جو آل اللہ ہیں ان کی فضیلت ہے اور رسول اللہ (ص) کی فضیلت، ایسے امور میں سے ہے کہ جن پر کوئی مؤمن شک و شبہ نہیں کرسکتا ہے اور خاندان پیغمبر (ص) سے دشمنی اور عداوت ایمان کو نابود کردیتی ہے"

اگرچہ آلوسی نے اس طرح کی بات کہی ہے لیکن اس کے بعد میں آنے والی سطروں میں اس

نے ایک عظیم فضیلت کو خاندان پیغمبر (ص) سے موڑنے کی کوشش کی ہے۔ ۳

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خداوندمتعال نے کیوں حکم دیا کہ اہل بیت علہیم السلام پیغمبر اکرم (ص) کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لئے حاضر ہوں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہم پھر سے آیہء شریفہ کی طرف پلٹتے ہیں:۔۔۔

فقل تعالوا ندع ائبناء ناو ابناء کم و نساء نا و نسائکم وائنفسنا وائنفسکم ثمّ نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین>

آیہء شریفہ میں پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے"أبناء"،"نساء" اور"أنفس" کودعوت دینا اور پھر دعا کرنا اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دینا بیان ہوا ہے۔

۱۔تفسیر الکشاف، ج۱ص۳۷۰،دارالکتاب العربی، بیروت۔

۲۔روح المعانی، ج۳ص۱۸۹،داریٔ احیایٔ التراث العربی، بیروت۔

۳۔اس کے نظریہ پر اعتراضات کے حصہ میں تنقید کریں گے۔

آیہءمباہلہ میں اہل بیت رسول)ص) کی فضیلت وعظمت کی بلندی

مفسرین نے کلمہ" ابتھال" کودعامیں تضرع یانفرین اورلعنت بھیجنے کے معنی میں لیاہے اور یہ دونوں معنی ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتے ہیں اور" ابتھال" کے یہ دونوں معانی ہوسکتے ہیں۔

آیہءشریفہ میں دوچیزیں بیان کی گئی ہیں،ایک ابتھال جو"نبتھل" کی لفظ سے استفادہ ہوتاہےاوردوسرے"ان لوگوں پرخدا کی لعنت قرار دینا جواس سلسلہ میں جھوٹے ہیں

"<فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین>

کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں کلموں میں سے ہر ایک کے لئے خارج میں ایک خاص مفہوم اور مصداق ہے دوسرا فقرہ جو جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دینا ہے پہلے فقرے ابتہال پر" فاء" کے ذریعہ کہ جو تفریع اور سببیت کے معنی میں ہے عطف ہے۔

لہذا،اس بیان کے پیش نظر پیغمبر اکرم (ص) اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کا تضرع)رجوع الی اللہ) ہے اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت اور عقوبت کا مرتب ہونا اس کا معلول ہے،اور یہ ایک بلند مقام ہے کہ خدا کی طرف سے کافروں کو ہلاک کرنا اور انھیں سزا دینا پیغمبر اسلام (ص) اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ انجام پائے۔یہ مطلب آنحضرت (ص) کے اہل بیت)علیہم السلام) کی ولایت تکوینی کی طرف اشارہ ہے، جو خداوند متعال کی ولایت کے برابر ہے۔

اگر کہا جائے کہ:

<فنجعل لعنۃ اللہ>میں"

فاء"اگر چہ ترتیب کے لئے ہے لیکن ایسے مواقع پر" فاء" کے بعد والا جملہ اس کے پہلے والے جملہ کے لئے مفسر قرار پاتا ہے اور وہ ترتیب کہ جس پر کلمہ" فاء" دلالت کرتا ہے وہ ترتیب ذکری ہے جیسے:

<ونادیٰ نوح ربّہ فقال ربّ إنّ ابنی من اٴھلی>)ھود/۴۵)

"اور نوح نے اپنے پروردگار کو آواز دی کہ پروردگارا میرا فرزند میری اہل سے ہے۔"

یہاں پر جملہء "فقال ۔۔۔" جملہ "فنادیٰ" کو بیان) تفسیر) کرنے والا ہے۔جواب یہ ہے:
اولاً: جس پر کلمہ "فاء" دلالت کرتا ہے وہ ترتیب وتفریع ہے اوران دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ "جن دو جملوں کے درمیان "فاء" نے رابطہ پیدا کیا ہے، ان دونوں جملوں کا مضمون ہے کہ دوسرے جملہ کا مضمون پہلے جملہ پر مترتب ہے"
اور یہ "فاء" کا حقیقی معنی اورتفریع کالازمہ ہے۔یعنی ترتیب ذکری پر "فاء" کی دلالت اس کے خارج میں دو مضمون کی ترتیب کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ لفظ اور کلام میں ترتیب ہے لہذا اگراس پر کوئی قرینہ موجود نہ ہوتو کلام کواس پر حمل نہیں کر سکتے۔اس صورت میں ایہ ءشریفہ آنحضرت (ص) کے خاندان کے لئے ایک عظیم مرتبہ پردلالت رہی ہے کیونکہ ان کی دعا پیغمبر اسلام (ص) کی دعا کے برابر ہے اور مجموعی طور پر یہ دعا اس واقعہ میں جھوٹ بولنے والوں پر ہلاکت اورعذاب الٰہی نازل ہونے کا باعث ہے۔
دوسرے یہ کہ:
جملہء "فنجعل لعنة الله" میں مابعد "فاء"
جملہء سابق یعنی "نبتھل" کے لئے بیّن اورمفسّر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، کیونکہ دعا کرنے والے کا مقصد خدا سے طلب کرنا ہے نہ جھوٹوں پر لعنت کرنا۔اس صفت کے پیش نظر اس کو لعنت قرار دینا) جو ایک تکوینی امر ہے) پہلے پیغمبر اسلام (ص) اور آپکے اہل بیت علیہم السلام سے مستند ہے اور دوسرے "فاء" تفریع کے ذریعہ ان کی دعا پر متوقف ہے۔گویا اس حقیقت کا ادراک خود نجران کے عیسائیوں نے بھی کیا ہے۔اس سلسلہ میں ہم

فخر رازی کی تفسیر میں ذکر کئے گئے حدیث کے ایک جملہ پر توجہ کرتے ہیں:

"...فقال اٴسقف نجران: یامعشر النصاریٰ! إنّی لاٴری وجوھاً لوساٴلو اللہ اٴن یزیل جبلاً من مکانه لاٴزاله بھا فلا تباھلوا فتھلکوا ولایبقی علی وجه الاٴرض نصرانیّ إلیٰ یوم القیامة۔"[1]

"نجران کے) عسائی) پادریان نورانی چہروں کو دیکھ کرانتہائی متاثر ہوئے اور بولے اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے پہاڑ کے اپنی جگہ سے ٹلنے کا مطالبہ کریں تو وہ ضرور اپنی جگہ سے کھسک جائیں گے۔اس لئے تم ان سے مباہلہ نہ کرنا،ورنہ ھلاک ہوجاؤ گےاورزمین پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔"

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیہٴ شریفہ کے مضمون میں درج ذیل اموروا ضح طور پر بیان ہوئے ہیں:

١۔پیغمبر اکرم (ص)،اپنے اہل بیت علیہم السلام کواپنے ساتھ لے آئے تاکہ وہ آپ کے ساتھ اس فیصلہ کن دعا میں شریک ہوں اور مباہلہ آنحضرت (ص) اورآپ کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے مشترک طور پرانجام پائے تاکہ جھوٹوں پرلعنت اورعذاب نازل ہونے میں موٴثر واقع ہو۔

٢۔آنحضرت (ص) اورآپکے اہل بیت (ع) کاایمان ویقین نیز آپ کی رسالت اوردعوت کامقصدتمام لوگوں کے لئے واضح ہوگیا۔

٣۔اس واقعہ سے آنحضرت (ص) کے اہل بیت علیہم السلام کا بلند مرتبہ نیز اہل بیت کی

آنحضرت (ص) سے قربت دنیا والوں پر واضح ہوگئی۔

اب ہم یہ دکھیں گے کہ پیغمبر اسلام (ص) "أبنائنا" (اپنے بیٹوں) "نسائنا" (اپنی عورتوں) اور "أنفسنا" (اپنے نفسوں) میں سے کن کو اپنے ساتھ لاتے ہیں؟

ا۔التفسیر الکبیر، فخر رازی، ج۸، ص۸۰، دار احیائ التراث العربی۔

تیسرا محور

مباہلہ میں پیغمبر (ص) اپنے ساتھ کس کو لے گئے

شیعہ اور اہل سنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) مباہلہ کے لئے علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو اپنے ساتھ نہیں لائے۔اس سلسلہ میں چند مسائل قابل غور ہیں:

الف: وہ احادیث جن میں پیغمبر (ص) کے اہل بیت علیہم السلام کا میدان مباہلہ میں حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

ب: ان احادیث کا معتبر اور صحیح ہونا۔

ج۔اہل سنّت کی بعض کتابوں میں ذکر ہوئی قابل توجہ روایتیں۔

مباہلہ میں اہل بیت رسول (ص) کے حاضر ہونے کے بارے میں حدیثیں ا۔اہل سنّت کی حدیثیں:

چونکہ اس کتاب میں زیادہ تر روئے سخن اہل سنّت کی طرف ہے لہذا اکثر انھیں کے منابع سے

احادیث نقل کی جائیں گی۔ نمونہ کے طور پر اس حوالے سے چند احادیث نقل کی جارہی ہیں:

پہلی حدیث:

صحیح مسلم (۱) سنن ترمذی (۲) اور مسند احمد (۳) میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے جس کی متفق اور مسلم لفظیں یہ ہیں:

۱۔صحیح مسلم، ج۵،ص۲۳ کتاب فضائل الصحابة،باب من فضائل علی بن ابیطالب، ح۳۲،موسسئه عزالدین للطباعةوالنشر

۲۔سنن ترمذی، ج۵،ص۵۶۵ دارالفکر

۳۔مسند احمد، ج۱،ص۱۸۵،دار صادر،بیروت

"حدثنا قتیبة بن سعید و محمد بن عباد... قالا: حدثنا حاتم (و هو ابن اسماعیل) عن بکیر بن مسمار، عن عامر بن سعد بن ابی وقاص، عن ابیه، قال: امر معاویه بن ابی سفیان سعداءفقال: ما منعك ان تسب ابا التراب؟ فقال: اماّ ما ذکرتُ ثلاثاً قالهنّ له رسوالله (ص) فلن اسبّه۔ لان تکون لی واحدة منهنّ احبّ إلیّ من حمر النعم۔

سمعت رسول لله (ص) یقول له لماّ خلّفه فی بعض مغازیه فقال له علیّ: یا رسول الله، خلّفتنی مع النساء والصبیان؟ فقال له رسول الله (ص):اما ترضی ان تکون منّی بمنزلة هارون من موسی إلاّ انه لانبوة بعدی؟

و سمعته یقول یوم خیبر: لاُعطینّ الرایة رجلاً یحبّ الله و رسوله و یحبّه الله

ورسوله۔ قال: فتطاولنا لها۔ فقال: اُدعو الی علیاً فاٴُتی به اٴرمد، فبصق فی عینه ودفع الرایة إلیه،ففتح الله علیه۔

ولمّاأنزلت هذه الایة<...فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم>دعا رسول الله-صلی الله علیه وسلم -علیاً وفاطمة وحسناً وحسیناً،

فقال:اللّهمّ هؤلاٴ اٴهلی"۔

"قتیبة بن سعید اور محمد بن عباد نے ہمارے لئے حدیث نقل کی،-- عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اس نے اپنے باپ)سعد بن ابی وقاص)سے کہ معاویہ نے سعد کوحکم دیا اور کہا: تمھیں ابوتراب)علی بن ابیطالب علیہ السلام) کو دشنام دینے اور برا بھلا کہنے سے کونسی چیز مانع ہوئی)سعد نے) کہا: مجھے تین چیزیں) تین فضیلتیں) یاد ہیں کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے،لہذا میں انھیں کبھی بھی برا بھلا نہیں کہوں گا۔اگر مجھ میں ان تین فضیلتوں میں سے صرف ایک پائی جاتی تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں سے محبوب تر ہوتی:

ا۔میں نے پیغمبر خدا (ص) سے سنا ہے ایک جنگ کے دوران انھیں)حضرت علی علیہ السلام)مدینہ میں اپنی جگہ پر رکھا تھا اور علی (علیہ السلام) نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدینہ میں چھوڑ رہے ہیں؟) آنحضرت (ص) نے) فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہو جو ہارون کی) حضرت) موسیٰ)علیہ السلام) کے ساتھ تھی،صرف یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا؟ ۲۔میں نے)رسول خدا

(ص)) سے سنا ہے کہ آپ نے روز خیبر علی کے بارے میں فرمایا: بیشک میں پرچم اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو خدا ورسول (ص) کو دوست رکھتا ہے اور خدا ورسول (ص) اس کو دوست رکھتے ہیں۔) سعد نے کہا): ہم) اس بلند مرتبہ کے لئے) سر اٹھا کر دیکھ رہے تھے) کہ آنحضرت (ص) اس امر کے لئے ہمیں مقرر فرماتے ہیں یا نہیں؟) اس وقت آنحضرت (ص) نے فرمایا: علی (علیہ السلام) کو میرے پاس بلاؤ۔ علی (علیہ السلام) کو ایسی حالات میں آپکے پاس لایا گیا، جبکہ ان کی آنکھوں میں درد تھا، آنحضرت (ص) نے اپنا آب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور پرچم ان کے ہاتھ میں تھمادیا اور خدائے متعال نے ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔

۳۔جب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی:< قل تعالوا ندع ا ٔبناء نا و ا ٔبنائکم و نسائنا و نسائکم و ا ٔنفسنا و ا ٔنفسکم...>

تو پیغمبر اکرم (ص) نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین) علیہم السلام) کو بلا کر فرمایا: خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔"

اس حدیث سے قابل استفادہ نکات:

۱۔حدیث میں جو آخری جملہ آیا ہے:"اللّٰہمّ ھٰؤلاء أھلی" خدایا! یہ میرے اہل ہیں، اس بات پر دلالت کرتا ہے "أبناء" "نساء" اور "أنفس" جو آیہء شریفہ میں ائے ہیں، وہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل ہیں۔

۲۔"أبناء" "نساء" و "أنفس" میں سے ہر ایک جمع مضاف ہیں) جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا) اس کا

اقتضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خاندان کے تمام بیٹوں، عورتوں اور وہ ذات جو آپ کا نفس کہلاتی تھی، سب کو میدان مباہلہ میں لائیں، جبکہ آپ نے "أبناء" میں سے صرف حسن و حسین علیہما السلام کو اور "نساء" سے صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اور "أنفس" سے صرف حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ لایا۔ اس مطلب کے پیش نظر جو آپ نے یہ فرمایا: "خدایا، یہ میرے اہل ہیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت (ص) کے اہل صرف یہی حضرات ہیں اور آنحضرت (ص) کی بیویاں اس معنی میں اپکے اہل کے دائرے سے خارج ہیں۔

۳۔ "اہل" اور "اہل بیت" کے ایک خاص اصطلاحی معنی ہیں جو پنجتن پاک کہ جن کو آل عبا اور اصحاب کساء کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ دوسروں پر اس معنی کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ یہ مطلب، پیغمبر اسلام (ص) کی بہت سی احادیث سے کہ جو آیہء تطہیر کے ذیل میں ذکر ہوئی ہیں اور اس کے علاوہ دوسری مناسبتوں سے بیان کی ہیں گئی بخوبی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

دوسری حدیث:

فخر رازی نے تفسیر کبیر میں ایہء مباہلہ کے ذیل میں لکھا ہے:

"روی أنّہ ۔علیہ السلام۔ لمّا أورد الدلائل علی نصاری نجران، ثمّ إنّہم أصرّوا علی جہلہم، فقال ۔علیہ السلام۔

إنّ اللہ أمرنی إن لم تقبلوا الحجّۃ أن أباھلکم۔ فقالوا: یا أبا القاسم، بل

نرجع فننظر فی أمرنا ثمّ نأتیك۔

فلمّا رجعوا قالوا للعاقب- وکان ذا رأیھم -: یا عبد المسیح، ما تری؟ فقال: و الله لقد عرفتم یا معشر النصاری أنّ محمداً نبیّ مرسل و لقد جاء کم بالکلام الحق فی أمر صاحبکم و الله ما باھل قوم نبیاً قط فعاش کبیرھم و لا نبت صغیرھم! و لئن فعلتم لکان الا ستئصال ، فإن أبیتم إلاّ الإصرار علی دینکم و الإقامة علی ما أنتم علیه فوادعوا الرجل و انصرفوا إلی بلادکم۔ و کان رسول الله (ص)خرج وعلیه مرط من شعر أسود، وکان قد احتضن الحسین وأخذ بید الحسن، و فاطمه تمشی خلفه وعلی - علیه السلام - خلفھا، و ھو یقول:إذا دعوت فأمّنوا فقال أسقف نجران: یا معشر النصاری! إنّی لأری وجوھاً لو سألوا الله أن یزیل جبلاً من مکانه لأزاله بھا! فلا تباھلوا فتھلکوا، و لا یبقی علی وجه الأرض نصرانیّ إلی یوم القیامة۔ ثمّ قالوا: یا أبا القاسم! رأینا أن لا نباھلك و أن نقرّك علی دینك فقال:- صلوات الله علیه - فإذا أبیتم المباھلة فاسلموا یکن لکم ما للمسلمین، وعلیکم ما علی المسلمین، فأبوا، فقال: فإنیّ أُناجزکم القتال، فقالوا مالنا بحرب العرب طاقة، ولکن نصالك علی أن لا تغزونا و لا تردّنا عن دیننا علی أن نؤدّی إلیك فی کل عام ألفی حلّة:ألفاء فی صفر و ألفافی رجب، و ثلاثین درعاً عادیة من حدید، فصالحھم علی ذلك۔ وقال: والّذی نفسی بیده إنّ الھلاك قد تدلّی علی أھل

نجران، ولولاعنوالمسخوا قردة و خنازير و لاضطرم عليهم الوادی ناراً ولاستاٴ صل الله نجران واٴهله حتی الطير علی رؤس الشجر و لما حالا لحوال علی النصاری کلّهم حتی يهلکوا و روی اٴنّه - عليه السلام -لمّ خرج فی المرط الاٴسود فجاء الحسن -عليه السلام - فاٴدخله، ثمّ جاء الحسين -عليه السلام - فاٴدخله، ثمّ فاطمة - عليها السلام - ثمّ علی - عليه السلام - ثمّ قال:<إنّما يريد الله ليذهب عنکم الرجس اهل البيت و يطهّرکم تطهيراً>واعلم اٴنّ هذه الرواية کالمتّفق علی صحّتها بين اٴهل التّفسير والحديث۔"[1]

"جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں پر دلائل واضح کردئے اور انھوں نے اپنی نادانی اور جہل پر اصرار کیا، تو آنحضرت (ص) نے فرمایا: خدائے متعال نے مجھے حکم دیا ہے اگر تم لوگوں نے دلائل کو قبول نہیں کیا تو تمہارے ساتھ مباہلہ کروں گا۔") انھوں نے) کہا: اے اباالقاسم! ہم واپس جاتے ہیں تاکہ اپنے کام کے بارے میں غور وفکر کرلیں، پھر آپکے پاس آئیں گے۔

۱۔تفسیر کبیر فخر رازی، ج۸،ص،۸۰،داراحیائ التراث العربی۔

جب وہ) اپنی قوم کے پاس) واپس چلے گئے، انھوں نے اپنی قوم کے ایک صاحب نظر کہ جس کا نام "عاقب" تھا اس سے کہا: اے عبدالمسیح! اس سلسلہ میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اے گروہ نصاریٰ! تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہچانتے ہو اور جانتے ہو وہ ا

اللہ کے رسول ہیں۔اور آپ کے صاحب) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں حق بات کہتے ہیں۔خدا کی قسم کسی بھی قوم نے اپنے پیغمبر سے مباہلہ نہیں کیا،مگر یہ کہ اس قوم کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو گئے۔چنانچہ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔اس لئے اگر اپنے دین پر باقی رہنے کے لئے تمھیں اصرار ہے تو انہیں چھوڑ کر اپنے شہر واپس چلے جاؤ۔پیغمبر اسلام (ص)) مباہلہ کے لئے) اس حالت میں باہر تشریف لائے کہ حسین (علیہ السلام) آپکی آغوش میں تھے،حسن (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے،فاطمہ (سلام اللہ علیہا) آپکے پیچھے اور علی (علیہ السلام) فاطمہ کے پیچھے چل رہے تھے۔آنحضرت (ص) فرماتے تھے:"جب میں دعا مانگوں تو تم لوگ آمین کہنا"نجران کے پادری نے کہا:اے گروہ نصاریٰ!میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے گا۔لہذا ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرنا،ورنہ تم لوگ ہلاک ہو جاؤ گے اور روی زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔اس کے بعد انہوں نے کہا:اے ابا القاسم!ہمارا ارادہ یہ ہے کہ آپ سے مباہلہ نہیں کریں گے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اب جبکہ مباہلہ نہیں کر رہے ہو تو مسلمان ہو جاؤ تا کہ مسلمانوں کے نفع و نقصان میں شریک رہو۔انہوں نے اس تجویز کو بھی قبول نہیں کیا۔آنحضرت (ص) نے فرمایا:اس صورت میں تمھارے ساتھ ہماری جنگ قطعی ہے۔انہوں نے کہا:عربوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔لیکن ہم آپ کے ساتھ صلح کریں گے تا کہ آپ ہمارے ساتھ جنگ نہ کریں اور ہمیں

اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہ کریں گے،اس کے بدلہ میں ہم ہر سال آپ کو دو ہزار لباس دیں گے،ایک ہزار لباس صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار لباس رجب کے مہینہ میں اور تیس ہزار آہنی زرہ ادا کریں گے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس تجویز کو قبول کر لیا اس طرح ان کے ساتھ صلح کر لی۔اس کے بعد فرمایا:قسم اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے،اہل نجران نابودی کے دہانے پر پہونچ چکے تھے،اگر مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ ہو جاتے اور جس صحرا میں سکونت اختیار کرتے اس میں آگ لگ جاتی اور خداوند متعال نجران اور اس کے باشندوں کو نیست و نابود کر دیتا،یہاں تک کہ درختوں پر موجود پرندے بھی ہلاک ہو جاتے اور ایک سال کے اندر اندر تمام عیسائی صفحہء ہستی سے مٹ جاتے۔روایت میں ہے کہ جب پیغمبر اکرم (ص)،اپنی پشمی کالی رنگ کی عبا پہن کر باہر تشریف لائے)اپنے بیٹے)حسن (علیہ السلام) کو بھی اس میں داخل کر لیا،اس کے بعد حسین (علیہ السلام) آگئے انہیں بھی عبا کے نیچے داخل کیا اس کے بعد علی و فاطمہ)علیہما السلام) تشریف لائے اس کے بعد فرمایا: اِنَّما یرید اللہ۔۔۔ ”پس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت کہ تم سے ہر طرح کی کثافت و پلیدی سے دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔“علامہ فخر رازی نے اس حدیث کی صحت و صداقت کے بارے میں کہا ہے کہ تمام علماء تفسیر و احادیث کے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ ہے۔“

حدیث میں قابل استفادہ نکات:

اس حدیث میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔اس حدیث میں رسول (ص) کے اہل بیت کا حضور اس صورت میں بیان ہوا ہے کہ خود آنحضرت (ص) آگے آگے) حسین علیہ السلام) کو گود میں لئے ہوئے، حسن (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑے ہوئے جو حسین (علیہ السلام) سے قدرے بڑے ہیں اور آپکی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا آپکے پیچھے اوران کے پیچھے (علیہ السلام) ہیں۔ یہ کیفیت انتہائی دلچسپ اور نمایاں تھی۔ کیونکہ یہ شکل ترتیب آیہء مباہلہ میں ذکر ہوئی ترتیب وصورت سے ہم آہنگ ہے۔اس ہماہنگی کا درج ذیل ابعاد میں تجزیہ کیا جا سکتا ہے:

الف: ان کے آنے کی ترتیب وہی ہے جو آیہء شریفہ میں بیان ہوئی ہے۔یعنی پہلے "أبناء نا" اس کے بعد "نسائنا" اور پھر آخر پر "أنفسنا" ہے۔

ب: یہ کہ رسول خدا (ص) اپنے چھوٹے فرزند حسین بن علی علیہما السلام کو آغوش میں لئے ہوئے اور اپنے دوسرے فرزند خوردسال حسن بن علی علیہما السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں، یہ آیہءشریفہ میں بیان ہوئے "بناءنا" کی عینی تعبیر ہے۔

ج۔بیچ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا قرار پانا اس گروہ میں "نساء نا" کے منحصر بہ فرد مصداق کے لئے آگے اور پیچھے سے محافظ قرار دیا جانا، آیہءشریفہ میں "نساء نا" کی مجسم تصویر کشی ہے۔

۲۔اس حدیث میں پیغمبر اکرم (ص) نے اپنے اہل بیت علیہم السلام سے فرمایا: اذا دعوت فأ منوا" یعنی: جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین ا کہنا اور یہ وہی

ا۔دعا کے بعد آمین کہنا، خدا متعال سے دعا قبول ہونے کی درخواست ہے۔

چیز ہے جو آیہء مباہلہ میں ائی ہے:※نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین※

یہاں پر"ابتھال") دعا) کوصرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دی گئی ہے، بلکہ"ابتھال" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعا کی صورت میں اورآپ کے ہمراہ آئے ہوئے اعزّہ واقربا کی طرف سے آمین کہنے کی صورت میں محقق ہونا چاہئے تا کہ (اس واقعہ میں) جھوٹوں پر ہلاکت اورعقوبت الٰہی واقع ہونے کا سبب قرار پائے، جیسا کہ گزرچکا ہے۔

۳۔گروہ نصارٰی کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کی عظمت وفضیلت کا اعتراف یہاں تک کہ ان کے نورانی ومقدس چہروں کودیکھنے کے بعد مباہلہ کرنے سے انکار کردیا۔

تیسری حدیث:

ایک اورحدیث جس میں"أبنائنا"،"نسائنا"اور"أنفسنا" کی لفظیں صرف علی، فاطمہ، حسن اورحسین علیہم السلام پرصادق آتی ہیں، وہ حدیث"مناشد یوم الشوری" ہے۔اس حدیث میں امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام، اصحاب شوریٰ) عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ، زبیراورسعد بن ابی وقاص) سے کہ جس دن یہ شورٰی تشکیل ہوئی اورعثمان کی خلافت پر منتج وتمام ہوئی، اپنے فضائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔اس طرح سے کہ ان تمام فضیلتوں کو یاد دلاتے ہوئے انہیں خدا کی قسم دیتے ہیں اوران تمام فضیلتوں کو

اپنی ذات سے مختص ہونے کا ان سے اعتراف لیتے ہیں۔ حدیث یوں ہے:

"أخبرنا أبو عبد الله محمد بن إبرهم، أنا ابو الفضل أحمد بن عبد المنعم بن أحمد ابن بندار، أنا أبو الحسن العتيقي، أنا أبو الحسن الدارقطني، أنا أحمد بن محمد بن سعيد، أنا يحي بن ذكريا بن شيبان، أنا يعقوب بن سعيد، حدثني مثنى أبو عبدالله، عن سفيان الثوري، عن أبن إسحاق السبيعي، عن عاصم بن ضمرة وهبيرة و عن العلاء بن صالح، عن المنهال بن عمرو، عن عباد بن عبدالله الأسدي و عن عمرو بن واثلة قالوا: قال عليّ بن أبي طالب يوم الشوري: والله لأحتجنّ عليهم بما لا يستطيع قُرَشيّهم و لا عربيّهم و لا عجميّهم ردّه و لا يقول خلافه۔ ثمّ قال لعثمان بن عفان ولعبد الرحمن بن عوف و الزبير و لطلحة وسعد- وهن أصحاب الشوري و كلّهم من قريش، و قد كان قدم طلحة- أُنشد كم بالله الذي لا إله إلّا هو، أفيكم أحد وحّد الله قبلي؟ قالوا: اللّهمّ لا۔ قال: أنشد كم بالله، أفيكم أحد أخو رسول الله- صلى الله عليه وسلم- غيري، إذ آخي بين المؤمنين فآخي بيني و بين نفسه و جعلني منه بمنزلة هارون من موسى إلّا أني لست بنبيّ؟ قالوا: لا۔ قال: أنشد كم بالله، أفيكم مطهّر غيري، إذ سدّ رسول الله (ص) أبوابكم و فتح بابي و كنت معه في مساكنه ومسجده؟ فقام إليه عمّه فقال: يا رسول الله، غلّقت أبوابنا و فتحت باب عليّ؟ قال: نعم، الله أمر بفتح بابه وسدّ أبوابكم !!! قالوا: اللّهمّ لا۔ قال: نشدتكم بالله، أفيكم

اٴحد اٴحب إلی للہ و إلی رسولہ منّی إذ دفع الرایۃ إلیّ یوم خیر فقال : لاٴعطینّ الرایۃ إلی من یحبّ اللہ و رسولہ و یحبّہ اللہ و رسولہ، و یوم الطائر إذ یقول: " اللّھمّ ائتنی باٴحب خلقك إلیك یاٴکل معی"، فجئت فقال: " اللّھمّ و إلی رسولك، اللّھمّ و إلی رسولك"

غیری؟ ا قالوا: اللّھمّ لا قال: نشدتکم باللہ، اٴفیکم اٴحد قدم بین یدی نجواہ صدقۃ غیری حتی رفع اللہ ذلك الحکم؟ قالوا: اللّھمّ لا۔ قال: نشدتکم باللہ، اٴفیکم من قتل مشر کی قریش و العرب فی اللہ و فی رسولہ غیری؟ قالوا: اللّھمّ لا۔ قال: نشدتکم باللہ، اٴفیکم اٴحد دعا رسول اللہ (ص) فی العلم و اٴن یکون اُذنہ الو اعیۃ مثل ما دعالی؟ قالوا: اللّھمّ لا قال: نشدتکم باللہ، ھل فیکم اٴحد اٴقرب إلی رسول اللہ (ص) فی الرحم و من جعلہ و رسول اللہ (ص) نفسہ و إبناء اٴبنائہ و۔۔۔ غیری؟ قالوا: اللّٰھم لا۔۔۔"۲

اس حدیث کو معاصم بن ضمرۃ وہبیرۃ اور عمرو بن وائلہ نے حضرت)علی علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے شوریٰ کے دن یوں فرمایا:

"خدا کی قسم بیشک میں تمہارے سامنے ایسے استدلال پیش کروں گا کہ اھل عرب وعجم نیز قریش میں سے کوئی شخص بھی اس کو مسترد نہیں کرسکتا اور نہ ھی اس کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہے۔ میں تمھیں اس خدا کی قسم دلاتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، کیا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے خدائے واحد کی پرستش کی ہو۔؟ انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے!

نہیں۔ آپ (ع) نے فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جو رسول (ص) کا بھائی ہو، جب) آنحضرت (ص) نے) مؤمنین کے درمیان اخوت اور برادری برقرار کی، اور مجھے اپنا بھائی بنایا اور میرے بارے

ا۔شائد مقصود یہ ہو کہ "خداوندا! تیرے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک بھی محبوب ترین مخلوق علی) علیہ السلام ہیں۔"

۲۔تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲،ص ۴۳۱، دارالفکر

میں یہ ارشادفرمایا کہ:" تمہاری نسبت مجھ سے ویسی ہی جیسے ہارون کی موسی سے تھی سوائے اس کے کہ میں نبی نہیں ہوں"۔

انہوں نے کہا: نہیں۔فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا میرے علاوہ تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جسے پاک و پاکیزہ قرار دیا گیا ہو، جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھارے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف بند کردیئے تھے اور میرے گھر کا دروازہ کھلا رکھا تھا اور میں مسکن و مسجد کے سلسلہ میں انحضرت (ص) کے ساتھ)اور آپ کے حکم میں) تھا، چچا) حضرت) عباس اپنی جگہ اٹھے اور کہا: اے اللہ کے رسول !ہمارے گھروں کے دروازے بند کردیئے اور علی) علیہ السلام) کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا؟

پیغمبر (ص) نے فرمایا: یہ خدائے متعال کی طرف سے ہے کہ جس نے ان کے دروازہ کو کھلا رکھنے اور آپ لوگوں کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا؟

انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے، نہیں۔فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں، کیا تمہارے درمیان

کوئی ہے جسے خدااور رسول مجھ سے زیادہ دوست رکھتے ہوں، جبکہ پیغمبر (ص) نے خیبر کے دن علم اٹھا کر فرمایا "بیشک میں علم اس کے ہاتھ میں دونگا جو خدااور رسول (ص) کو دوست رکھتا ہے اور خدااور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں" اور جس دن بھنے ہوئے پرندہ کے بارے میں فرمایا: "خدایا! میرے پاس اس شخص کو بھیج جسے تو سب سے زیادہ چاھتا ہے تا کہ وہ میرے ساتھ کھانا کھائے۔" اور اس دعا کے نتیجہ میں، میں اگیا۔ میرے علاوہ کون ہے جس کے لئے یہ اتفاق پیش آیا ہو؟

انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے، نہیں۔

فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس نے پیغمبر سے سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا ہو، یہاں تک کہ خدائے وندمتعال نے اس حکم کو منسوخ کر دیا؟

انہوں نے کہا۔ خدا شاہد ہے نہیں۔

فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس نے قریش اور عرب کے مشرکین کو خدااور اس کے رسول (ص) کی راہ میں قتل کیا ہو؟

انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔

فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس کے حق میں پیغمبر اکرم (ص)) افزائش) علم کے سلسلہ میں دعا کی ہو اور اذن واعیہ) گوش شنوا) کا خدا سے مطالبہ کیا ہو، جس طرح میرے حق میں دعا کی؟ انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں کوئی ہے جو پیغمبر اکرم (ص) سے

رشتہ داری میں مجھ سے زیادہ نزدیک ہو اور جس کو پیغمبر خدا (ص) نے اپنا نفس، اس کے بیٹوں کو اپنے بیٹے کہا ہو؟ انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مباہلہ میں شریک ہونے والے افراد، کہ جنھیں پیغمبر اکرم (ص) اپنے ساتھ لائے تھے وہ، علی، فاطمہ، حسن، وحسین) علیہم السلام) کی ذات تک محدود ہیں۔

حدیث کا معتبر راور صحیح ہونا:

اہل سنت کی احادیث کے بارے میں ہم صرف مذکورہ احادیث ہی پر اکتفا کرتے ہیں، اوران احادیث کے مضمون کی صحت کے بارے میں یعنی مباہلہ میں صرف پنجتن آل عبا) پیغمبر کے علاوہ علی، فاطمہ حسن وحسین علیہم السلام) ہی شامل تھے اس حوالے سے صرف حاکم نیشابوری کے درج ذیل مطالب کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

وہ اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" ا میں پہلے آیہء مباہلہ کے نزول کو ابن عباس سے نقل کرتا ہے اور وہ انفسنا سے حضرت علی علیہ السلام "نسائنا" سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور "أبناء نا" سے حسن وحسین علیہما السلام مراد لیتا ہے۔ اس کے بعد ابن عباس اور دوسروں سے اس سلسلہ میں نقل کی گئی روایتوں کو متواتر جانتے ہوئے کے اہل بیت (ع) کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمائش: "ہؤلاء أبنائنا وأنفسنا ونسائنا" کے سلسلہ میں یاد دہانی کراتا ہے۔

چنانچہ اس باب میں اصحاب کے ایک گروہ جیسے جابر بن عبداللہ، ابن عباس اور امیر المؤمنین کے حوالے سے مختلف طرق سے احادیث نقل ہوئی ہیں، اس مختصر کتاب میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے ہم حاشیہ میں بعض ان منابع کی طرف اشارہ کرنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں ۲

۱۔معرفة علوم الحدیث، ص۵۰، دار الکتب العلمیة، بیروت

۲۔احکام القرآن /جصاص/ ج۲/ص۱۴دارالکتاب العربی بیروت، اختصاص مفید/ص۵۶/من منشورات جماعة المدرسین فی الحوزة العلمیة، اسباب النزول /ص۶۸/دارالکتب العلمیة بیروت، اسد الغابة/ ج۴/ ص۲۵/ داراحیاء التراث العربی بیروت الا صابہ/ ج۲/جزء ۴/ص۲۷۱، البحر المحیط/ ج۳/ ص۴۷۹/ داراحیاء التراث العربی بیروت، البدایة و النهایة/ ج۵/ ص۴۹ دارالکتب العلمیة بیروت، البرهان/ ج۱/ص۲۸۹/ مؤسسه مطبوعاتی اسماعیلیان، التاج الجامع للاصول/ ج۳/ ص۳۳۳/داراحیاء التراث العربی بیروت، تاریخ مدینه دمشق/ ج۴۲/ص۱۳۴/ دارالفکر، تذکره خواص الامة/ ص۱۷/ چاپ نجف، تفسیر ابن کثیر/ ج۱/ص۳۷۸/دارالنعرفة
بیروت، تفسیر بیضاوی/ ج۱/ص۱۶۳/دارالکتب العلمیة بیروت، تفسیرخازن) الباب التأویل) /ج۱/ص۲۳۶/دارالفکر، تفسیر الرازی/ ج۸/ص۸۰/داراحیاء التراث العربی بیروت، تفسیرالسمر قندی)

بحر العلوم)/ج۱ص/۲۷۴دار الکتب العلمیة بیروت، تفسیر طبری/ ج۳ /ص۳۰۱۔۲۹۹/دالفکر،تفسیر طنطاوی/ ج۲/ ص۱۳۰/ دار المعارف القاهرة، تفسیر علی بن ابراهیم قمی /ج۱/ص۱۰۴، تفسیر الماوردی/ ج۱/ ص۳۸۹و۳۹۹/ مؤسسة ظالکتب الثقافیة/ دارالکتب العلمیة بیروت، التفسیر المنیر/ج۳/ ص۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹/ دار الفکر، تفسیرالنسفی) در حاشیهٔ خازن)/ ج۱/ص۲۳۶/دار الفکر،تفسیر

۲۔شیعہ امامیہ کی احادیث

شیعہ روایتوں میں بھی اس واقعہ کے بارے میں بہت سی فراوان احادیث موجود ہیں، یہاں پر ہم ان میں سے چند احادیث کو نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں:

پہلی حدیث

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ، جب نجران کے عیسائی پیغمبر اسلام (ص) کے پاس آئے، ان کی نماز کا وقت ہو گیا وہیں پر گھنٹی بجائی اور) اپنے طریقہ سے) نماز پڑھنا شروع کے ا۔اصحاب نے کہا: اللہ کے رسول یہ لوگ آپکی مسجد میں یوں عمل کررہے ہیں! آپ نے فرمایا: انھیں عمل کرنے دو۔

جب نماز سے فارغ ہوئے، پیغمبر اکرم (ص) کے قریب آئے اور کہا: ہمیں آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟

النیشابوری/ج۳/ص۲۱۳/دارالمعرفة بیروت،تلخیص المستدرک/ج۳/ص۱۵۰/دارالمعرفة بیروت،جامع احکام القرآن/قرطبی/ج۴/ص۱۰۴/دارالفکر، جامع الاصول/ج۹/ص۴۶۹دار احیاء التراث العربی،الجامع الصحیح للترمذی/ج۵/ص۵۹۶/دارالفکر، الدرالمنثور/ج۲/ص۲۳۳۔۲۳۰/دارالفکر، دلائل النبوة ابونعیم اصفهانی/ص۲۹۷، ذخائر العقبی/ص۲۵/مؤسسةالوفاء بیروت، روح المعانی/ج۳/ص۱۸۹/داراحیاء التراث العربی، الریاض النضرة/ج۳/ص۱۳۴/دارالندوة الجدید بیروت، زاد المسیر فی علم التفسیر/ج۱/ص۳۳۹/دارالفکر، شواهد التنزیل/حاکم حسکانی/ج۱/ص۱۶۷۔۱۵۵/مجمع احیاء الثقافة الاسلامیة، صحیح مسلم/ج۵/ص۲۳/ کتاب فضائل الصحابة/باب فضائل علی بن ابی طالب /ح۳۲/مؤ سسة عزّالدین، الصواعق المحرقة/ص۱۴۵/مکتبة القاهرة، فتح القدیر/ج۱/ص۳۱۶/ط مصر)به نقل احقاق)، فرائد السمطین/ج۲/ص۲۴،۲۳/مؤ سسةالمحمودیبیروت، الفصول المهمة/ص۲۵۔۱۲۶،۲۳۔۱۲۷/منشورات الاعلمی، کتاب التسهیل لعلوم التنزیل /ج۱/ص۱۰۹/دارالفکر، الکشاف/ج۱/دارالمعرفة بیروت، مدارج النبوة/ص۵۰۰بمبئی)به نقل احقاق)،المستدرک علی الصحیحن/ج۳/ص۱۵۰/دارالعرفةبیروت،مسند احمد/ج۱/ص۱۸۵/دار

صادر بیروت، مشکوۃ المصابیح/ ج۳/ص۱۷۳۱/المکتب الاسلامی، مصابیح السنۃ/ ج۴/ص۱۸۳/دار المعرفۃ بیروت، مطالب السئول/ص۷/چاپ تہران، معالم التنزیل /ج۱/ص۴۸۰/دار الفکر، معرفۃ اصول الحدیث/ص۵۰/دار الکتب العلمیۃ بیروت، مناقب ابن مغازلی /ص۲۶۳/المکتبۃ الاسلامیۃ تہران

آپ نے فرمایا: اس کی دعوت دیتا ہوں کہ، خدائے واحد کی پرستش کرو، میں خدا کا رسول ہوں اور عیسیٰ خدا کے بندے اور اس کے مخلوق ہیں وہ کھاتے اور پیتے ہیں نیز قضائے حاجت کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا: اگر وہ خدا کے بندے ہیں تو اس کا باپ کون ہے؟

پیغمبر خدا (ص) پر وحی نازل ہوئی کہ اے رسول ان سے کہد یجئے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ وہ خدا کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں اور کھاتے اور پیتے ہیں......اور نکاح کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اگر خدا کے ہر بندے اور مخلوق کے لئے کوئی باپ ہونا چاہئے تو آدم علیہ السلام کا باپ کون ہے؟ وہ جواب دینے سے قاصر رہے۔ خدائے متعال نے درج ذیل دو آیتیں نازل فرمائیں:

<إنّ مثل عیسی عند اللّٰہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ... فمن حاجّك فیہ من بعد ما جاءك من العلم قل تعالوا ندع ابناءنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم> (آل عمران/۶۱)

"عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا ہوجا تو وہ پیدا ہوگئے......اے پیغمبر! علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ ٹھیک ہے تم اپنے فرزند، اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلاؤ اور ہم بھی اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں پھر خدا کی بارگاہ میں دونوں ملکر دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں"

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: "میرے ساتھ مباہلہ کرو، اگر میں نے سچ کہا ہوگا تو تم لوگوں پر عذاب نازل ہوگا اور اگر میں نے جھوٹ کہا ہوگا تو مجھ پر عذاب نازل ہوگا"

انہوں نے کہا: آپنے منصفانہ نظریہ پیش کیا ہے اور مباہلہ کو قبول کیا۔ جب وہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹے، ان کے سرداروں نے ان سے کہا: اگر محمد (ص) اپنی قوم کے ہمراہ مباہلہ کے لئے تشریف لائیں، تو وہ پیغمبر نہیں ہیں، اس صورت میں ہم ان کے ساتھ مباہلہ کریں گے، لیکن اگر وہ اپنے اہل بیت) علیہم السلام) اور اعزہ کے ہمراہ تشریف لائیں تو ہم ان کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے۔

صبح کے وقت جب وہ میدان مباہلہ میں اگئے تو دیکھا کہ پیغمبر (ص) کے ساتھ علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ اس وقت انہوں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ ان سے کہا گیا: وہ مردان کا چچا زاد بھائی اور داماد علی بن ابیطالب ہیں اور وہ عورت ان کی بیٹی فاطمہ ہے اور وہ دو بچے حسن اور حسین) علیہا السلام) ہیں۔

انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کیا اور آنحضرت (ص) سے کہا: "ہم آپ کی رضایت کے

طالب ہیں۔ ہمیں مباہلہ سے معاف فرمائیں۔" آنحضرت (ص) نے ان کے ساتھ صلح کی اور طے پایا کہ وہ جزیہ ادا کریں۔ ا

دوسری حدیث

سید بحرانی، تفسیر "البرہان" میں ابن بابویہ سے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں:

"حضرت) امام رضا علیہ السلام) نے مامون اور علماء کے ساتھ) عترت وامت میں فرق اور عترت کی امت پر فضیلت کے بارے میں) اپنی گفتگو میں فرمایا: جہاں پر خدائے متعال

ا۔ تفسیر علی بن ابراھیم، مطبعۃ النجف، ج ا، ص ۱۰۴، البرہان ج ا، ص ۲۸۵

ان افراد کے بارے میں بیان فرماتا ہے جو خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں، اور خدا اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیتا ہے کہ مباہلہ کے لئے اپنے اہل بیت کو اپنے ساتھ لائیں اور فرماتا ہے

:>...فقل: تعالوا ندع ا ٔبنائنا وا ٔبنائکم ونسائنا ونسائکم وا ٔنفسنا وا ٔنفسکم...<

علماء نے حضرت سے کہا: آیہ میں "أنفسنا" سے مراد خود پیغمبر (ص) ہیں! امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: آپ لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ بلکہ "أنفسنا" سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ

السلام) ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے بنی ولیعہ سے فرمایا: "أولأبعثنّ إلیھم رجلاً کنفسی" یعنی: "بنی ولیعہ کو اپنے امور سے دست بردار ہوجانا چاہئے، ورنہ میں اپنے مانند ایک مرد کو ان کی طرف روانہ کروں گا۔"

"أبناء نا" کے مصداق حسن وحسین) علیہما السلام) ہیں اور "نساء نا" سے مراد فاطمہ (سلام اللہ علیہا) ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے، جس تک کوئی نہیں پہونچ سکا اور یہ ایسی بلندی ہے جس تک انسان کا پہنچنا اس کے بس کی بات نہیں ہے اور یہ ایسی شرافت ہے جسے کوئی حاصل نہیں کرسکتا ہے۔یعنی علی (علیہ السلام) کے نفس کو اپنے نفس کے برابر قرار دیا۔ ا

تیسری حدیث

اس حدیث میں، ہارون رشید، موسی بن جعفر علیہ السلام سے کہتا ہے: آپ کس طرح اپنے آپ کو پیغمبر (ص) کی اولاد جانتے ہیں جبکہ انسانی نسل بیٹے سے پھیلتی ہے اور آپ پیغمبر (ص) کی بیٹی کے بیٹے ہیں؟

امام)علیہ السلام) نے اس سوال کا جواب دینے سے معذرت چاہی۔ہارون نے کہا: اس مسئلہ میں اپ کو اپنی دلیل ضرور بیان کرنا ہوگی آپ فرزندان، علی علیہ السلام کا یہ دعوی

ا۔تفسیر البرہان، ج۱، ص۲۸۹، مؤسسۂ مطبوعاتی اسماعیلیان

ہے آپ لوگ قرآن مجید کا مکمل علم رکھتے ہیں نیز آپ کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حرف بھی آپ کے علم سے خارج نہیں ہے اور اس سلسلہ میں خداوند متعال کے قول:※۔۔۔مافرّطنا فی

الکتاب من شی ء۔۔۔؟۱

سے استدلال کرتے ہیں اور اس طرح علماء کی رائے اور ان کے قیاس سے اپنے آپ کو بے نیاز جانتے ہو!

حضرت)امام موسی کاظم علیہ السلام (نے ہارون کے جواب میں اس آیہء شریفہ کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی ذریت تایا گیا ہے:

ومن ذرّیّتہ داود وسلیمان وأیوب و یوسف وموسی و ہارون و کذلک نجزی المحسنین زکریا و یحی و عیسی و الیاس۔۔۔؟۲

"اور پھر ابراھیم کی اولاد میں داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون قرار دیا اور ہم اسی طرح نیک عمل کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحیٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی رکھا جو سب کے سب نیک عمل انجام دینے والے ہیں۔"

اس کے بعد امام (علیہ السلام) نے ہارون سے سوال کیا: حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا باپ کون تھا؟ اس نے جواب میں کہا: عیسیٰ (علیہ السلام) بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ امام (ع) نے فرمایا: جس طرح خدائے متعال نے جناب عیسی کو حضرت مریم (سلام اللہ علیہا) کے ذریعہ ذریت انبیاء) علیہم السلام) سے ملحق کیا ہے اسی طرح ہمیں بھی اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے ذریعہ پیغمبر اکرم (ص) سے ملحق فرمایا ہے۔

اس کے بعد حضرت (ع) نے ہارون کے لئے ایک اور دلیل پیش کی اور اس کے لئے

۱۔ انعام/ ۳۸

۲۔انعام/ ۸۴۔۵

آیہء مباہلہ کی تلاوت کی اورفرمایا:کسی نے یہ دعوی نہیں کیاہے کہ مباہلہ کے دوران، پیغمبراکرم (ص) نے علی، فاطمہ،حسن اورحسین علیہم السلام کےعلاوہ کسی اورکوزیرکساء داخل کیاہو۔اس بناء پرآیہءشریفہ میں"أبنائنا" سے مرادحسن وحسین) علیہاالسلام) "نسائنا" سے مرادفاطمہ(سلام اللہ علیہا)اور"أنفسنا" سے مرادعلی علیہ السلام ہیں۔۱

چوتھی حدیث

اس حدیث میں کہ جسے شیخ مفید نے "الاختصاص" میں ذکرکیاہے۔موسی بن جعفرعلیہ السلام نے فرمایا:پوری امت نے اس بات پراتفاق کیاہے کہ جب پیغمبراکرم (ص) نے اہل نجران کومباہلہ کے لئے بلایاتوزیرکساء)وہ چادرجس کے نیچے اہل بیت رسول تشریف فرما تھے(علی، فاطمہ،حسن اورحسین علیہم السلام کےعلاوہ کوئی اورنہیں تھا۔اس بنائ پرخدائے متعال کےقول:※ فقل تعالوا ندع أبنائنا وأبناءکم ونساء نا ونسائکم وأنفسنا وأنفسکم ※ میں "أبنائنا" سے حسن وحسین)علیہاالسلام) "نسائنا" سے فاطمہ سلام اللہ علیہااور"أنفسنا" سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مرادہیں۔۲

شیخ محمدعبدہ اورر شید رضاسے ایک گفتگو

صاحب تفسیر"المنار" پہلے تو فرماتے ہیں کہ"روایت ہے کہ پیغمبراکرم (ص) نے مباہلہ کے

لئےعلی (ع) وفاطمہ (س) اوران کے دونوں بیٹوں کہ خدا کا ان پر درودو سلام ہو کا انتخاب کیااورانھیں میدان میں لائے اور ان سے فرمایا:"اگرمیں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا" روایت کوجاری رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ مسلم اور ترمذی کو بھی نقل کرتے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں:

۱۔البرہان، ج۱ص ۲۸۹،مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان

۲۔الاختصاص،ص۵۶،من منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ

استادامام) شیخ محمدعبدہ) نے کہاہے:اس سلسلہ میں روایتیں متفق علیہ ہیں کہ پیغمبر (ص) نے مباہلہ کے لئے علی (ع) فاطمہ (س) اوران کے بیٹوں کومنتخب کیا ہے اورآیہء شریفہ میں لفظ"نسائنا" فاطمہؑ کے لئے اورلفظ"أنفسنا" کا استعمال علی کے لئے ہوا ہے۔لیکن ان روایتوں کا سرچشمہ شیعہ منابع ہیں)اورانھوں نے یہ احادیث گھڑلی ہیں)اور اس سے ان کا مقصد بھی معلوم ہے۔وہ حتی الامکان ان احادیث کوشائع ومشہور کرنا چاہتے ہیں اوران کی یہ روش بہت سے سنّیوں میں بھی عام ہوگئی ہے!لیکن جنھوں نے ان روایتوں کوگھڑا ہے،وہ ٹھیک طریقہ سےان روایتوں کوآیتوں پرمنطبق نہیں کر سکے ہیں،کیونکہ لفظ"نساء" کا استعمال کسی بھی عربی لغت میں کسی کی بیٹی کے لئےنہیں ہوا ہے،بالخصوص اس وقت جب کہ خوداس کی بیویاں موجودہوں،اور یہ عربی لغت کے خلاف ہےاوراس سے بھی زیادہ بعید یہ ہے کہ "أنفسنا" سے مرادعلی (ع) کولیا جائے"۱

استادمحمدعبدہ کی یہ بات کہ جن کا شمار بزرگ علماء اور مصلحین میں ہوتا ہے انتہائی حیرت

انگیز ہے۔ باوجود اس کے کہ انھوں نے ان روایتوں کی کثرت اوران کے متفق علے ہ ہونے کو تسلیم کیا ہے، پھر بھی انھیں جعلی اورمن گھڑت کہا ہے۔

کیاایک عام مسلمان، چہ جائیکہ ایک بہت بڑاعالم اس بات کی جرائت کرسکتا ہے کہ ایک ایسی حقیقت کوآسانی کے ساتھ جھٹلا دے کہ جورسول اللہ (ص) کی صحیح ومعتبر سنّت میں مستحکم اور پائدار بنیاد رکھتی ہو؟! اگرمعتبر صحاح اورمسانید میں صحیح سند کے ساتھ روایت نقل ہوئی ہے وہ بھی صحیح مسلم جیسی کتاب میں کہ جواہل سنّت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد دومعتبر ترین کتابوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے،اس طرح بے اعتبار کی جائے،تومذاہب اسلامی میں ایک مطلب کوثابت کرنے یامسترد کرنے کے سلسلہ میں کس منبع و ماخذ پراعتماد کیا جاسکتا ہے ؟اگرائمہ

۱۔المنار، ج۳،ص ۳۲۲،دارالمعرفة بیروت

مذاہب کی زبانی متواتراحادیث معتبرنہیں ہوں گی تو پھرکونسی حدیث معتبر ہوگی؟!

کیاحدیث کوقبول اورمسترد کرنے کے لئے کوئی قاعدہ وضابطہ ہے یاہرکوئی اپنے ذوق وسلیقہ نیزمرضی کے مطابق ہرحدیث کوقبول یامسترد کرسکتا ہے؟ کیایہ عمل سنّت رسول (ص) کے ساتھ زیادتی اوراس کامذاق اڑانے کے مترادف نہیں ہے؟

شیخ محمدعبدہ نے آیہء شریفہ کے معنی پردقت سے توجہ نہیں کی ہے اورخیال کیاہے کہ لفظ ”نسائنا“حضرت فاطمہ زہراء)سلام اللہ علیہا)کے بارے میں استعمال ہواہے۔جبکہ ”نسائنا“ خوداپنے ہی معنی میں استعمال ہواہے،رہاسوال رسول خدا (ص) کی

بیویوں کا کہ جن کی تعداد اس وقت نو تھی ان میں سے کسی ایک میں بھی وہ بلند مرتبہ صلاحیت موجود نہیں تھی اور خاندان پیغمبر (ص) میں تنہا عورت، جو آپ کے اہل بیت میں شمار ہوتی تھیں اور مذکورہ صلاحیت کی مالک تھیں، حضرت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) تھیں، جنھیں انحضرت (ص) اپنے ساتھ مباہلہ کے لئے لے گئے۔ ا

"أنفسنا" کے بارے میں اس کتاب کی ابتداء میں بحث ہوچکی ہے انشا اللہ بعد والے محور میں بھی اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائیگی۔

ایک جعلی حدیث اور اہل سنّت کا اس سے انکار

مذکورہ روایتوں سے ایک دوسرا مسئلہ جو واضح ہوگیا وہ یہ تھا کہ خامس آل عبا) پنجتن پاک علیہم السلام) کے علاوہ کوئی شخص میدان مباہلہ میں نہیں لایا گیا تھا۔

مذکورہ باتوں کے پیش نظر بعض کتابوں میں ابن عساکر کے حوالے سے نقل کی گئی روایت کسی صورت میں قابل اعتبار نہیں ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) ابوبکر اور ان کے فرزندوں، عمر اور ان کے فرزندوں، عثمان اور ان کے فرزندوں اور علی علیہ السلام اور ان کے

ا۔ اس سلسلہ میں بحث، آیہء تطہیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

فرزندوں کو اپنے ساتھ لائے تھے۔

ایک تو یہ کہ علماء و محققین، جیسے آلوسی کی روح المعانی ا میں یاد ہانی کے مطابق، یہ حدیث جمہور علماء کی روایت کے خلاف ہے، اس لئے قابل اعتماد نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کی سند میں چند ایسے افراد ہیں جن پر جھوٹے ہونے کا الزام ہے، جیسے: سعید بن عنبسہ رازی، کہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال ۲ میں یحییٰ بن معین کے حوالے سے کہا ہے کہ: "وہ انتہائی جھوٹ بولنے والا ہے" اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ: "وہ سچ نہیں بولتا ہے۔" اس کے علاوہ اس کی سند میں ھیثم بن عدی ہے کہ جس کے بارے میں ذہبی کا سیر اعلام النبلاء ۳ میں کہنا ہے: ابن معین اور ابن داؤد نے کہا ہے: "وہ انتہائی جھوٹ بولنے والا ہے" اس کے علاوہ نسائی اور دوسروں نے اسے متروک الحدیث جانا ہے۔

افسوس ہے کہ مذکورہ جعلی حدیث کا جھوٹا مضمون حضرت امام صادق اور حضرت امام باقر (علیہما السلام) سے منسوب کر کے نقل کیا گیا ہے!

۱۔روح المعانی، ج ۳، ص ۱۹۰، دار احیائ التراث العربی

۲۔میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۱۵۴، دار الفکر

۳۔سیر اعلام النبلاء، ج ۱۰، ص ۱۰۴، مؤسسہ الرسالہ

چھوتھا محور

علی (ع) نفس پیغمبر (ص) ہیں

گزشتہ بحثوں میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ "أنفسنا" سے مراد کا خود پیغمبر اکرم (ص) نہیں ہو سکتے ہیں اور چونکہ مذکورہ احادیث کی بناء پر مباہلہ میں شامل ہونے والے افراد میں صرف

علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام تھے، لہذا آیہء شریفہ میں "أنفسنا" کا مصداق علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی واضح بلکہ برترین فضیلتوں میں سے ہے۔

قرآن مجید کی اس تعبیر میں، علی علیہ السلام، نفس پیغمبر (ص) کے عنوان سے پہچنوائے گئے ہیں۔ چونکہ ہر شخص کا صرف ایک نفس ہوتا ہے، اس لئے حضرت علی علیہ السلام کا حقیقت میں نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا بے معنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اطلاق، اطلاق حقیقی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مانند اور مماثلت ہے۔ چونکہ یہاں پر یہ مماثلت مطلق ہے اس لئے اس اطلاق کا تقاضا ہے کہ جو بھی خصوصیت اور منصبی کمال پیغمبر اکرم (ص) کی ذات میں موجود ہے وہ حضرت علی علیہ السلام میں بھی پایا جانا چاہئے، مگر یہ کہ دلیل کی بناء پر کوئی فضیلت ہو، جیسے آپ پیغمبر نہیں ہیں۔ رسالت و پیغمبری کے علاوہ دوسری خصوصیات اور کمالات میں آپ رسول کے ساتھ شریک ہیں، من جملہ پیغمبر (ص) کی امت کے لئے قیادت وزعامت اور آنحضرت (ص) کی سارے جہاں، یہاں تک گزشتہ انبیاء پر افضلیت۔ اس بناء پر آیہء شریفہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کرنے کے علاوہ بعد از پیغمبران کی امت کے علاوہ تمام دوسرے انبیاء سے بھی افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

آیت کے استدلال میں فخر رازی کا بیان

فخر رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

"شہر ری میں ایک شیعہ اثنا عشری شخص ا معلم تھا اس کا خیال تھا کہ حضرت علی (علیہ السلام) حضرت محمد مصطفی (ص) کے علاوہ تمام انبیاء)علیہم السلام) سے افضل و برتر ہیں، اور یوں کہتا تھا: جو چیز اس مطلب پر دلالت کرتی ہے، وہ آیہء مباہلہ میں خدا وندمتعال کا یہ قول وأنفسنا وأنفسکم ☒ ہے کیونکہ "أنفسنا" سے مراد پیغمبر اکرم (ص) نہیں ہیں، کیونکہ انسان خود کو نہیں پکارتا ہے۔ اس بناء پر نفس سے مراد آنحضرت (ص) کے علاوہ ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ نفس سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں لہذا آیۂ شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام) سے مراد در حقیقت نفس پیغمبر (ص) ہے، اس لئے ناچار آپ کا مقصد یہ ہے کہ نفس علی نفس رسول کے مانند ہے اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ

ا۔ یہ بزرگ مرد، کہ جس کے بارے میں فخر رازی نے یوں بیان کیا ہے، جیسے کہ اس کی زندگی کے حالات کی تشریح کتابوں میں کی گئی ہے، شیعوں کے ایک بڑے مجتہد اور عظیم عقیدہ شناس اور فخر رازی کے استاد تھے۔ مرحوم محدث قمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: شیخ سدید الدین محمود بن علی بن الحسن حمصی رازی ،علّامہ فاضل، متکلم اور علم کلام میں کتاب "التعلیق العراقی" کے مصنف تھے۔ شیخ بہائی سے ایک تحریر کے بارے میں روایت کرتا ہے کہ وہ شیعہ علماء و مجتہدین میں سے تھے اور ری کے حمص نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، کہ اس وقت وہ گاؤں ویران ہو چکا ہے۔) سفینۃ البحار، ج ا،ص ۳۴۰، انتشارات کتاب خانہ

محمودی)

مرحوم سید محسن امین جبل عاملی کتاب "التعلیق العراقی، یا کتاب المنقذ من التقلید" کے ایک قلمی نسخہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس پر لکھا گیا تھا:

"ائنهامن إملاء مولانا ا لشیخ الکبیر العالم سدید الدّین حجّة الاسلام والمسلمین لسان الطائفة والمتکلمین اسد المناظرین محمود بن علی بن الحسن الحمصی ادام الله فی العزّبقاء ہ وکبت فی الذّلّ حسدته واعداه..."یعنی :یہ نسخه استاد بزرگ اوردانشورسدیدالدین حجة الاسلام والمسلمین، مذهب شیعیت کے تر جمان اور متکلمین،فن منا ظره کے ماهر محمود بن علی بن الحسن الحمصی کااملا هے که خدائے متعال اس کی عزت کو پائدار بنادے اور اس کے حاسدوں اور دشمنوں کو نابود کردے۔)اعیا الشیعه ،ج۱۰،ص۱۵۵،دارالتعارف للمطبوعات،بیروت)

فیروزآبادی کتاب"القاموس المحیط"میں کهتاهے:"محمودبن الحمصی متکلم اخذ عنه الامام فخر الدین")القاموس المحیط،ج۲،ص۲۹۹،دار المعرفة،بیروت)

فیروزآبادی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم عقیدہ شناس فخر رازی کا استاد تھا لیکن فخر رازی نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

یہ نفس تمام جہت سے اس نفس کے برابر ہے۔اوراس کلیت سے صرف دو چیزیں خارج

ہیں: ایک نبوت اوردوسرے افضلیت، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ علی (علیہ السلام) پیغمبر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ پیغمبر (ص) سے افضل ہیں۔ان دومطالب کے علاوہ، دوسرے تمام امور ومسائل میں یہ اطلاق اپنی جگہ باقی ہے اوراس پر اجماع ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیائے الٰہی سے افضل ہیں، لہذا علی (علیہ السلام) بھی ان سب سے افضل ہوں گے۔"

مزید اس نے کہا ہے:

"اس استدلال کی ایک ایسی حدیث سے تائید ہوتی ہے، جس کو موافق ومخالف سب قبول کرتے ہیں اوروہ حدیث وہ قول پیغمبر اکرم (ص) ہے کہ جس میں اپ نے فرمایا: جوآدم (علیہ السلام) کو ان کے علم میں، نوح (علیہ السلام) کوان کی اطاعت میں اورابراھیم (علیہ السلام) کوان کی خلّت میں، موسیٰ (علیہ السلام) کوان کی ہیبت میں اورعیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی صفوت میں دیکھنا چاہے تو اسے علی بن ابیطالب (علیہ السلام) پر نظر ڈالنا چاہئے۔"

فخر رازی نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید لکھا ہے:

"شیعہ علماء مذکورہ آیہء شریفہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ علی (علیہ السلام) تمام اصحاب سے افضل ہیں۔ کیونکہ جب آیت دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام) نفس رسول (ص) کے مانند ہے، سواء اس کے جو چیز دلیل سے خارج ہے اورنفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اصحاب سے افضل ہے، لہذا نفس علی (علیہ السلام) بھی تمام اصحاب سے افضل قرار

پائیگا"

فخر رازی نے اس استدلال کے ایک جملہ پر اعتراض کیا ہے کہ ہم اس آیہء شریفہ سے مربوط سوالات کے ضمن میں آیندہ اس کا جواب دیں گے۔

علی (ع) کو نفس رسولجاننے والی احادیث

حضرت علی علیہ السلام کو نفس رسول (ص) کے طور پر معرفی کرنے والی احادیث کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا گروہ: وہ حدیثیں جو آیہء مباہلہ کے ذیل میں بیان ہوئی ہیں:

ان احادیث کا ایک پہلو خامس آل عبا علیہم السلام کے مباہلہ میں شرکت سے مربوط تھا کہ جس کو پہلے بیان کیا گیا ہے اور یہاں خلاصہ کے طور پر ہم پیش کرتے ہیں:

الف: ابن عباس آیہء شریفہ کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "وعلی نفسہ" "علی (ع) نفس پیغمبر (ص) ہیں۔" یہ ذکر آیہء مباہلہ میں ایا ہے۔ ۱

ب: شعبی، اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں جابر بن عبداللہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: "أبناء نا" سے حسن و حسین (علیہم السلام) "نساء نا" سے جناب فاطمہ (سلام اللہ علیہا) اور "أنفسنا" سے علی بن ابیطالب (علیہ السلام) مراد ہیں۔ ۲

ج: حاکم نیشا بوری، عبداللہ بن عباس اور دیگر اصحاب سے، پیغمبر اکرم (ص) کے ذریعہ مباہلہ میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لانے والی روایت

کو متواتر جانتے ہیں اور نقل کرتے ہیں کہ "أبناء نا" سے حسن و حسین علیہم السلام، "نساء نا" سے فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور "أنفسنا" سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مراد ہیں۔ ۳

د۔ حضرت علی علیہ السلام کی وہ حدیث، جس میں اپ (ع) اصحاب شوریٰ کو قسم دے کر اپنے فضائل کا ان سے اقرار لیا ہے آپ فرماتے ہیں:

۱۔ معرفة علوم الحدیث، ص ۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۔ اسباب النزول، ص ۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۳۔ معرفة علوم الحدیث، ص ۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت

"نشدتکم اللہ هل فیکم أحد أقرب إلی رسول اللہ (ص) فی الرحم ومن جعله رسول اللہ نفسه وإبناءه ۔۔۔ غیری؟" ۱

"یعنی: میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں! کیا تم لوگوں میں قرابت اور رشتہ داری کے لحاظ سے کوئی ہے جو مجھ سے زیادہ رسول اللہ (ص) کے قریب ہو؟ کوئی ہے جسے آنحضرت (ص) نے اپنا نفس اور اسکے بیٹوں کو اپنا بیٹا قرار دیا ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا: خدا شاہد ہے کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے۔"

دوسرا گروہ: وہ حدیثیں جو قبیلہء بنی ولیعہ سے مربوط ہیں: یہ احادیث اصحاب کے ایک گروہ جیسے ابوذر، جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن حنطب سے نقل ہوئی ہیں۔ ان حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے) ابوذر کے بقول) فرمایا:

"ولینتهینّ بنو ولیعه أو لأبعثنّ إلیهم رجلاً کنفسی یمضی فیهم أمری

فیقتل المقا تله ولیسبی الذریة...۲
قبیلہء بنی ولیعہ کو اپنے امور سے باز آجانا چاہئے، اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو میں ان کی طرف اپنے مانند ایک شخص کو بھیجوں گا جو میرے حکم کو ان میں جاری کرے گا۔ جنگ کرنے والوں کو وہ قتل کرے گا اور ان کی ذرّیت کو اسیر بنائے گا۔

عمر، جو میرے پیچھے کھڑے ہوئے تھے انہوں، نے کہا: آنحضرت (ص) کا اس سے مراد کون ہے؟ میں نے جواب دیا تم اور تمہارا دوست)ابوبکر) اس سے مراد نہیں ہے تو اس نے

۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۳۱، دار الفکر

۲۔ السنن الکبیر للنسائی، ج ۵، ص ۱۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
اس کے محقق نے اس ضمن میں کہا ہے: اس حدیث کی سند میں موثق راوی موجود ہیں۔
المنصف لأبن أبي شيبة، ج٦، ص ۳۷۴، دار التاج، المعجم الأوسط للطبرانی، ج ۴، ص ۱۷۷، مکتبۃ المعارف، الریاضی۔ یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ "المعجم الاوسط" میں عمداً یا غلطی سے "کنفسی" کے بجائے "لنفسی" آیا ہے، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں طبرانی سے "کنفسی" روایت کی ہے۔ مجمع الزوائد۔ مجمع الزوائد ھیثمی ، ج ۷، ص ۱۱۰، دار الکتاب العربی وص ۲۴۰، دار الفکر۔

کہا کون مراد ہے؟ میں نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو اس وقت اپنی جوتیوں کو پیوند لگانے میں مصروف ہے۔ کہا تو پھر علی (علیہ السلام) ہیں جو اپنی جوتیوں کو ٹانکنے میں مصروف

ہیں۔تیسرا گروہ:وہ حدیثیں جو پیغمبر)ص) کے نزدیک محبوب ترین افراد کے بارے میں ہیں۔

بعض ایسی حدیثیں ہیں کہ جس میں پیغمبر اکرم صل (ص) سے سوال ہوتا ہے کہآپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ جواب کے بعد آنحضرت (ص) سے علی (علیہ السلام) کی محبوبیت یا افضلیت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔پیغمبر اکرم (ص) اپنے اصحاب سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں:"اِنّ ہذا یسأَلنی من النفسی "یعنی: یہ سوال مجھ سے خود میرے بارے میں ہے! یعنی علی (علیہ السلام) میرا نفس ہے۔اان میں سے بعض احادیث میں،حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) پیغمبر اسلام (ص) سے سوال کرتی ہیں،کیا آپنے علی (علیہ السلام) کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"علیّ نفسی فمن رأیتہ أن یقول فی نفسہ شیئاً ٢"

یعنی:علی (علیہ السلام) میرا نفس ہےتم نے کس کو دیکھا ہے،جو اپنے نفس کے بارے میں کچھ کہے؟ یہ احادیث عمروعاص،عائشہ اور جد عمرو بن شعیب جیسے بعض اصحاب سے نقل ہوئی ہیں۔

اس طرح کی حدیثیں مختلف زبانوں سے روایت ہوئی ہیں اوران کی تعداد زیادہ ہے۔جس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام،نفس پیغمبر (ص) ہیں اورآیۂ شریفہ کی دلالت پرتاکید کرتی ہے،سواء اس کے کہ کوئی قطعی ضرورت اور خارجی دلالت کی وجہ سے اس اطلاق

سے خارج ہوا جائے) جیسے نبوت جو اس سے خارج ہے) لہذا آنحضرت (ص) کے

۱۔جامع الاحادیث،سیوطی،ج۱۶،ص۲۵۷۔۲۵۶،دارالفکر، کنز العمال،ج۱۳،ص۱۴۳۔۱۴۲،مؤسسہ الرسالہ

۲۔مناقب خوارزمی،ص۱۴۸،مؤسسہ النشر الاسلامی،مقتل الحسین علیہ السلام،ص ۴۳،مکتبہ المفید۔

دوسرے تمام عہدے من جملہ تمام امت اسلامیہ پر آپ (ص) کی فضیلت نیز قیادت وزعامت اس اطلاق میں داخل ہے۔

پانچواں محور

آیت کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات

آلوسی سے ایک گفتگو:

آلوسی، اپنی تفسیر "روح المعانی ا" میں اس آیہء شریفہ کی تفسیر کے سلسلہ میں کہتا ہے:

"اہل بیت پیغمبر (ص) کے آل اللہ ہونے کی فضیلت کے بارے میں اس آیہء شریفہ کی دلالت کسی بھی مومن کے لئے ناقابل انکار ہے اور اگر کوئی اس فضیلت کو ان سے جدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ ایک قسم کی ناصبیت وعناد ہے اور عناد و ناصبیت ایمان کے نابود کرنے کا سبب ہے۔"

شیعوں کا استدلال

اس کے بعد) آلوسی) آیہء مذکورہ سے رسول خدا (ص) کے بعد علی علیہ السلام کے بلافصل خلیفہ ہونے کے سلسلہ میں شیعوں کے استدلال کو بیان کرتا ہے اوراس روایت سے استناد کرتا ہے کہ آیہء کریمہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلام (ص) مباہلہکے لئے علی، فاطمہ، اورحسنین علیہم السلام کواپنے ساتھ لائے، اس کے بعد کہتا ہے:

"اس طرح سے"أبناء نا" کا مراد سے حسن وحسین)علیہما السلام)،"نساء نا" سے مرادفاطمہ(سلام اللہ علیہا)اور"أنفسنا" سے مرادعلی(علیہ السلام)ہیں۔جب علی (علیہ السلام)نفس رسول قرار پائیں گےتو اس کا اپنے حقیقی معنی میں استعمال محال ہوگا) کیونکہ

ا۔روح المعانی، ج۳،ص۱۸۹،داراحیائ التراث العربی

حقیقت میں علی علیہ السلام خودرسول اللہ (ص)نہیں ہوسکتے ہیں)لہذا قہراً اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ آنحضرت (ص) کے مساوی اورمماثل ہیں۔چونکہ پیغمبر اسلام (ص)امور مسلمین میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں افضل اوراولی ہیں،لہذا جوبھی ان کے مماثل ہوگا وہ بھی ایسا ہی ہوگا۔اس طرح سے پوری امت کے حوالے سے حضرت علی (علیہ السلام) کی افضیلت اورامت پران کی سر پرستی اس آیہء شریفہ سے ثابت ہوتی ہے۔"

شیعوں کے استدلال کے سلسلہ میں الوسی کا پہلا اعتراض

اس کے بعد آلوسی شیعوں کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:شیعوں کے اس قسم

کے استدلال کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے:

ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ "أنفسنا" سے مراد حضرت امیرالمؤمنین (علیہ السلام) ہوں گے، بلکہ نفس سے مراد خود پیغمبر (ص) ہی ہیں اور حضرت امیر (علیہ السلام) "أبنائنا" میں داخل ہیں کیونکہ داماد کو عرفاً بیٹا کہتے ہیں۔

اس کے بعد شیعوں کے ایک عظیم مفسر شیخ طبرسی کا بیان نقل کرتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ "أنفسنا" سے مراد خود پیغمبر (ص) نہیں ہوسکتے ہیں، کیونکہ انسان کبھی بھی اپنے آپ کو نہیں بلاتا ہے، اس نے) شیخ کی)اس بات کو ہذیان سے نسبت دی ہے؟!

اس اعتراض کا جواب

آلوسی اپنی بات کی ابتداء میں اس چیز کو تسلیم کرتا ہے کہ آیہء کریمہ پیغمبر (ص) وکے خاندان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور اس فضیلت سے انکار کو ایک طرح کے بغض وعناد سے تعبیر کرتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس عظیم فضیلت کو آنحضرت (ص) کے خاندان سے منحرف کرنے کے لئے کس طرح وہ خود کوشش کرتا ہے اور اپنے اس عمل سے اس سلسلہ میں بیان کی گئی تمام احادیث کی مخالفت کرتا ہے اور جس چیز کو ابن تیمیہ نے بھی انجام نہیں دیا ہے)یعنی "أنفسنا" کے علی علیہ السلام پر انطباق سے انکار کرنا) اسے انجام دیتا ہے۔

اگر چہ ہم نے بحث کی ابتداء میں "أنفسنا" کے بارے میں اور یہ کہ اس سے مراد خود پیغمبر اسلام (ص) نہیں ہوسکتے ہیں، بیان کیا ہے، لیکن یہاں پر بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اگر "أنفسنا" سے

مراد خود پیغمبر اسلام (ص) ہوں اور علی علیہ السلام کو"أبناء نا" کے زمرے میں داخل کر لیا جائے تو یہ غلط ہے اور دوسرے یہ کہ خلاف دلیل ہے۔

اس کا غلط ہونا اس لحاظ سے ہے کہ آیہء شریفہ میں" بلانا اپنے" حقیقی معنی میں ہے۔اور جو آلوسی نے بعض استعمالات جیسے" دعتہ نفسہ" کو رائج ومرسوم جانا ہے، اس نے اس نکتہ سے غفلت کی ہے کہ اس قسم کے استعمالات مجازی ہیں اور ان کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور آیہء مذکورہ میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے، بلکہ یہاں پر" دعتہ نفسہ" کے معنی اپنے آپ کو مجبور اور مصمم کرنا ہے نہ اپنے آپ کو بلانا اور طلب کرنا۔

اس کے علاوہ"أبنائنا" کے زمرے میں امیر المؤمنین (علیہ السلام) کو شامل کرنا صرف اس لئے کہ وہ آنحضرت (ص) کے داماد تھے گویا لفظ کو اس کے غیر معنی موضوع لہ میں ہے اور لفظ کو اس کے معانی مجازی میں بغیر قرینہ کے حمل کرتا ہے۔

اس لئے"أبناء نا" کا حمل حسنین علیہما السلام کے علاوہ کسی اور ذات پر درست نہیں ہے اور"أنفسنا" کا لفظ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور پر منطبق نہیں ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ: کونسا مرجح ہے کہ لفظ "ندع" کا استعمال اس کے حقیقی معنی میں ہو اور"أنفسنا" کا استعمال حضرت علی علیہ السلام پر مجازی ہو؟ بلکہ ممکن ہے کہا جائے"أنفسنا" خود انسان اور اس کی ذات پر اطلاق ہو جو حقیقی معنی ہے اور" ندع" کے معنی میں تصرف کر کے"نحضر" کے معنی لئے جائیں یعنی اپنے آپ کو حاضر کریں۔

جواب یہ ہے کہ: اگر" ندع" کا استعمال اپنے حقیقی معنی ہےں ہو تو ایک سے زیادہ مجاز در

کا رنہیں ہے اور وہ ہے"أنفسنا" کا حضرت علی علیہ السلام کی ذات پر اطلاق ہو نا لیکن اگر"ندع" کو اس کے مجازی معنی پر حمل کریں تو اس سے دوسرے کا مجاز ہونا بھی لازم آتا ہے یعنی علی علیہ السلام کا"أبناءنا" پر اطلاق ہونا، جو آنحضرت صلی (ص) کے داماد ہیں اور اس قسم کے مجاز کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

لفظ"أنفسنا" کے علی علیہ السلام کی ذات پر اطلاق ہونے کا قرینہ"ندع" و"أنفسنا" کے درمیان پائی جانے والی مغایرت ہے کہ جو عقلاً و عرفاً ظہور رکھتی ہے۔اس فرض میں"ندع" بھی اپنے معنی میں استعمال ہوا ہے اور"أبناءنا" بھی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

لیکن یہ کہ آلوسی کی بات دلیل کے خلاف ہے، کیونکہ اتنی ساری احادیث جو نقل کی گئی ہیں وہ سب اس بات پر دلالت کرتی تھیں کہ"أنفسنا" سے مراد علی علیہ السلام ہیں اور یہ دعویٰ تواتر کے ذریعہ بھی ثابت ہے لہذا وہ سب احادیث اس قول کے خلاف ہیں۔

شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا دوسرا اعتراض

شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا دوسرا جواب یہ ہے: اگر فرض کریں کہ"أنفسنا" کا مقصداق علی (علیہ السلام) ہوں، پھر بھی آیہء شریفہ حضرت علی (ع) کی بلافصل خلافت پر دلالت نہیں کرتی ہے۔کیونکہ"أنفسنا" کا اطلاق حضرت علی (ع) پر اس لحاظ سے ہے کہ نفس کے معنی قربت اور نزدیک ہونے کے ہیں اور دین وآئین میں شریک ہونے کے معنی میں ہے اور اس لفظ کا اطلاق حضرت علی (ع) کے لئے شاید اس وجہ سے ہو ان کا پیغمبر (ص) کے ساتھ

دامادی کا رشتہ تھا اور دین میں دونوں کا اتحاد تھا۔اس کے علاوہ اگر مقصود وہ شخص ہو جو پیغمبر اکرم

۱۔معرفۃ علوم الحدیث،ص ۵۰،دار الکتب العلمیہ ،بیروت

(ص) کے مساوی ہے تو کیا مساوی ہونے کا معنی تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں؟اگر تمام صفات میں مساوی ہونا مقصود ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ علی (علیہ السلام) پیغمبر (ص) کی نبوت اور خاتمیت اور تمام امت پر آپ کی بعثت میں شریک ہیں اور اس قسم کا مساوی ہونا متفقہ طور پر باطل ہے۔اور اگر مساوی ہونے کا مقصد بعض صفات میں ہے یہ شیعوں کی افضلیت و بلا فصل امامت کے مسئلہ پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب

آلوسی کے اس اعتراض و استدلال کا جواب دینا چند جہتوں سے ممکن ہے:

سب سے پہلے تو یہ کہ: "نفس کے معنی قربت و نزدیکی" اور دین و آئین میں شریک ہونا کسی قسم کی فضیلت نہیں ہے،جبکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اطلاق حضرت علی علیہ السلام کے لئے ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے ایک حدیث کے مطابق سعد بن ابی وقاص نے معاویہ کے سامنے اسی معنی کو بیان کیا اور اسے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سبّ و شتم سے انکار کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ: نفس کے معنی کا اطلاق دین و آئین میں شریک ہونا یا رشتہ داری و قرابتداری

کے معنی مجازی ہے اوراس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے اور یہاں پر ایسا کوئی قرینہ موجودنہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ: جب نفس کے معنی کا اطلاق اس کے حقیقی معنی میں ممکن نہ ہوتو اس سے مرادوہ شخص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہواور یہ جانشینی اور مساوی ہو نا مطلقاًہے اوراس میں پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف اورعہدے شامل ہیں،صرف نبوت قطعی دلیل کی بناء پراس دائرہ سے خارج ہے۔

چوتھے یہ کہ:اس صورت میں آلوسی کی بعدوالی گفتگو کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ مساوات تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں،کیونکہ مساوات تمام صفات میں اس کے اطلاق کی وجہ سے ہے،صرف وہ چیزیں اس میں شامل نہیں ہیں جن کوقطعی دلیلوں کے ذریعہ خارج ومستثنیٰ کیا گیا ہے جیسے نبوت ورسالت ۔لہذا پیغمبراکرم(ص) کی افضلیت اورامت کی سرپرستی نیز اسی طرح کے اورتمام صفات میں حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے شریک نیزان کے برابر کے جانشین ہیں۔

شیعوں کے استدلال پرآلوسی کا تیسرا اعتراض

آلوسی کا کہنا ہے:اگر یہ آیت حضرت علی(علیہ السلام) کی خلافت پر کسی اعتبار سے دلالت کرتی بھی ہےتو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ:حضرت علی(ع) پیغمبر(ص) کے زمانہ میں امام ہوں اور یہ متفقہ طور پر باطل ہے۔یبی

اگر یہ خلافت کسی خاص وقت کے لئے ہے تو سب سے پہلی بات یہ کہ اس قید کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ اہل سنت بھی اسے قبول کرتے ہیں یعنی حضرت علی (ع) ایک خاص وقت، میں کہ جو ان کی خلافت کا زمانہ تھا، اس میں وہ اس منصب پر فائز تھے۔

اس اعتراض کا جواب

سب سے پہلی بات یہ کہ: حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی آنحضرت صل (ص) کے زمانہ میں ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جو بہت سی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے لئے واضح ترین حدیث، حدیث منزلت ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر (ص) کی نسبت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے ہارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، واضح رہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے جانشین تھے کیوں کہ قرآن مجید حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا "اُخلفني في قومي"۱ "تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔"

اس بناء پر جب کبھی پیغمبر اکرم (ص) حاضر نہیں ہوتے تھے حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہوتے تھے) چنانچہ جنگ تبوک میں ایسا ہی تھا) اس مسئلہ کی حدیث منزلت میں مکمل وضاحت کی گئی ہے۔ ۲

دوسرے یہ کہ: حضرت علی علیہ السلام کا نفس پیغمبر (ص) قرار دیا جانا جیسا کہ آیہء شریفہ مباہلہ سے یہ مطلب واضح ہے، اور اگر کوئی اجماع واقع ہو جائے کہ آنحضرت کی زندگی میں

حضرت علی علیہ السلام آپ کے جانشین نہیں تھے،تو یہ اجماع اس اطلاق کوآنحضرت (ص) کی زندگی میں مقید ومحدود کرتا ہے۔نتیجہ کے طور پر یہ اطلاق آنحضرت (ص) کی رحلت کے وقت اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی ہے۔

لہذا یہ واضح ہو گیا کہ آلوسی کے تمام اعتراضات بے بنیاد ہیں اور آیہء شریفہ کی دلالت حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بلافصل خلافت پر بلامنا قشہ ہے۔

فخر رازی کا اعتراض:

فخررازی نے اس آیہء شریفہ کے ذیل میں محمود بن حسن حصمی ۳ کے استدلال کو، کہ جو انھوں نے اسے حضرت علی علیہ السلام کی گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کے سلسلہ میں پیش کیا ہے،(نقل کرنے کے بعد)ان کے استدلال کو تفصیل سے ذکر کیا ہے)اپنے اعتراض کو یوں ذکر کیا ہے:

ایک تو یہ کہ اس بات پر اجماع قائم ہے کہ پیغمبر (ص) غیر پیغمبر سے افضل ہوتا ہے۔

دوسرے: اس بات پر بھی اجماع ہے کہ)علی علیہ السلام) پیغمبر نہیں تھے۔مذکورہ ان

۱۔اعراف/۱۴۲

۲۔اس سلسلہ میں مصنف کا پمفلٹ"حدیث غدیر،ثقلین ومنزلت کی روشنی میں امامت"ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔شیعوں کا ایک بڑا عقیدہ شناس عالم جس کا پہلے ذکر آیا ہے۔

دومقدموں کے ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیہء شریفہ حضرت علی (علیہ السلام) کی گزشتہ انبیاء)علیہم السلام) پر افضلیت کو ثابت نہیں کرتی ہے۔

فخر رازی کے اعتراض کا جواب

ہم فخر رازی کے جواب میں کہتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ اس پر اجماع ہے کہ ہر" نبی غیر نبی سے افضل ہے" اس میں عمومیت نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت کریں کہ، ہر نبی دوسرے تمام افراد پر حتی اپنی امت کے علاوہ دیگر افراد پر بھی فوقیت وبرتری رکھتا ہے بلکہ جو چیز قابل یقین ہے وہ یہ کہ ہر نبی اپنی امت سے افضل ہوتا ہے۔اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے یہ کہا جائے:" مرد عورت سے افضل ہے" اور یہ اس میں معنی ہے کہ مردوں کی صنف عورتوں کی صنف سے افضل ہے نہ یہ کہ مردوں میں سے ہر شخص تمام عورتوں پر فضیلت وبرتری رکھتا ہے۔اس بناء پر اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں جو مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ: مذکورہ مطلب پر اجماع کا واقع ہونا ثابت نہیں ہے، کیونکہ شیعہ علماء نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے اور وہ اپنے ائمہ معصومین) علیہم السلام) کو قطعی دلیل کی بناء پر گزشتہ انبیاء سے برتر جانتے ہیں۔

ابوحیان اندلسی نے تفسیر" البحرالمحیطا "میں شیعوں کے استدلال پر آیت میں نفس سے مراد تمام صفات میں ہم مثل اور مساوی ہونا ہے) فخر رازی ۲ کا ایک اور اعتراض نقل

کیا ہے جس میں یہ کہا ہے:

"نفس کے اطلاق میں یہ ضروری نہیں ہے تمام اوصاف میں یکسانیت و یکجہتی

ا۔البحر المحیط، ج ۲،ص ۴۸۱،مؤسسہ التاریخ العربی، داراحیائ التراث العربی

۲۔اگرابوحیان کارازی سے مقصود وہی فخر رازی ہے توان اعتراضات کواس کی دوسری کتابوں سے پیدا کرنا چاہئے، کیونکہ تفسیر کبیر میں صرف وہی اعتراضات بیان کئے گئے ہیں جوذکر ہوئے۔

ہو، چنانچہ متکلمین نے کہا ہے:" صفات نفس میں یک جہتی اور یک سوئی یہ متکلمین کی ایک اصطلاح ہے،اورعربی لغت میں یکسانیت کا بعض صفات پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔عرب کہتے ہیں:" ہٰذا من أنفسنا" یعنی: یہ" اپنوں میں سے ہے،یعنی ہمارے قبیلہ میں سے ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صفات یا بعض صفات میں یکسانیت و یکجہتی یہ نہ تو لغوی بحث ہے اورنہ ہی کلامی، بلکہ یہ بحث اصول فقہ سے مربوط ہے، کیونکہ جب نفس کا اس کے حقیقی معنی میں استعمال ناممکن ہوتو اسے اس کے مجازی معنی پر عمل کرنا چاہۂے اوراس کے حقیقی معنی سے نزدیک ترین معنی کہ جس کو اقرب المجازات سے تعبیر کیا جاتا ہے)کواخذ کرنا چاہیئے اور"نفس" کے حقیقی معنی میں اقرب المجازات مانندومثل ہونا ہے۔

یہ مانندومثل ہونا مطلق ہے اوراس کی کوئی محدودیت نہیں ہے اوراس اطلاق کا تقاضا ہے کہ علی علیہ السلام تمام صفات میں پیغمبراکرم (ص) کے مانندومثل ہیں،صرف نبوت ورسالت جیسے مسائل قطعی دلائل کی بنا پراس مانندومثل کے دائرے سے خارج ہیں۔اس وضاحت

کے پیش نظر تمام اوصاف اور عہدے اس اطلاق میں داخل ہیں لہذا من جملہ تمام انبیاء پر فضیلت اور تمام امت پر سر پرستی کے حوالے سے آپ (علیہ السلام) علی الاطلاق رسول (ص) کے مانند ہیں۔

ابن تیمیہ کا اعتراض

ابن تیمیّہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر علامہ حلی کے استدلال کو آیہء مباہلہ سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

"یہ کہ پیغمبر اکرم (ص) مباہلہ کے لئے علی، فاطمہ اور حسن و حسین (علیہم السلام) کو اپنے ساتھ لے گئے یہ صحیح حدیث میں ایا ہے ا، لیکن یہ علی (علیہ السلام) کی امامت اور ان کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا ہے، کیونکہ یہ دلالت اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب آیہء شریفہ علی (علیہ السلام) کے پیغمبر (ص) کے مساوی ہونے پر دلالت کرے حالانکہ آیت میں ایسی کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شخص پیغمبر (ص) کے مساوی نہیں ہے، نہ علی (علیہ السلام) اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور۔

دوسرے یہ کہ "أنفسنا" کا لفظ عربی لغت میں مساوات کا معنی میں نہیں ایا ہے ۲ اور صرف ہم جنس اور مشابہت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض امور مشابہت، جیسے ایمان یا دین میں اشتراک کافی ہے اور اگر نسب میں بھی اشتراک ہوتو اور اچھا ہے۔ اس بنا پر آیہ شریفہ

<...أنفسنا وأنفسكم...>

میں "أنفسنا" سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین اور نسب میں دوسروں سے زیادہ نزدیک ہوں۔اس لحاظ سے آنحضرت (ص)۔بیٹوں میں سے حسن وحسین)علیہما السلام)اور عورتوں میں سے فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا)اور مردوں میں سے علی)علیہ السلام)کو اپنے ساتھ لے گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے ان سے زیادہ نزدیک تر کوئی نہیں تھا۔دوسرے یہ کہ مباہلہ اقرباء سے انجام پاتا ہے نہ ان افراد سے جو انسان سے دور ہوں،اگر چہ یہ دور والے افراد خدا کے نزدیک افضل وبرتر ہوں۔

ا۔ابن تیمیہ نے قبول کیا ہے کہ آیہء شریفہ میں "انفسنا" مذکورہ حدیث کے پیش نظر علی علیہ السلام پر انطباق کرتا ہے

۲۔ابن تیمیہ نے اپنی بات کے ثبوت میں قرآن مجید کی پانچ آیتوں کو بیان کیا ہے،من جملہ ان میں یہ آیتیں ہیں:

الف۔ولولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسهم خيراً)نور/ ۱۲" آخر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے اس تہمت کو سنا تو مومن ومومنات اپنے بارے میں خیر کا گمان کرتے" مقصود یہ ہے کہ کیوں ان میں سے بعض لوگ بعض دوسروں پر اچھا گمان نہیں رکھتے ہیں۔ب۔"ولا تلمزوا أنفسکم") حجرات/ ۱۱) " آپس میں ایک دوسرے کو طعنے بھی نہیں دینا" ابن تیمیہ کہ جس نے رشتہ کے لحاظ سے نزدیک ہونے کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف پیغمبر (ص) کے چچا حضرت عباس کہ جو رشتہ داری کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کی بہ نسبت

زیادہ قریب تھے اور زندہ تھے۔ کے بارے میں کہتا ہے:

”عباس اگر چہ زندہ تھے، لیکن سابقین اولین) دعوت اسلام کو پہلے قبول کرنے والے) میں ان کا شمار نہیں تھا اور پیغمبر اکرم (ص) کے چچیرے بھائیوں میں بھی کوئی شخص علی (علیہ السلام) سے زیادہ آپ سے نزدیک نہیں تھا۔ اس بنا پر مباہلہ کے لئے علی (علیہ السلام) کی جگہ پُر کرنے والا پیغمبر (ص) کے خاندان میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ جس کو آپ انتخاب کرتے یہ مطلب کسی بھی جہت سے علی (علیہ السلام) کے آنحضرت (ص) سے مساوی ہونے پر دلالت نہیں کرتا ہے۔“

ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب

ابن تیمیہ کا جواب چند نکتوں میں دیا جاسکتا ہے:

ا۔ اس کا کہنا ہے: ”پیغمبر (ص) کے مساوی و مانند کوئی نہیں ہوسکتا ہے“۔ اگر مساوی ہونے کا مفہوم و مقصد تمام صفات، من جملہ نبوت و رسالت میں ہے تو یہ صحیح ہے۔ لیکن جیسا کہ بیان ہوا مساوی ہونے کا اطلاق پیغمبر (ص) کی ختم نبوت پر قطعی دلیلوں کی وجہ سے مقید ہے اور اس کے علاوہ دوسرے تمام امور میں پیغمبر کے مانند و مساوی ہونا مکمل طور پر اپنی جگہ باقی ہے اور اس کے اطلاق کو ثابت کرتا ہے دوسری طرف سے اس کی یہ بات کہ ”أنفسنا“ کا لفظ عربی لغت میں مساوات کے معنی کا اقتضاء نہیں کرتا ہے“ صحیح نہیں ہے اگر چہ اس نے قرآن مجید کی چند ایسی آیتوں کو بھی شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے جن میں ”أنفسهم یا أنفسكم“ کا لفظ استعمال

ہوا ہے، حتی کہ ان آیتوں میں بھی مساوی مراد ہے۔ مثلاً لفظ" ولا تلمز وا انفسکم "یعنی" اپنی عیب جوئی نہ کرو" جب لفظ" انفس" کا اطلاق دوسرے افراد پر ہوتا ہے، تو معنی نہیں رکھتا ہے وہ حقیقت میں خود عین انسان ہوں۔ ناچاران کے مساوی اور مشابہ ہونے کا مقصد مختلف جہتوں میں سے کسی ایک جہت میں ہے اور معلوم ہے کہ وہ جہت اس طرح کے استعمالات میں کسی ایمانی مجموعہ یا قبیلہ کے مجموعہ کا ایک جزو ہے۔

اس بناء پر ان اطلاقات میں بھی مساوی ہونے کا لحاظ ہوا ہے، لیکن اس میں قرینہ موجود ہے کہ یہ مساوی ایک خاص امر میں ہے اور یہ اس سے منافات نہیں رکھتا ہے اور اگر کسی جگہ پر قرینہ نہیں ہے تو مساوی ہونے کا قصد مطلق ہے، بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اسے خارج کرے۔

۲۔ ابن تیمیہ نے قرابت یا رشتہ داری کو نسب سے مرتبط جانا ہے، یہ بات دو دلیلوں سے صحیح نہیں ہے:

سب سے پہلے بات تو یہ، مطلب آیہء شریفہ" نسائنا ونسائکم" سے سازگار نہیں ہے، کیونکہ " نسائنا" کا عنوان نسبی رشتہ سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے۔ البتہ یہ منافی نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا آنحضرت (ص) کی دختر گرامی تھیں اور آپ سے نسبی قرابت رکھتی تھیں، کیونکہ واضح ہے کہ آنحضرت (ص) سے" بناتنا" "ہماری" بٹیاں) جو نسبی قرابت کی دلیل ہے) کے ذریعہ تعبیر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ" نساء نا" کی تعبیر آئی ہے، اس لحاظ سے چونکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اس خاندان کی عورتوں میں سے ہیں اس لئے اس مجموعہ میں شامل

ہیں۔اس کے علاوہ کوئی اور عورت کہ جو اس لائق ہو کہ مباہلہ میں شریک ہو سکے وجود نہیں رکھتی تھی۔ا

دوسرے یہ کہ اگر معیار قرابت نسبی اور رشتہ داری ہے تو آنحضرت (ص) کے چچا حضرت عباس (ع) اس جہت سے آنحضرت (ص) سے زیادہ نزدیک تھے لیکن اس زمرے میں انھیں شریک نہیں کیا گیا ہے!

ا۔جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے قرابت،یعنی نزدیک ہونے سے مراد پیغمبر اکرم (ص) سے معنوی قرابت ہے۔جس کا ابن تیمیّہ نے مجبور ہو کر اعتراف کیا ہے اور کہتا ہے:

"علی (علیہ السلام) سابقین اور اولین میں سے تھے،اس لحاظ سے دوسروں کی نسبت آنحضرت (ص) سے زیادہ نزدیک تھے۔"

احادیث کی رو سے مباہلہ میں شامل ہونے والے افراد پیغمبر اسلام (ص) کے خاص رشتہ دار تھے کہ حدیث میں انھیں اہل بیت رسول علیہم السلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ان میں سے ہر ایک اہل بیت پیغمبر)علیہم السلام) ہونے کے علاوہ ایک خاص عنوان کا مالک ہے،یعنی ان میں سے بعض "أبنائنا" کے عنوان میں شامل ہیں اور بعض "نسائنا" کے عنوان میں شامل ہیں اور بعض دوسرے "أنفسنا" کے عنوان میں شامل ہیں۔

مذکورہ وضاحت کے پیش نظر یہ واضح ہو گیا کہ "أنفسنا" کے اطلاق سے نسبی رشتہ داری کا تبادر وانصراف نہیں ہوتا ہے اور علی علیہ السلام کا پیغمبر خدا (ص) کے مانند ومساوی ہونا تمام

صفات، خصوصیات اور عہدوں سے متعلق ہے، مگر یہ کہ کوئی چیز دلیل کی بنیاد پر اس سے خارج ہوئی ہو۔

اہل بیت علیہم السلام کے مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد واضح ہو گیا کہ مباہلہ میں شریک ہونے والے افراد کی دعا رسول خدا (ص) کی دعا کے برابر تھی اور ان افراد کی دعاؤں کا بھی وہی اثر تھا جو آنحضرت (ص) کی دعا کا تھا اور یہ اس مقدس خاندان کے لئے ایک بلند و برتر مرتبہ و مقام ہے۔

تیسرا باب:

امامت، آیہ اولی الامر کی روشنی میں

<یا ایّھا الّذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم فإن تنازعتم فی شیءٍ فردوہ إلی اللّٰہ و الرّسول إن کنتم تؤمنون با اللّٰہ و الیوم الآخر، ذلك خیر و احسن تاویلاً>(نساء/۵۹)

"اے صاحبان ایمان! اللہ کی اطاعت کرو رسول اور اولوالامر کی اطاعت کرو جو تمھیں میں سے ہیں پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو۔یہی تمھارے حق میں خیر اور انجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے۔"

خداوندمتعال نے اس آیہ شریفہ میں مومنین سے خطاب کیا ہے اورانھیں اپنی اطاعت، پیغمبر اسلام (ص) کی اطاعت اوراولی الامر کی اطاعت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ پہلے مرحلہ میں خداوندمتعال کی اطاعت، ان احکام کے بارے میں ہے کہ جو خداوندمتعال نے انھیں قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے اور پیغمبر (ص) نے ان احکام کو لوگوں تک پہنچایا ہے، جیسے کہ یہ حکم:

<اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ>

پیغمبر (ص) کے فرامین کی اطاعت دو حیثیت سے ممکن ہے:

ا۔وہ فرمان جوسنّت کے عنوان سے آنحضرت)ص) کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں:

یہ اوامراگرچہ احکام الٰہی ہیں جو آنحضرت (ص) پر بصورت وحی نازل ہوئے ہیں اورآنحضرت (ص) نے انھیں لوگوں کے لئے بیان فرمایاہے،لیکن جن مواقع پر یہ اوامر"اٴمرکم بکذااوانٓہاکم من ہذا") میں تم کو اس امرکا حکم دیتا ہوں یااس چیز سے منع کرتاہوں) کی تعبیر کے ساتھ ہوں) کہ فقہ کے باب میں اس طرح کی تعبیریں بہت ہیں)ان اوامراورنواہی کوخودآنحضرت (ص) کے اوامرونواحی سے تعبیرکیا جا سکتا ہے نتیجہ کے طور پر ان کی اطاعت آنحضرت کی اطاعت ہوگی، چونکہ مذکورہ احکام خدا کی طرف سے ہیں،اس لئے ان احکام پرعمل کرنا بھی خدا کی اطاعت ہوگی۔

۲۔وہ فرمان، جوآنحضرت)ص) نے مسلمانوں کے لئے ولی اورحاکم کی حیثیت سے جاری کئے ہیں۔

یہ وہ احکام ہیں جوتبلیغ الٰہی کا عنوان نہیں رکھتے ہیں بلکہ انھیں انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لحاظ سے جاری فرمایاہے کہ آپ مسلمانوں کے ولی،سرپرست اورحاکم تھے،جیسے جنگ وصلح نیزحکومت اسلامی کوادارہ کرنے اورامت کی سیاست کے سلسلہ میں جاری کئے جا نے والےفرامین۔

آیہٴشریفہ میں

<واٴطیعواالرّسول>

کا جملہ مذکورہ دونوں قسم کے فرمانوں پر مشتمل ہے۔

تمام اوامر ونواہی میں پیغمبر(ص) کی عصمت

پیغمبر اکرم (ص) کی عصمت کو ثابت کرنے کے بارے میں علم کلام میں بیان شدہ قطعی دلائل کے پیش نظر، آنحضرت (ص) ہرشی کا حکم دینے یا کسی چیز سے منع کرنے کے سلسلہ میں بھی معصوم ہیں۔آپ (ع) نہ صرف معصیت وگناہ کا حکم نہیں دیتے ہیں، بلکہ آنحضرت (ص)، امرونہی میں بھی خطا کرنے سے محفوظ ہیں۔

ہم اس آیہءشریفہ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) کی اطاعت مطلق اور کسی قیدوشرط کے بغیر بیان ہوئی ہے۔اگرآنحضرت (ص) کے امرونہی کرنے کے سلسلہ میں کوئی خطاممکن ہوتی یا اس قسم کا احتمال ہوتا تو آیہءشریفہ میں انحضرت (ص) کی اطاعت کا حکم قیدو شرط کے ساتھ ہوتا اور خاص مواقع سے مربوط ہوتا۔

ماں باپ کی اطاعت جیسے مسائل میں، کہ جس کی اہمیت پیغمبر (ص) کی اطاعت سے بہت کم ہے، لیکن جب خدائے متعال والدین سے نیکی کرنے کا حکم بیان کرتا ہے، تو فرماتا ہے:

ووصّینا الأنسان بوالدیہ حسناً وإن جاہدک لتشرک بی مالیسلک بہ علم فلاتطعہما※ (عنکبوت/ ٨)

"اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کی وصیت کی ہے اور بتایا ہے کہ اگر وہ تم کو میرا شریک قرار دینے پر مجبور کریں کہ جس کہ کا تمھیں علم نہیں ہے تو خبرداران کی اطاعت نہ کرنا۔"

جب احتمال ہو کہ والدین شرک کی طرف ہدایت کریں تو شرک میں ان کی اطاعت کرنے سے منع فرماتا ہے، لیکن آیہء کریمہ ※ اُولیّ الأمر ※ میں پیغمبر (ص) کی اطاعت کو کسی قید و شرط سے محدود نہیں کیا ہے۔

پیغمبر اکرم (ص) کی اطاعت کو کسی قید و شرط کے بغیر تائید و تاکید کرنے کے سلسلہ میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں انحضرت (ص) کی اطاعت خداوند متعال کی اطاعت کے ساتھ اور لفظ "أطیعوا" کی تکرار کے بغیر ذکر ہوئی ہے۔ آیہء شریفہ ※ وأطیعوا اللّٰہ والرّسول لعلّکم ترحمون ※ یعنی "خدا اور رسول کی اطاعت کروتا کہ مورد رحمت قرار پاؤ" مذکورہ میں صرف ایک لفظ "أطیعوا" کا خدا اور پیغمبر دونوں کے لئے استعمال ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت (ص) کی اطاعت کا واجب ہونا خدا کی اطاعت کے واجب ہونے کے مانند ہے۔ اس بناء پر پیغمبر (ص) کے امر پر اطاعت کرنا قطعی طور پر اطلاق رکھتا ہے اور نا قابل شک و شبہ ہے۔

اُولوالامر کی اطاعت

ائمہ علیہم السلام کی امامت و عصمت کے سلسلہ میں آیۂ مذکورہ سے استفادہ کرنے کے لئے مندرجہ چند ابعاد پر توجہ کرنا ضروری ہے:

۱۔ اولوالامر کا مفہوم

۲۔ اولوالامر کا مصداق

۳۔اولوالامر اور حدیث "منزلت" حدیث "اطاعت" اور حدیث "ثقلین"

۴۔شیعہ اور سنی منابع میں اولوالامر کے بارے میں چند احادیث

اولوالامر کا مفہوم

اولوالامر کا عنوان ایک مرکب مفہوم پر مشتمل ہے۔اس جہت سے پہلے لفظ "اولوا" اور پھر لفظ "الامر" پر توجہ کرنی چاہئے:

اصطلاح "اولوا" صاحب اور مالک کے معنی میں ہے اور لفظ "امر" دو معنی میں ایا ہے: ایک "فرمان" کے معنی میں دوسرا "شان اور کام" کے معنی میں۔ "شان وکام" کا معنی زیادہ واضح اور روشن ہے، کیونکہ اسی سورۂ نساء کی ایک دوسری آیت میں لفظ "اولی الامر" بیان ہوا ہے:

وإذجاء هم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به ولوردّوه إلى الرّسول وإلى أولي الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم..(نساء/۸۳)

"اور جب ان کے پاس امن یاخوف کی خبر آتی ہے توفوراًنشر کردیتے ہیں حالانکہ اگر رسول اور صاحبان امر کی طرف پلٹا دیتے توان میں ایسے افراد تھے کہ جوحقیقت حال کا علم پیدا کر لیتے۔"

اس آیہء شریفہ میں دوسرا معنی مقصود ہے،یعنی جولوگ زندگی کے امور اور اس کے مختلف حالتوں میں صاحب اختیار ہیں،اس آیت کے قرینہ کی وجہ سے"اولی الامر" کا لفظ مورد بحث آیت میں بھی واضح ہوجاتا ہے۔

مورد نظر آیت میں اولوالامر کے مفہوم کے پیش نظر ہم اس نکتہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ "اولوالامر" کا لفظ صرف ان لوگوں کو شامل ہے جو در حقیقت فطری طور پر امور کی سرپرستی اور صاحب اختیار ہونے کے لائق ہیں اور چونکہ خداوندمتعال ذاتی طور پر صاحب اختیار ہے اورتمام امور میں سرپرستی کا اختیار رکھتا ہے،اس لئے اس نے یہ سرپرستی انھیں عطا کی ہے ۔خواہ اگر بظاہر انھیں اس عہدے سے محروم کر دیا گیا ہو،نہ ان لوگوں کو جوز ورو زبردستی اور ناحق طریقہ سے مسلط ہوکر لوگوں کے حکمران بن گئے ہیں ۔اس لئے کہ صاحب خانہ وہ ہے جو حقیقت میں اس کا مالک ہو چاہے وہ غصب کرلیا گیا ہو،نہ کہ وہ شخص جس نے زوروزبردستی یا مکروفریب سے اس گھر پر قبضہ کرلیا ہے۔

اولوالامر کا مصداق

اولوالامر کے مصادیق کے بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال پیش کئے ہیں ۔اس سلسلہ میں جو نظریات ہمیں دستیاب ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔امراء

۲۔اصحاب پیغمبر(ص)

۳۔مہاجرین وانصار

۴۔اصحاب اور تابعین

۵۔ چاروخلفاء

۶۔حضرت ابوبکر وعمر

۷۔علماء

۸۔جنگ کے کمانڈر

۹۔آئمہء معصومین)علیہم السلام(

۱۰۔علی (علیہ السلام)

۱۱۔وہ لوگ جو شرعی لحاظ سے ایک قسم کی ولایت اور سر پرستی رکھتے ہیں۔

۱۲۔اہل حل وعقد

۱۳۔امرائے حق ا

ان اقوال پر تحقیق اور تنقید کرنے سے پہلے ہم خود آیہء کریمہ میں موجود نکات اور قرائن پر غور کرتے ہیں:

آیت میں اولوالامر کا مرتبہ

بحث کے اس مرحلہ میں ایہء شریفہ میں اولوالامر کی اطاعت کرنے کی کیفیت قابل توجہ ہے:

پہلا نکتہ: اولوالامر کی اطاعت میں اطلاق آیہء شریفہ میں اولوالامر کی اطاعت مطلق طور پر ذکر ہوئی ہے اوراس کے لئے کسی قسم کی قید وشرط بیان نہیں ہوئی ہے،جیسا کہ رسول اکرم صل (ص) کی اطاعت میں اس بات کی تشریح کی گئی۔

یہ اطلاق اثبات کرتا ہے کہ اولوالامر مطلق اطاعت کے حامل وسزاوار ہیں اوران کی اطاعت خاص دستور، مخصوص حکم یا کسی خاص شرائط کے تحت محدود نہیں ہے، بلکہ ان کے تمام اوامر ونواہی واجب الاطاعت ہیں۔

ا۔تفسیر البحر المحیط، ج ۳، ص ۲۷۸، التفسیر الکبیر

دوسرا نکتہ: اولوالامر کی اطاعت، خدااور رسولکی اطاعت کے سیاق میں یعنی ان تین مقامات کی اطاعت میں کوئی قید وشرط نہیں ہے اور یہ سیاق مذکورہ اطلاق کی تاکید کرتا ہے۔

تیسرا نکتہ: اولوالامر میں "اطیعوا" کا تکرار نہ ہونا۔

گزشتہ نکات سے اہم تر اس نکتہ کا مقصد یہ ہے کہ خدا ورسولکی اطاعت کے لئے آیہ ٔشریفہ میں ہرایک کے لئے الگ سے ایک "اطیعوا" لایا گیاہے اور فرمایاہے: ۔۔۔اطیعوااللّٰہ واطیعواالرّسول※لیکنا ولوالامر کی اطاعت کے لئے "اطیعوا" کے لفظ کی تکرارنہیں ہوئی ہے بلکہا ولی الامر "الرسول" پرعطف ہے، اس بناپر وہی "اطیعوا" جورسول کے لئے آیا ہے وہ اولی الامر سے بھی متعلق ہے۔

اس عطف سے معلوم ہوتاہے کہ "اولوالامر" اور "رسول" کے لئے اطاعت کے حوالے سے دوالگ الگ واجب نہیں ہیں بلکہ وجوب اطاعت اولوالامر وہی ہے جو وجوب اطاعت رسولہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اولوالامر کی اطاعت تمام امرونہی میں رسول اکرم (ص) کی

اطاعت کے مانند ہے اوراس کا نتیجہ گناہ وخطا سے اولوالامر کی عصمت،تمام اوامر ونواہی میں رسول کے مانند ہے۔

اس برہان کی مزید وضاحت کے لئے کہا جاسکتا ہے: آیہء شریفہ میں رسول اکرم صل (ص) اوراولوالامر کی اطاعت کے لئے ایک"اطیعوا" سے زیادہ استعمال نہیں ہوا ہے اور یہ"اطیعوا" ایک ہی وقت میں مطلق بھی ہواور مقیّد بھی یہ نہیں ہوسکتا ہے یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ"اطیعوا" رسول خدا (ص) کے بارے میں مطلق ہےاوراولوالامر کے بارے میں مقیّد ہے، کیونکہ اطلاق اور قید قابل جمع نہیں ہیں۔اگر"اطیعوا" پیغمبر (ص) کے بارے میں مطلق ہے اورکسی قسم کی قید نہیں رکھتا ہے،)مثلاًاس سے مقیّد نہیں ہے کہ آنحضرت (ص) کا امر ونہی گناہ یا اشتباہ کی وجہ سے نہ ہو) تو اولوالامر کی اطاعت بھی مطلق اور بلا قید ہونی چاہیئے ورنہ نقیضین کا جمع ہونا لازم ہوگا۔

ان نکات کے پیش نظر یہ واضح ہوگیا کہ آیہء کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیت میں"اولوالامر" پیغمبراکرم (ص) کے مانند معصوم ہیں۔

یہ مطلب کہ"اولوالامر کی اطاعت" آیہء کریمہ میں مذکورہ خصوصیات کے پیش نظر،اولوالامر کی عصمت پر دلالت ہے،بعض اہل سنّت ا مفسرین،من جملہ فخررازی کی توجہ کا سبب بنا ہے۔اس لحاظ سے یہاں پران کے بیان کا خلاصہ جواس مطلب پر قطعی استدلال ہے کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے:

آیہء اولوا الامر کے بارے میں فخر رازی کا قول

فخر رازی نے بھی "اولوالامر" کی عصمت کو آیہء شریفہ سے استفادہ کیا ہے ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"خداوند متعال نے آیہء کریمہ میں "اولوالامر" کی اطاعت کو قطعی طور پر ضروری جانا ہے،اورجس کسی کے لئے اس قسم کی اطاعت واجب ہو اس کا خطاواشتباہ سے معصوم ہو نا ناگزیر ہے،کیونکہ اگر وہ خطاواشتباہ سے معصوم نہ ہو اور بالفرض وہ خطا کا مرتکب ہو جائے تو ،اس آیت کے مطابق اس کی اطاعت کرنی ہوگی!اور یہ ایک امر خطا واشتباہ کی اطاعت ہوگی،جبکہ خطااوراشتباہ کی نہی کی جاتی ہے لہذا انہیں چاۂے کر اس کے امر کی پیروی کیجائے،کیونکہ اس قسم کے فرض کا نتیجہ فعل واحد میں امرونہی کا جمع ہونا ہے)جومحال ہے)

۲۔

فخر رازی اولوالامر کی عصمت کو آیہء سے استدلال کرنے کے بعد،یہ مشخص کرنے کے لئے کہ اولوالامر سے مراد کون لوگ ہیں کہ جن کا معصوم ہونا ضروری ہے کہتا ہے:

۱۔غرائب القرآن،نیشا بوری،ج ۲،ص ۴۳۴،دارالکتب العلمیۃ بیروت،تفسیر المنار،شیخ محمد عبدہ ورشید رضا،ج ۵،ص ۱۸۱ دارالمعرفۃ بیروت

۲۔التفسیر الکبیر،آیت کے ذیل میں

"اولوالامر سے مراد شیعہ امامیہ کے ائمہ معصومین علیھم السلام (ع) نہیں ہو سکتے ہیں،بلکہ اس سے مراد اہل حل وعقد) جن کے ذمہ معاشرہ کے اہم مسائل کے حل کرنے کی

ذمہ داری ہے) کہ جو اپنے حکم اور فیصلے میں معصوم ہوتے ہیں اور ان کے فیصلے سو فیصد صحیح اور مطابق واقع ہوتے ہیں“۔

فخر رازی کا جواب

یہ بات کہ اولوالامر سے مراد اہل حل وعقد ہیں اور وہ اپنے حکم اور فیصلہ میں معصوم ہیں، مندرجہ ذیل دلائل کے پیش نظر صحیح نہیں ہے:

ا۔ آیہء کریمہ میں ”اولوالامر“ کا لفظ جمع اور عام ہے کہ جو عمومیت و استغراق پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اس سے مراد اہل حل وعقد ہوں گے تو اس کی دلالت ایک مجموعی واحد پر ہوگی اور یہ خلاف ظاہر ہے۔

وضاحت یہ ہے کہ آیہء کریمہ کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ ایسے صاحبان امر کی اطاعت لازم ہے جن میں سے ہر کوئی، واجب الاطاعت ہو، نہ یہ کہ وہ تمام افراد) ایک مشترک فیصلہ کی بنیاد پر)ایک حکم رکھتے ہوں اور اس حکم کی اطاعت کرنا واجب ہو۔

۲۔ عصمت، ایک تحفظ الٰہی ہے، ایک ملکہ نفسانی اور حقیقی صفت ہے اور اس کے لئے ایک حقیقی موصوف کا ہونا ضروری ہے اور یہ لازمی طور پر ایک امر واقعی پر قائم ہونا چاہئے جبکہ اہل حل وعقد ایک مجموعی واحد ہے اور مجموعی واحد ایک امر اعتباری ہوتا ہے اور امر واقعی کا امر اعتباری پر قائم ہونا محال ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے درمیان اس بات پر اتفاق نظر ہے کہ شیعوں کے ائمہ اور انبیاء کے علاوہ

کوئی معصوم نہیں ہے۔

آئمہء معصومین (ع) کی امامت پر فخر رازی کے اعتراضات

اس کے بعد فخر رازی نے شیعہ امامیہ کے عقیدہ، یعنی "اولوالامر" سے مراد بارہ ائمہ معصومین ہیں، کے بارے میں چند اعتراضات کئے ہیں:

پہلا اعتراض: ائمہء معصومین (علیہم السلام) کی اطاعت کا واجب ہونا یا مطلقاً ہے یعنی اس میں ان کی معرفت وشناخت نیز ان تک رسائی کی شرط نہیں ہے، تو اس صورت میں تکلیف مالا یطاق کا ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ اس فرض کی بنیاد پر اگر ہم انھیں نہ پہچان سکیں اوران تک ہماری رسائی نہ ہو سکے، تو ہم کیسے ان کی اطاعت کریں گے؟ یا ان کی شناخت اور معرفت کی شرط ہے، اگر ایسا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس بات کا لازمہ ان کی اطاعت کا واجب ہونا مشروط ہوگا، جبکہ آیہء شریفہ میں ان کی اطاعت کا واجب ہونا مطلقاً ہے اوراس کے لئے کسی قسم کی قید وشرط نہیں ہے۔

جواب: ائمہء معصومین کی اطاعت کے واجب ہونے میں ان کی معرفت شرط نہیں ہے تاکہ اگر کوئی انھیں نہ پہچانے تو اس پر ان کی اطاعت واجب نہ ہو، بلکہ ان کی اطاعت بذات خود مشروط ہے۔ نتیجہ کے طور پر انھیں پہچاننا ضروری ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جا سکے اوران دونوں کے درمیان کافی فرق ہے۔

مزید وضاحت: بعض اوقات شرط، شرط وجوب ہے اور بعض اوقات شرط، شرط واجب

ہے۔مثلاً وجوب حج کے لئے استطاعت کی شرط ہے اورخود استطاعت وجوب حج کی شرط ہے۔اس بناء پر اگر استطاعت نہ ہوتو حج واجب نہیں ہوگا۔لیکن نماز میں طہارت شرط واجب ہے،یعنی نماز جو واجب ہے اس کے لئے طہارت شرط ہے۔اس بناء پر اگر کسی نے طہارت نہیں کی ہے تو وہ نماز نہیں پڑھ سکتا ہے،وہ گناہ کا مرتکب ہوگا،کیونکہ اس پر واجب تھا کہ طہارت کرے تا کہ نماز پڑھے۔لیکن حج کے مسئلہ میں،اگر استطاعت نہیں رکھتا ہے تو اس پر حج واجب نہیں ہے اور وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں بھی پیغمبر (ص) اور امام (ع) دونوں کی اطاعت کے لئے ان کی معرفت کی شرط ہے۔اس لحاظ سے ان کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے تا کہ ان کی اطاعت کی جاسکے۔پس ان کی اطاعت کا وجوب مطلقاً ہے،لیکن خود اطاعت مشروط ہے۔

خدائے متعال نے بھی قطعی دلالت سے اس معرفت کے مقدمات فراہم کئے ہیں۔جس طرح پیغمبر اکرم (ص) قطعی دلائل کی بنا پر پہنچانے جاتے ہیں،اسی طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کو بھی جو آپکے جانشین ہیں قطعی اور واضح دلائل کی بنا پر جیسا کہ شیعوں کے کلام اور حدیث کی کتابوں میں مفصل طور پر آیا ہے اور ان کے بارے میں معرفت اور آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے۔

دوسرا اعتراض: شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق ہر زمانہ میں ایک امام سے زیادہ نہیں ہوتا ہے،جبکہ "اولوالامر" جمع ہے اور متعدد اماموں کی اطاعت کو واجب قرار دیتا ہے۔

جواب: اگر چہ ہر زمانے میں ایک امام سے زیادہ نہیں ہوتا ہے،لیکن ائمہ کی اطاعت مختلف

ومتعدد زمانوں کے لحاظ سے ہے،اور یہ ہر زمانہ میں ایک امام کی اطاعت کے واجب ہونے کے منافی نہیں ہے۔نتیجہ کے طور پرمختلف زمانوں میں مومنین پرواجب ہے کہ جس آئمہ معصوم کی طرف سے حکم ان تک پہنچے،اس کی اطاعت کریں۔

تیسرااعتراض:اگرآیہء شریفہ میں"اولوالامر"سے مرادآئمہ معصومین ہیں توآیہئ شریفہ کے ذیل میں جوحکم دیا گیاہے کہ اختلافی مسائل کے سلسلہ میں خدائے متعال اوررسول (ص) کی طرف رجوع کریں،اس میں ائمہ معصومین(ع) کی طرف لوٹنے کا بھی ذکرہوناچاہیئے تھا جبکہ آیت میں یوں کہا گیاہے:※وإن تنازعتم فی شیءٍ فردّوہ إلی اللّٰہ والرّسول※ "پھراگرآپس میں کسی بات میں اختلاف ہوجائےتواسے خدااور رسولکی طرف ارجاع دو۔"جبکہ یہاں پر"اولوالامر"ذکرنہیں ہواہے۔

جواب:چونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام اختلافات کوحل کرنے اوراختلافی مسائل کے بارے میں حکم دینے میں قرآن مجیداورسنّت(ص) کے مطابق عمل کرتے ہیں اورکتاب وسنّت کے بارے میں مکمل علم وآگاہی رکھتے ہیں،اس لئے اختلافی مسائل میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرناخدا اوررسولکی طرف رجوع کرناہے۔اسی لئے"اولوالامر"کاذکر اور اس کی تکرارکرنایہاں پرضروری نہیں تھا۔

جملہءشرطیہ میں"فائےتفریع"

ایک اورنکتہ جو"اولوالامر"کے معنی کوثابت کرنے کے لئے بہت مؤثر ہے وہ جملہئ شرطیہ میں

<اطیعو اللہ واطیعو الرّسول واولی الامر>

کے بعد" فائے تفریع" کا پایا جانا ہے۔

یہ جملہ شرطیہ یوں ایا ہے:※و إن تنازعتم فی شیءٍ فردّوہ إلی اللّٰہ و رسول※ اختلافی مسائل کوخدائے متعال اوررسول (ص) کی طرف پلٹانے کا وجوب، خدا، رسولا وراولی الامر کی اطاعت کے وجوب پر متفرع ہوا ہے، اوراس بیان سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ اختلافی مسائل کوخدااوررسول (ص)ی طرف پلٹانے میں اولوالامر کی اطاعت دخالت رکھتی ہے۔ یہ تفریع دو بنیادی مطلب کی حامل ہے:

ا۔اولوالامر کی عصمت :اس لحاظ سے کہ اگراولوالامر خطااور گناہ کا مرتکب ہو گااور اختلافی مسائل میں غلط فیصلہ دے گاتواس کے اس فیصلہ کا کتاب وسنت سے کوئی ربط نہیں ہوگا جبکہ تفریع دلالت کرتی ہے کہ چونکہ اولی الامر کی اطاعت ضروری ہے لہذا چاہیئے کہ، اختلافی مسائل کوخدااوررسول (ص) کی طرف پلٹایا جائے۔

۲۔کتاب وسنت کے بارے میں کامل ووسیع معلومات:اس لحاظ سے اگراولی الامر کتاب وسنت کے ایک حکم سے بھی جاہل ہواوراس سلسلہ میں غلط حکم جاری کرےتواس حکم میں اس کی طرف رجوع کرنا گویا کتاب وسنت کی طرف رجوع نہ کرنے کے مترادف ہے۔جبکہ" فائے تفریع" سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت مسلسل اختلافی مسائل کوکتاب وسنت کی طرف پلٹانے کا سبب ہے۔اس لئے آیہءشریفہ میں فائے تفریع، کاوجوداولی الامر کے تعین کے لئے کہ جس سے مرادائمہ معصومین (ع) واضح قرینہ ہے۔

مذکورہ نکات سے استفادہ کی صورت میں اب تک درج ذیل چند مطالب واضح ہو گئے:

۱۔آیہء شریفہ میں"اولی الامر"سے مراد جو بھی ہیں ان کا امرونہی کرنے میں گناہ اور خطا سے معصوم ہونا ضروری ہے۔

۲۔اولی الامر کا انطباق اہل حل وعقد پر صحیح و درست نہیں ہے۔)جیسا کہ فخر رازی کا نظریہ ہے)

۳۔اب تک جو کچھ ثابت ہو چکا ہے اس کے پیش نظر اگر"اولی الامر"کے بارے میں ہمارے بیان کئے گئے گیارہ اقوال پر نظر ڈالیں،تو آیہء کریمہ کی روشنی میں"اولی الامر"سے مراد تنہا شیعہ امامیہ کا نظریہ قابل قبول ہے اور یہ امران کے علاوہ دوسروں کے عدم عصمت پر اجماع ہونے کی بھی تاکید کرتا ہے۔

ظالم حکام اولوالامر نہیں ہیں

اولوالامر کے مفہوم میں اشارہ کیا گیا کہ اولوالامر میں صرف وہ لوگ شامل ہیں، جو امت کی سر پرستی ان کے امور کے مالک ہوں،اور یہ عنوان ان پر بھی صادق ہے کہ جنھیں ظلم اور ناحق طریقہ سے امت کی سر پرستی سے علیحدہ کیا گیا ہے۔اس کی مثال اس مالک مکان کی جیسی ہے،جس کے مکان پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسے نکال باہر کر دیا گیا ہو۔

دوسرا نکتہ جو"اولوالامر"کے مقام کی عظمت اور اس کے بلند مرتبہ ہونے پر دلالت کرتا ہے وہ"اولوالامر"کا خدا ورسول (ص) کے اوپر عطف ہونا ہے۔مطلقاً وجوب اطاعت میں خدا

ورسول کے ساتھ یہ اشتراک ومقارنت ایک ایسا رتبہ ہے جوان کے قدرومنزلت کے لائق افراد کے علاوہ دوسروں کے لئے میسر نہیں ہے۔

یہ دواہم نکتے)مفہوم"اولوالامر"اوروجوب اطاعت کے سلسلہ میں الوالامرکا خداورسولپرعطف ہونا(خود"اولوالامر"کے دائرے سے ظالم حکام کے خارج ہونے کوواضح کرتا ہے۔

زمخشری کاتفسیرالکشاف امیں اس آیہءشریفہ کےذیل میں کہنا ہے:

"خدااوررسول (ص) ظالم حکام سے بیزارہیں اوروہ خداورسول کی اطاعت کے واجب ہونے پرعطف کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ان کے لئے شائستہ ترین نام"اللصوص المتغلبہ" ہے۔یعنی ایسے راہزن کہ جولوگوں کی سرنوشت پرزبردستی مسلط ہوگئے ہیں۔"

اس بیان سے معروف مفسرقرآن،طبری کے نظریہ کا قابل اعتراض ہوناواضح ہوجاتا ہے،جس نے ظالم کام کوبھی اولوالامر کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے ان کی اطاعت کےضروری ہونے کی طرف اشارہ کیاہے۔

اولوالامرکےبارے میں طبری کاقول

مناسب ہے کہ ہم اس سلسلہ میں طبری کے بیان اوراستدلال کی طرف اشارہ کریں:

اٴولی الاٴقوال فی ذلك بالصواب قول من قال:"هم الاٴمراوٴالو لاةلصحة الاٴخبارعن رسول الله (ص) بالاٴمربطاعته الاٴئمّة والولاةفیماكان طاعة

وللمسلمین مصلحة"

ا۔الکشاف،ج۱،ص۲۷۷۔۲۷۶،دارالمعرفة،بیروت

کالذی حدثنی علی بن مسلم الطوسی قال:ثنا ابن ابی فدیك قال:ثنی عبدالله ابن محمدبن عروة،عن هشام بن عروة،عن ابی صالح السمان،عن ابی هریرة:ان النبیّ- (ص) وسلم-قال:سیلیکم بعدی ولاة،فیلیکم البرّببرّه،والفاجر بفجوره۔

فاسمعوالهم واطیعوافی کل ماوافق الحق وصلّوا وراء هم!فإن احسنوا فلکم ولهم،وإن اساؤوافلکم وعلیهم!

وحدثنا ابن المثنی قال:ثنا یحیی بن عبیدالله قال:اخبرنی نافع،عن عبدالله،عن النبیّ- (ص)-قال:علی المرء المسلم الطاعة فیما احبّ و کره إلاّان یؤمر بمعصیةٍ،فمن امربمعصیة فلا طاعة۔ حدثناابن المثنی قال:ثنی خالدبن عبیدالله،عن نافع،عن ابی عمر،عن النبیّ-(ص)-نحوه۔۱

طبری نے تمام اقوال میں سے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ جس میں "اولوالامر" سے مراد مطلق حکام (نیک وبد) لیا گیا ہے۔اوراس سلسلہ میں ان دواحادیث سے استدلال کیا ہے،جن میں حکمران اور فرمانرواؤں کی اطاعت کو مطلق طور پر ضروری جانا کیا گیا ہے۔

نہ صرف "اولی الامر" کا مفہوم اوراس کا رسول (ص) پر عطف ہونا اس نظریہ کو مسترد کرتا ہے، بلکہ ایسی صورت میں طبری کے نظریہ پر چند اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں:

پہلا اعتراض: یہ احادیث قابل اعتبار اور حجت نہیں ہیں، کیونکہ حدیث کی سند میں پہلے ابن

ابی فدیک کا نام ہے کہ اہل سنّت کے رجال وحدیث کے ایک امام،ابن سعد کا اس کے بارے میں کہنا ہے:

ا۔تفسیر طبری، ج ۵،ص ۹۵،دارالمعرفة ، بیروت

"کان کثیر الحدیث ولیس بحجة"۱

"اس سے کافی احادیث روایت ہوئی ہیں اور)اس کی بات) حجت نہیں ہے"

ابن حبان نے اسے خطا اور اشتباہ کرنے والا جانا ہے۔ ۲ اس کے علاوہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن عروة ہے کہ جس کا علم رجال کی معروف کتابوں میں موثق ہونا ثابت نہیں ہے۔

دوسری حدیث کی سند میں بھی بعض ضعیف اور مجہول افراد پائے جاتے ہیں، جیسے یحییٰ بن عبیداللہ، کے متعلق اہل سنت کے ائمہء رجال جیسے ابوحاتم ،ابن عیینہ، یحییٰ القطان، ابن معین ،ابن شیبہ، نسائی اور دار قطنی نے اسے ضعیف اور قابل مذمت قرار دیا ہے۔ ۳

دوسرا اعتراض: ان احادیث کا آیہء"اولی الامر" سے کوئی ربط نہیں ہے اور یہ احادیث اس آیت کی تفسیر نہیں کرتی ہیں۔

تیسرا اعترض: طبری کی یہ تفسیر قرآن مجید کی دوسری آیات سے تناقص رکھتی ہے، من جملہ یہ آیہء شریفہ:

لاتطیعوا امر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون (شعراء/ ۱۵۱_۵۲۱)

"اور زیادتی کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو، جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں

اور اصلاح کے درپے نہیں ہیں"

علماء بھی اولوالامر نہیں ہیں

"اولوالامر" کا مفہوم سرپرستی اور ولایت کو بیان کرتا ہے اور علماء کا کردار لوگوں کو وضاحت اور آگاہی دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ:

۱۔الطبقات الکبری، ج۵، ص ۴۳۷، دار بیروت للطباعة والنشر

۲۔کتاب الثقات، ج۹، ص ۴۲، موسسة الکتب الثقافیة

۳۔تہذیب التہذیب، ج۱۱، ص ۲۲۱، دارالفکر

ایک تو، "اولوالامر" کے عنوان سے صاحبان علم وفقہ ذہن میں نہیں آتے ہیں مگر یہ کہ خارج سے اس سلسلہ میں کوئی دلیل موجود ہو جس کے رو سے علماء اور دانشوروں کو سرپرستی حاصل ہوجائے اور یہ دلالت آیت کے علاوہ ہے جنہوں نے اس قول کو پیش کیا ہے، وہ اس لحاظ سے ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے معاملات میں علماء کی اطاعت کرکے ان کی راہنمائی سے استفادہ کریں۔

دوسرے یہ کہ: اس آیہء شریفہ سے قبل والی آیت میں خداوند متعال نے حکام کے فرائض بیان کئے ہیں:

<وإذا حكمتم بين الناس ا ٔن تحكموا بالعدل>

"جب کوئی فیصلہ کروتو انصاف کے ساتھ کرو"

زیر بحث آیت میں "اولوالامر" کی نسبت لوگوں کی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ "اولوالامر" سے مراد مذکورہ صفات کے حامل وہی حکام ہیں، نہ علمائ

تیسرے یہ کہ: اگر اس سے مراد علماء ہیں تو کیا یہ علماء بہ طور عام اور بہ حیثیت مجموعی مراد ہیں یا یہ کہ بہ حیثیت استغراقی، ان میں ہر فرد ولی امر ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے؟

اگر پہلا فرض مراد ہے، تو اس پر اعتراض اہل حل وعقد والے قول اور فخر رازی کے نظریہ کے سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے، اور اگر دوسری صورت مراد ہے تو آیہ شریفہ میں مطلقا طور پر کس طرح ان کی اطاعت واجب ہوئی ہے، جبکہ اگر ایسا ہے تو اس کے ضوابط اور شرائط قرآن وحدیث میں بیان ہونے چاہئے تھے۔

چوتھے یہ کہ: پچھلی آیت میں "فائے تفریع" کی وضاحت میں آیہ شریفہ کے بعد والے جملہ میں آیا ہے: ﴿وإن تنازعتم فی شیءٍ فردّوہ إلی اللہ والرّسول﴾ یہ جملہ فائے تفریع کے ذریعہ پہلے والے جملہ سے مربوط ہے کہ اس کے معنی اختلافی صورت میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنا خدا ورسول نیز اولی الامر کی مطلقاً اطاعت کے وجوب پر متفرع ہے۔ اس جملہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اختلافی مسائل میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، یہ رجوع کرنا 'اولوالامر" کی اطاعت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ اور بعد والے جملہ میں لفظ "اولوالامر" کو نہ لانے کا مقصد بھی اسی مطلب کو واضح کرتا ہے یعنی تنہا "اولوالامر" ہے جو کتاب وسنت کے معانی ومفاہیم نیز تمام پہلوؤں سے آگاہ ہے لہذا اختلافی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرنا درحقیقت خدا اور رسولکی طرف رجوع کرنا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مطلقاً

یعنی بہ طور کلی علماء ایسے نہیں ہیں سواء ان لوگوں کے کہ جو منجانب اللہ گناہ وخطاء سے محفوظ ہیں۔

آیہء کریمہ کے بارے میں چند دیگر نکات

اس قول کے بارے میں کہ "اولوالامر" سے مراد علماء ہیں، مفسرین کے بیانات میں بعض قابل غور باتیں دیکھنے میں آتی ہیں، شائستہ نکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیت میں غور وخوص ان اعتراضات کو واضح کر دیتا ہے پہلا نکتہ:

<فإنّ تنازعتم> میں مخاطبین وهی هیں جو <یاایّها الذین آمنوا>

میں مخاطبین ہیں۔" آیت میں مخاطب مومنین" کا اولوالامر کے درمیان تقابل کا قرینہ متقاضی ہے کہ "الذین آمنوا" "اولوالامر" کے علاوہ ہوں کہ جس میں حاکم وفرمانروا اولوالامر اور مطیع وفرمانبردار مومنین قرار دیئے جائیں۔

دوسرا نکتہ: اس نکتہ کے پیش نظر، مومنین کے اختلافات ان کے آپسی اختلافات ہیں نہ ان کے اور اولوالامر کے درمیان کے اختلافات۔

تیسرا نکتہ: یہ کہ مومنین سے خطاب موردتوجہ واقع ہو اور اس کو اولی الامر کی طرف موڑ دیا جائے، یہ سیاق آیت کے خلاف ہے اور اس توجہ کے بارے میں آیہء شریفہ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

چند نظریات پر تنقید

قرطبی اورجصّاص نے جمله<فإن تنازعتم فی شيءٍ فردّوه إلی الله والرّسول>

کواس پر دلیل قرار دیا کہ"اولوالامر" سے مرادعلماء ہیں،اور چونکہ جو علماءنہیں ہیں وہ خدا ورسولکی طرف پلٹانے کی کیفیت کونہیں جانتے ہیں،اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ نے علماء کوخطاب کیا ہےاورانھیں جھگڑے اوراختلاف کی صورت میں حکم دیا ہے کہ اختلافی مسئلہ کو خدااوررسول کی طرف پلٹادیں۔ ا

ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں اس قول کوپیش کیا ہےاورمذکورہ دومفسروں نے جو کچھ کہا ہے،اس کےخلاف ہے:

جملہء"فإن تنازعتم"

اس کی دلیل ہے کہ اولوالامر سے مراد علماءنہیں ہو سکتے ہیں،کیونکہ مقلد مجتہد کے حکم کے بارے میں اس سے اختلاف نہیں کرسکتا ہے!مگر یہ کہ ہم کہیں کہ جملہ"

فإن تنازعتم"

کا مقلدین سے کوئی ربط نہیں ہے اور یہ خطاب صرف علماء سے ہے اوراس سلسلہ میں کسی حد تک التفات ملاحظہ کیا گیا ہےلیکن یہ بھی بعید ہے۔ ۲

قرطبی اورجصّاص کے لئے یہ اعتراض ہے کہ وہ التفات (توجہ) کے قائل ہوئے ہیں اور

جملہ "تنازعتم" کو علماء سے خطاب جانا ہے جبکہ بظاہر یہ ہے کہ "تنازعتم" کا خطاب تمام مومنین سے ہے اور اس التفات کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

ابوالسعود کا اشکال یہ ہے کہ اس نے آیہء شریفہ میں اختلاف کو "اولوالامر" سے مراد علماء ہونے کی صورت میں اختلاف بین علماء اور مقلدین سمجھا ہے، جبکہ مؤمنین سے خطاب ہے، چونکہ مؤ منین آیہء شریفہ میں اولوالامر کے مقابلہ میں قرار دئے گئے ہیں، لہذا ان کے اختلافات ان کے آپسی اختلافات ہوں گے، نہ کہ علماء کے فرض کرنے کی صورت میں اولوالامر

۱۔جامع احکام القرآن، ج۵، ص ۲۶۰، دارالفکر۔احکام القرآن جصاص، ج۲، ص ۲۱۰، دارالکناف العربی۔

۲۔ارشادالعقل السلیم تفسیرابوالسعود، ج۲، ص ۱۹۳، داراحیائ التراث العربی، بیروت۔

کے ساتھ یہاں تک واضح ہوا کہ مذکورہ نکات کے پیش نظر"اولوالامر" سے مراد علمانہیں ہو سکتے ہیں۔قرطبی اور جصاص کا نظریہ بھی صحیح نہیں ہے، جنھوں نے التفات کا سہارا لے کر اس قول کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے اور ابوالسعود کا نظریہ بھی درست نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مسترد ہونا واضح ہے۔

اصحاب اور تابعین بھی اولوالامر نہیں ہیں۔

آیہء شریفہ میں چند دوسرے ایسے نکات بھی موجود ہیں کہ جن کی روشنی میں اصحاب یا اصحاب وتابعین یا مہاجرین وانصار کا اولوالامر نہ ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے:

ا۔آیہء شریفہ میں عموماً مؤمنین سے خطاب کیا گیا ہے اور ایسے افراد کہ جن کی اطاعت کرنا مؤمنین کے لئے بطور مطلق واجب ہے،ان کا ذکر ہے لہذا مؤمنین وہ لوگ ہیں کہ جن کی شان اطاعت وفرمانبرداری ہے اور خدا ورسول نیز اولوالامر کی شان مومنین کے اوپر مطلقاً اختیار اور فرمانروائی ہے،ان دونوں کا)مفہوم)ایک دوسرے کے مدمقابل واقع ہونا واضح قرینہ ہے کہ مؤمنین "اولوالامر" کے علاوہ ہیں۔مؤمنین کی حیثیت صرف فرمانبرداری ہے،اوران کے مقابل یعنی خدااور رسول نیز اولوالامر کی حیثیت فرماں روائی ہے۔

یہ مغایرت جس چیز کی تاکید کرتی ہے،وہ یہ ہے کہ اولوالامر کا تذکرہ خدااور رسول کے ساتھ ایک سیاق میں واقع ہے اور آیت میں خدا اور رسولکی حیثیت سواء مطاع) جس کی اطاعت کی جائے) کے کچھ نہیں ہے،لہذا اولوالامر کی بھی وہی حیثیت ہونی چاہئے۔

اس مطلب کا تقاضا یہ ہے کہ اولوالامر،اصحاب،تابعین یا مہاجرین وانصار کے زمرے سے نہیں ہوں گے کیوں کہ ایسی صورت میں مذکورہ مغایرت موجود نہیں رہے گی،حالانکہ جومؤ منین آیہء شریفہ کے نزول کے وقت اس کے مخاطب واقع ہوئے ہیں وہ،وہی اصحاب ،مہاجرین اور انصار ہیں۔

۲۔دوسرانکتہ یہ ہے کہ اگر اولوالامر کے مصداق اصحاب ہوگے،تو کےا یہ تمام اصحاب بہ حیثیت مجموعی ہیں ےابنحو استغراقی ؟

مزید واضح لفظوں مےں کیا اصحاب مےں سے ہر ایک فرد بہ طور مستقل اولوالامر ہے اور قوم کی سرپرستی کا اختیار رکھتا ہے، یا تمام اصحاب بہ حیثیت مجموعی اس عہدے کے مالک ہیں؟

فطری بات ہے کہ دوسری صورت کے اعتبار پر سب کا اجماع اور اتفاق ہوگا؟

دوسرا فرض)یعنی عام بہ حیثیت مجموع (ظاہر کے خلاف ہے، جیسا کہ فخر رازی کے بیان میں اس کی وضاحت ہوچکی ہے، اور پہلا فرض یعنی اصحاب میں سے ہر ایک بہ طور مستقل صاحب ولایت ہوگا، یہ بھی ظاہر اور اصحاب کی سیرت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اصحاب کے زمانہ میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ ہر ایک دوسرے کے لئے) وہ بھی مطلقاً (وجوب اطاعت کا مالک ہوا۔ اس کے علاوہ اصحاب علمی اور عملی لحاظ سے ایک دوسرے سے کافی مختلف تھے۔ان میں کافی تعداد میں ایسے افراد بھی تھے جن میں علمی اور اخلاقی صلاحیتوں کا فقدان تھا۔مثال کے طور پر ولید بن عقبہ ا کے فاسق ہونے کے بارے میں آیت نازلی ہوئی ہے کہ جس کی خبر کی تحقیق واجب وضروری ہے ان حالات کے پیش نظر کس طرح ممکن ہے کہ" اولوالامر" کے مصداق بہ طور مطلق اصحاب یا مہاجرین وانصار ہوں؟

سریہ کے سردار بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں:

اسی طرح" اولوالامر" کے مصداق سریہ ۲ کے کمانڈو بھی نہیں ہیں کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا، اس کے علاوہ" اولوالامر" کا رسول (ص) پر عطف ہونا،" اولوالامر" کی مطلق اطاعت کے و اجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جملہ" وإن تنازعتم" کا متفرع ہونا، خداو

ا۔ اصحاب کے بارے میں مصنف کی کتاب" عدالت صحابہ درمیزان کتاب وسنت" ملاحظہ ہو

۳۔جن جنگوں میں پیغمبر اکرم صلی للہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر شرکت نہیں کی ہے، انھیں سریہ کہتے ہیں۔

پیغمبر اور اولوالامر کی مطلق اطاعت نیز" اولوالامر" کی عصمت پر دلیل ہیں۔سریہ کے کمانڈ معصوم نہیں ہیں، اس سلسلہ میں اصحاب اور تابعین کی طرف سے کچھ آثار نقل ہوئے ہیں جواس مطلب کی تائید کرتے ہیں۔ہم یہاں پر ان آثار میں سے چند کی طرف اشارہ کررہے ہیں:

۱۔ابن عباس سے ایک حدیث میں روایت کی گئی ہے: آیہء" اولی الامر" ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کہ جسے پیغمبر اکرم (ص) نے ایک سریہ میں) سرپرست وسربراہ کے عنوان سے) بھیجا تھا۔۱۱اس حدیث کی سند میں حجاج بن محمد کا نام آیا ہے کہ ابن سعد نے اس کے بارے میں کہا ہے:

"کان قد تغیّر فی آخر عمرہ"

"یعنی: آخرعمر میں اس کا حافظہ مختل ہوگیا تھا۔

اور ابن حجر نے کہا ہے کہ اس نے اسی حالت میں روایت کی ہے ۲ فطری بات ہے کہ اس کیفیت وحالت کے پیش نظر اس کی روایت معتبر نہیں ہوسکتی ہے۔

۲۔ایک دوسری حدیث میں میمون بن مہران سے روایت ہوئی ہے کہ" اولوالامر" وہ لوگ ہیں جوسریہ) جنگوں) میں شرکت کرتے تھے۔۱۳اس حدیث کی سند میں عنبسة بن سعید ضریس کا نام ہے کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں کہا ہے:

"کان یخطی ۴"

"یعنی: وہ مسلسل خطا کا مرتکب ہوتا تھا۔"

۱۔تفسیر طبری، ج۵،ص ۹۲، دار المعرفة، بیروت

۲۔تہذیب التہذیب، ج ۲،ص۱۸۱

۳۔تفسیر طبری، ج۵،ص ۹۲، دار المعرفة، بیروت

۴۔تہذیب التہذیب، ج۸،ص ۱۳۸

طبری نے ایک حدیث میں سدی سے نقل کیا ہے ا کہ اس نے آیہء"اولوالامر" کو اس قضیہ سے مرتبط جانا ہے کہ ایک سریہ) جنگ) میں خالد بن ولید کو کمانڈر مقرر کیا گیا تھا اورس سریہ میں عمار یاسر بھی موجود تھے اور انہوں نے ایک مسلمان کو دئے گئے امان کے سلسلہ میں خالد سے اختلاف رای کا اظہار کیا تھا۔ ۲

یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک تو یہ مرسل ہے اور دوسرے سدی کے بارے میں یحیٰی بن معین اور عقیلی سے نقل ہوا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور جوز جانے اسے کافی جھوٹا بتایا ہے۔ ۳

۳۔ بخاری نے آیہء"اولوالامر" کی تفسیر میں جو حدیث ذکر کی ہے وہ یوں ہے:

"حدثنا صدقة بن الفضل، أخبرنا حج ابن محمّد، عن ابن جریج، عن یعلی بن مسلم، عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: "أطیعوا اللہ وأطیعوا الرّسول وأولی الأمر منکم" قال: نزلت فی

عبداللہ بن حذافۃ ابن قیس بن عدی اذ بعثہ النبی (ص) فی سریۃ۔ ۴

اس حدیث میں سعید بن جبیران نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آیہء ※ أطیعوا اللہ وأطیعوا الرّسول واٗولی الأمر منکم ※ عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب رسول خدا (ص) نے اس سے ایک سریہ کے لئے روانہ کیا۔

چونکہ یہ حدیث فتح الباری میں ابن حجر کے کلام سے اخذ کی گئی ہے اس لئے احتمال ہے کہ یہ روایت سنید بن داؤد مصیصی سے روایت ہوئی ہو جیسا کہ ابن سکن سے منقول ہے نہ کہ صدقہ بن

۱۔ تفسیر طبری، ص ۹۲، دار المعرفۃ

۲۔ تفسیر طبری، ص ۹۲، دار المعرفہ

۳۔ تہذیب التہذیب، ج ا، ص ۲۷۳

۴۔ صحیح بخاری، ج ۳، ص ۳۷۶، کتاب التفسیر، باب قولہ <ا ٔطیعوا اللہ۔۔۔> ح ۱۰۱۰، دار القلم، بیروت

فضل سے جیسا کہ اکثر نے نقل کیا ہے اور موجودہ صحیح بخاری میں بھی اسی کے حوآلے سے آیا ہے اور سنید بن داؤد کو ابی حاتم ونسائی نے ضعیف جانا ہے۔ ۱

اس بنا پر ایک تو یہ بات مسلّم ویقینی نہیں ہے کہ بخاری میں موجود روایت صدقہ بن فضل سے ہوگی، بلکہ ممکن ہے سنید سے ہو جبکہ وہ ضعیف شمار ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ: اس کی سند میں حجاج بن محمد ہے کہ ابن سعد نے اس کے بارے میں کہا ہے:

"کان قد تغیر فی آخر عمرہ"

"یعنی: آخر عمر میں اس کا حافظہ مختل ہو گیا تھا۔"

اور ابن حجر نے کہا ہے: اس نے اسی حالت میں روایت کی ہے۔ ۲

ابوبکر اور عمر بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں

مذکورہ وجوہ کے پیش نظر واضح ہو گیا کہ ابوبکر اور عمر بھی "اولوالامر" کے مصداق نہیں ہیں نیز ان وجوہ کے علاوہ دین وشریعت سے متعلق سوالات کے جوابات میں ان کی لاعلمی ناتوانی اور احکام الٰہی کے خلاف ان کا اظہار نظر بھی اس کا بین ثبوت ہے کہ جو تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کثرت سے درج ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب الغدیر کی جلد ۶ اور ۷ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اہل سنت کی بعض کتابوں میں درج یہ حدیث کہ جس میں ان کی اقتداء کرنے کا اشارہ ہوا ہے: "اِقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر" کئی جہات سے باعث نزاع ہے۔ من جملہ یہ کہ اس کی سند میں عبدالملک بن عمیر ہے کہ تہذیب الکمال ۳ میں احمد بن حنبل

۱۔ فتح الباری، ج ۸، ص ۲۵۳

۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۱۸۱

۳۔ تہذیب الکمال، ج ۱۸، ص ۳۷۳، موسسہ الرسالۃ

سے اس کے بارے میں یوں نقل ہوا ہے: عبدالملک بن عمیر بہت زیادہ مضطرب البیان ہے

اس سے منقول میں نے ۵۰۰ سو روایتیں دیکھی ہیں کہ جن میں اکثر غلط ہیں عبدالملک بن عمیر مضطرب الحدیث جداً۔۔۔ ماأری لہ خمسائۃ حدیث، وقد غلط فی کثیر منہا" اور احمد بن خلیل نے بھی اس کے ضعیف ہونے کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔اور ابو حاتم سے نقل کیا ہے:)عبدالملک) لیس بحافظ۔۔۔تغیر حفظہ قبل موتہ" عبدالملک کا حافظ درست نہیں ہے اور موت سے پہلے اس کا حافظ کھو گیا تھا۔

اور ترمذی ۱ کی سند میں سالم بن علاء مرادی ہے کہ ابن معین اور نسائی نے اسے ضعیف جانا ہے۔ ۲اس کے علاوہ ترمذی کی سند میں سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی ہے کہ ابن حجر نے صالح بن محمد سے نقل کیا ہے:" إنّہ کان یغلط" یعنی:" وہ مسلسل غلطی کرتا تھا۔ ۳'

اس کے علاوہ اگر اس قسم کی احادیث ثابت ہوتیں تو ابو بکر اور عمر سقیفہ میں ان سے استدلال کرتے اور خلافت کے لئے اپنی صلاحیت ثابت کرتے جبکہ اس قسم کی کوئی چیز قطعی طور پر نقل نہیں ہوئی ہے اور یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ مذکورہ حدیث صادر نہیں ہوئی ہے اور جعلی ہے۔

اولیاء شرعی (باپ) بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں:

باپ، دادا وغیرہ کہ جو ولایت شرعی رکھتے ہیں وہ بھی بہ طور مطلق "اولوالامر" نہیں ہیں۔گزشتہ موارد میں ذکر شدہ مطالب سے بھی یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔

۱۔سنن ترمذی، ج ۵،ص ۵۷۰، ح ۳۶۶۳

۲۔میزان الاعتدال، ج ۲،ص ۱۱۲، دارالفکر

۳۔تہذیب التہذیب، ج ۴،ص ۸۶

”اولوالامر“ اور حدیث منزلت، حدیث اطاعت اور حدیث ثقلین

حدیث منزلت:

حاکم حسکانی ا نے ”شواہد التنزیل ۲ “ میں آیہء اولوالامر کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے اور اپنی سند سے مجاہد سے روایت کی ہے:

”...وأُلی الأمر منکم“ قال:نزلت فی أمیر المؤمنین حین خلّفه رسول الله بالمدینة، فقال:أتخلفنی علی النساء والصبیان؟ فقال: أما ترضی أن تکون منّی بمنزلة هارون من موسی،حین قال له ”أخلفنی فی قومی وأصلح“فقال الله: ”...وأُولی الأمر منکم...“ فقال: هو علی بن ابی طالب، ولاّه الله الامر بعد محمد فی حیاته حین خلّفه رسول الله بالمدینة،فأمر الله العباد بطاعته وترك خلافه“

”(آیہء شریفہ کے بارے میں)

<...وأولی الأمر منکم...>

مجاہد نے یوں کہا ہے: آیہء شریفہ امیرالمؤمنین علی (علیہ السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب رسول خدا (ص) نے انھیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔اس وقت علی (علیہ

السلام) نے کہا: کیا مجھے عورتوں اور بچوں پر جانشین قرار دے رہے ہیں؟ پیغمبر (ص) نے فرمایا: کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ تمھاری نسبت میرے

۱۔حاکم حسکانی اہل سنّت کے بڑے محدثین میں سے ہے۔ذہبی اس کے بارے میں کہتا ہے:

الحسکانی القاضی المحدث ابوالقاسم عبیدالله بن عبدالله ... محمد بن حساکان القرشی العامری اللنیسا بوری الحنفی الحاکم، و یعرف با بن الحذاء ، شیخ متقن ذو عنایة تامة بعلم الحدیث، حسکانی،قاضی محدث ابوالقاسم عبیدالله بن عبدالله؟؟؟ محمد بن حسکانی قر شی عامری نیشابوری حنفی مذهب وحاکم ،ابن خداء کے نام سے معروف هے۔ وہ علم حدیث کے بارے میں قوی اور متقن استاد)شیخ)هے۔

۲۔شواہد التنزیل، ج ۲،ص ۱۹۰،مؤسسہ الطبع والنشر

ساتھ وہی ہے جو ہارون کی نسبت موسیٰ (علیہ السلام) سے تھی جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: اُخلفنی فی قومی: ”میری قوم میں میرے جانشین ہواوراصلاح کرو“)اس آیہء شریفہ میں)خدا وند متعال نے فرمایا ہے: وأولی الأمر منکم: ”اولوالامر“) کامصداق) علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں کہ خداوند متعال نے انھیں پیغمبر (ص) کی حیات میں اپ کے بعدامت کے لئے سرپرست قرار دیا ہے، جب انھیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔لہذا خداوند متعال نے اپنے بندوں کوان کی اطاعت کرنے اوران کی مخالفت ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث میں، اس مجاہد نامی تابعی دانشور اور مفسر نے آیہء شریفہ "اولی الامر" کی شان نزول کے لئے وہ وقت جانا ہے کہ جب پیغمبر اکرم (ص) نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین قرار دیا تھا۔

اس حدیث میں ہارون کی وہ تمام منزلتین جو وہ موسیٰ کے حوالے سے رکھتے تھے، علی علیہ السلام کے لئے رسول خدا (ص) کے حوالے سے قرار دی گئی ہیں۔ من جملہ ان میں سے ایک موسیٰ (علیہ السلام) کی نسبت سے ہارون کی جانشینی ہے۔ یہ جانشینی، جس کا لازمہ پوری امت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت کا واجب ہونا ہے، علی علیہ السلام کے لئے معین کی گئی ہے۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اس ان نزول سے قطع نظر، حدیث منزلت فریقین) شیعہ وسنی) کے درمیان ثابت اور مسلّم احادیث میں سے ہے، اس طرح کہ حدیث منزلت کو بیان کرنے کے بعد مذکورہ شان نزول کے سلسلہ میں حاکم حسکانی کا کہنا ہے:

"وهذا هو حديث المنزلة الّذی كان شيخاً ابو حازم الحافظ يقول: خرجته بخمسة آلاف إسناد"

یہ وہی حدیث منزلت ہے کہ ہمارے شیخ) ہمارے استاد) ابو حازم حافظ) اس کے بارے میں) کہتے ہیں: میں نے اس) حدیث) کو پانچ ہزار اسناد سے استخراج کیا ہے۔"

لہذا، اس حدیث کے معتبر ہونے کے سلسلے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔ ابن عساکر جیسے بڑے محدثین نے اپنی کتابوں میں اسے اصحاب کی ایک بڑی تعداد سے نقل کیا ہے۔ ا

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علی علیہ السلام، پیغمبر اکرم (ص) کے بعد امت میں سب سے افضل اور سب سے اعلم نیز آنحضرت (ص) کی حیات اور آپ کی رحلت کے بعد آپ کے جانشین ہیں۔

حدیث اطاعت:

دوسری دلیل جو"اولوالامر" کو علی علیہ السلام پر منطبق کرنے کی تاکید کرتی ہے، وہ"حدیث اطاعت" ہے۔ یہ حدیث گوناگوں طریقوں سے مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے:
حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب"المستدرک علی الصحیحین ۲ میں اسے نقل کیا ہے اور ذہبی نے ذیل صفحہ تلخیص کرتے ہوئے اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے۔
حدیث کا متن یوں ہے:

"قال رسول اللہ- (ص) من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع علیّاً فقد اطاعنی ومن عصی علیاً فقد عصانی"

"پیغمبر خدا (ص) نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرنی (معصیت) کی گویا اس نے خدا کی نافرمانی کی

۱۔شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۱۹۵، مؤسسۃ الطبع والنشر

۲۔المستدرک، ج ۳، ص ۱۲۱، دار المعرفۃ، بیروت

ہے۔اور جس نے علی (علیہ السلام) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جو نے علی (علیہ السلام) سے نافرمانی کرے گا اس نے مجھ سے نافرمانی کی ہے۔

اس حدیث میں پیغمبر اسلام (ص) نے علی علیہ السلام کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے متلازم قرار دیا ہے اور اپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت سے متلازم جانا ہے۔اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی سے تعبیر کیا ہے اور اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قرار دیا ہے۔

یہ حدیث واضح طور پر علی علیہ السلام کے لئے پیغمبر (ص) کے مانند واجب الاطاعت ہونے کی دلیل ہے۔اس کا مضمون آیہء شریفہ "اولوالامر" کے مضمون کی طرح ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اولوالامر کی اطاعت گویا رسول (ص) کی اطاعت ہے۔حقیقت میں یہ حدیث آیہء شریفہء اولی الامر کے حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام پر انطباق کے لئے مفسر ہے۔

اسی طرح یہ حدیث حضرت علی علیہ السلام کی عصمت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اطاعت حکم اور امر پر متفرع ہے کیونکہ جب تک کوئی حکم و امر نہیں ہوگا اطاعت موضوع و معنی نہیں رکھتی ہے اور حکم وامر ارادہ پر موقوف ہے،اور ارادہ شوق نیز درک مصلحت در فعل کا معلول ہے۔جب حدیث کے تقاضے کے مطابق علی علیہ السلام کی اطاعت پیغمبر (ص) کی اطاعت کے ملازم ، بلکہ اس کا ایک حصہ ہے،تو اس کا امر بھی پیغمبر (ص) کا امر اور اس کا ارادہ بھی آنحضرت (ص) کا ارادہ اور اس کا درک مصلحت بھی عین درک مصلحت پیغمبر اکرم (ص)

ہوگا اور یہ حضرت علی علیہ السلام کی عصمت کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔

حدیث ثقلین

ایک اور دلیل جو آیہ شریفہ "اولوالامر" کو پیغمبر اسلام (ص) کے اہل بیت علیہم السلام (ائمہء معصوم) پر انطباق کی تاکید کرتی ہے، وہ حدیث ثقلین ہے۔ یہ حدیث شیعہ وسنی کے نزدیک مسلّم اور قطعی ہے اور بہت سے طریقوں اور اسناد سے احادیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اگر چہ یہ حدیث متعدد مواقع پر مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے، لیکن اس میں دو جملے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ دو جملے حسب ذیل ہیں:

"إنی تارك فیکم الثقلین : کتاب الله وعترتی اهل بیتی ما إن تمسکتم بهما لن تضلّوا ابداً۔ وإنّهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض ۱

"میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت کہ جو اہل بیت (علیہم السلام) ہیں اگر تم انھیں اختیار کئے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے۔"

ابن حجر نے اپنی کتاب "الصواق المحرقة ۲ میں اس حدیث کے بارے میں کہا ہے:

"ثقلین سے تمسک کرنے کی حدیث کے بارے میں بہت سے طریقے ہیں۔ یہ حدیث بیس سے زیادہ اصحاب سے نقل ہوئی ہے۔

ان طریقوں میں سے بعض میں آیا ہے کہ آنحضرت (ص) نے اسے اس وقت مدینہ میں

ارشاد فرمایا کہ جب آپ بستر علالت پر تھے اور اصحاب آپ کے حجرۂ مبارک میں اپ کے گرد جمع تھے۔ بعض دوسرے طریقوں سے نقل ہوا ہے کہ آنحضرت (ص) نے اسے غدیر خم میں بیان فرمایا ہے۔ بعض دوسرے منابع میں ایا ہے کہ آنحضرت (ص) نے اسے طائف سے واپسی کے موقع پر فرمایا ہے۔ ان سب روایتوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے قرآن وعترت کی اہمیت کے پیش نظر ان تمام مواقع اور ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہوگا۔

۱۔صحیح ترمذی، ج۵، ص۶۲۱۔۶۲۲دارالفکر۔ مسنداحمد، ج۳، ص۱۷و۵۹و ج۵، ص۱۸۱و۸۹ ادارصادر، بیروت۔مستدرك حاکم ج۳،ص۱۰۹۔۱۱۰،دارالمعرفة،بیروت۔حضائص النسائی ، ص۹۳، مکتبةنینویٰ۔

اس کے علاوہ اس اسلسلہ میں دوسرے بہت سے منابع کے لئے کتاب اللہ واھل البیت فی حدیث ثقلین" کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

۲۔الصواعق المحرقة،ص ۱۵۰،مکتبة القاہرة

شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم، علامہ بحرانی نے اپنی کتاب "غایة المرام" میں حدیث ثقلین کو اہل سنت کے ۳۹ طریقوں سے اور شیعوں کے ۸۲ طریقوں سے نقل کیا ہے۔

اس حدیث شریف میں پہلے، امت کو گمراہی سے بچنے کے لئے دو چیزوں) قرآن مجید اور پیغمبر (ص) کے اہل بیت علیہم السلام) سے تمسک اور پیروی کرنے کی تاکید کی گئی ہے، جو اس بات پر دلالت ہے کہ اگر ان دونوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی پیروی نہیں کی گئی تو ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہونا یقینی ہے اور یہ کہ پیغمبر اسلام (ص) کے اہل بیت) علیہم السلام)اور قرآن مجید ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں اور ہرگز ایک دوسرے سے جد نہیں ہوں گے۔ یہ دو جملے واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ، اہل بیت علیہم السلام، جن میں سرفہرست حضرت علی علیہ السلام ہیں، لوگوں کو چاہیئے وہ قرآن مجید کے مانند ان سے متمسک رہیں اور ان کے اوامر کی اطاعت کریں۔ اور یہ کہ وہ قرآن مجید سے کبھی جدا نہیں ہوں گے ، واضح طور پر ان کی عصمت کی دلیل ہے، کیونکہ اگر وہ گناہ وخطا کے مرتکب ہوتے ہیں تو وہ قرآن مجید سے جدا ہوجائیں گے، جبکہ حدیث ثقلین کے مطابق وہ کبھی قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے۔

شیعہ وسنی منابع میں اولوالامر سے متعلق حدیثیں

آیہء شریفہ"اولوالامر" کے علی علیہ السلام اور آپ (ع) کے گیارہ معصوم فرزندوں)شیعوں کے بارہ اماموں) پر انطباق کی دلائل میں سے ایک اور دلیل، وہ حدیثیں ہیں، جو شیعہ وسنی کی حدیث کی کتابوں میں درج ہوئی ہیں اور اولوالامر کی تفسیر علی) علیہ

۱۔ غایۃ المرام، ج ۲، ص ۳۶۷۔ ۴۰۴

السلام)،اورآپ (ع) کے بعدآپ (ع) کے گیارہ معصوم اماموں کی صورت میں کرتی ہیں۔ہم یہاں پران احادیث میں سے چندنمونے پیش کرتے ہیں:

پہلی حدیث:

ابرھیم بن محمد بن مؤید جوِمنی ۱ کتاب" فرائدالسبطین ۲ "میں اپنے اسناد سے اورشیخ صدوق ابن بابویہ قمی کتاب" کمال الدین ۳ "میں سلیم بن قیس سے روایت کرتے ہیں:

"میں نے خلافت عثمان کے زمانہ میں مسجد النبی (ص) میں دیکھا کہ حضرت علی (علیہ السلام) مسجد میں تشریف فرماتھے اور کچھ لوگ آپس میں گفتگو کرنے میں مشغول تھے۔وہ قریش اوران کے فضائل نیز ان کے سوابق اور جوکچھ پیغمبراکرم (ص) نے قریش کے بارے میں فرمایا ہے، کے بارے میں گفتگو کررہے تھے اوراسی طرح انصار کی فضیلت اوران کے شاندار ماضی اورقرآن مجید میں ان کے بارے میں خداوند متعال کی تعریف و تمجید کاذکرکررہے تھےاور ہرگروہ اپنی اپنی فضیلت گنوارہاتھا۔

اس گفتگو میں دوسوسے زیادہ لوگ شریک تھےان میں حضرت علی (علیہ السلام) سعد بن ابی وقاص،عبدالرحمن بن عوف،طلحہ،زبیر،مقداد،ابوذر،حسن وحسین (علیہما السلام) اورابن عباس-XXX- بھی شامل تھے۔

۱۔ذہبی ،کتاب"المعجم المختص بالمحدثین"ص۶۵،طبع مکتبۃالصدیق سعودی،طائفمیں لکھاہے:"ابراھیم بن محمد۔۔۔الامام الکبیرالمحدث شیخ المشائخ"یعنی:بہت بڑے امام محدث

اور استادالاساتذہ ۶۴۴ئ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۲۲ئ ہجری میں خراسان میں وفات پائی ۔ابن حجر کتاب"الدررالکامنہ"ج ۱ص ۶۷ میں کہتے ہیں:"وسمع بالحلۃ وتبریز۔۔۔۔ولہ رحلۃ واسعۃ وعنی بھذاالشأن وکتب وحصل۔وکان دیناوقوراً ملیح الشکل جید القرائۃ۔۔۔"یعنی: حلہ اور تبریز میں)حدیث کے اساتذہ کے دوسرے شہروں کے بارے میں)سنا ہے۔۔۔علم حدیث کے بارے میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے۔۔۔اور متدین، باوقار، خوبصورت اور اچھی قرائت کے مالک تھے۔

۲۔فرائدالبطین ،ج ۱ص ۲۱۲،مؤسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر ،بیروت اسماعیل باشا کتاب ایضاح المکنون میں کشف الظنون ،ج ۴،ص ۱۸۲،دارالفکر کے ذیل میں کہتا ہے: فرائد السبطین ،فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین لأبی عبداللہ ابراھیم بن سعد الدین محمد بن أبی بکر بن محمد بن حمویہ الجوینی ۔۔۔فرغ منہ ستۃ ۷۱۶ ۳۔کمال الدین،ص ۲۷۴

یہ جلسہ صبح سے ظہر تک جاری رہا اور علی) علیہ السلام) بدستور خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے آپ (ع) کی طرف مخاطب ہوکر آپ سے کچھ فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔

حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا:تم دونوں گروہوں میں سے ہر ایک نے اپنی فضیلت بیان کی اور اپنی گفتگو کا حق ادا کیا۔میں قریش وانصار دونوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں: خداوندمتعال نے یہ فضیلت تمھیں کس کے ذریعہ عطا کی ہے؟ کیا تم لوگ اپنی اور اپنے قبیلے کی خصوصیات کی وجہ سے ان فضیلتوں کے مالک بنے ہو؟ یا کسی دوسرے کی وجہ سے یہ فضیلتیں تمھیں عطا کی گئی ہیں؟

انہوں نے کہا: خداوند متعال نے محمد (ص) اور آپ کے اہل بیت) علیہم السلام) کے طفیل میں ہمیں یہ فضیلتیں عطا کی ہیں۔

حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: صحیح کہا تم لوگوں نے اے گروہ انصار و قریش! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ جو کچھ تم کو خیر دینا و آخرت سے ملا ہے وہ صرف ہم اہل بیت (ع) کی وجہ سے تھا؟ اس کے بعد حضرت علی (علیہ السلام) نے اپنے اور اپنے اہل بیت) علیہم السلام) کے بعض فضائل گنوائے اوران سے تصدیق اور گواہی چاہی انہوں نے گواہی دی، آپ (ع) نے من جملہ فرمایا:

فأنشدکم الله،أتعلمون حیث نزلت<یاأیّھاالذین آمنوا أطیعوالله وأطیعواالرسّول وأُولی الأمر منکم>۱ وحیث نزلت<إنّماولیّکم الله ورسوله والّذین آمنواالذین یقیمون الصلوة ویؤ تون الزکوة وھمرا کعون>۲وحیث نزلت<أم حسبتم أن تترکواولمّا یعلم الله الّذیم جاھدوامنکم ولم یتّخذوا من دون اللهولا رسوله

۱۔نساء/ ۲۵۹۔مائدہ/ ۵۵

ولاالمؤمنین ولیجة>۳قال الناس:یارسول الله،خاصة فی بعض المؤمنین أم عامة لجمیعھم ؟فأمر الله- عزّوجلّ- نبیّه(ص)أن یُعلّمھم ولاةأمرھم وأن یفسّر لھم من الولایة مافسّر لھم من صلاتھم وزکاتھم وحجھم ،فینصبنی للناس بغدیر خم۔ثمّ خطب وقال:أیّھاالنّاس،إنّ الله أرسلنی برسالة ضاق بھا صدری وظننت أن الناس مکذبی۔فاوعدنی لأ

بلّغها أوليعذّبنى۔ثمّ أمرفنودى بالصلاة جامعة۔ثمّ خطب فقال:أيّها الناس،أتعلمون

أنّالله-عزّوجل-مولاى أنامولى المؤمنين،وأنا أولى بهم من أنفسهم؟

قالوا:بلى يارسول الله۔قال:قُم ياعليّ۔فقمت فقال:"من كنت مولاه فهذاعليّ مولاه،اللّهمّ وال من والاه،وعادمن عاداه۔"

فقام سلمان فقال:يارسول الله،ولاء كماذا؟فقال:ولاء كولايتى، منكنت أولى به من نفسه فأنزل الله تعالى ذكره:<اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الإسلام ديناً>٢

فكبّرالنبّى(ص)وقال:الله أكبر!تمام نبوّتى وتمام دين الله عليٌّ بعدى۔فقام أبوبكر و عمر فقالا: يارسول الله،هؤلاء الآيات خاصّةفى عليّ؟قال:بلى،فيه وفى أوصيائى إلى يوم القيامة۔قالا:يارسول الله، بيّنهم لنا۔قال:عليّ أخى ووزيرى ووارثى ووصيّى وخليفتى فى أُمّتى وولّى كل مؤمن بعدى ثمّ ابنى

ا۔توبہ/٢١٦۔مائدہ/٣

الحسن ثمّ الحسين ثمّ تسعة من ولدابنى الحسين واحد بعد واحد،القرآن معهم وهم مع القرآن لايفارقونه ولايفارقهم حتى

يردواعليّ الحوض۔

فقالوا كلّهم:اللّهمّ نعم،قد سمعناذلك وشهدناكماقلت سواء۔ وقال

بعضهم: قد حفظنا جلّ ماقلت ولم نحفظه كلّه، وهؤلاء الّذين حفظوا أخيارنا وأفاضلنا۔

یعنی: میں تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ جب خداوند متعال کا یہ فرمان: ※ یا أیّها الذین آمنوا أطیعوا اللّہ وأطیعوا الرّسول واولی الأمر منکم ※ نازل ہوا اور جب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی: ※ إنّما ولیّکم اللّہ ورسولہ۔۔ ※) یعنی بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں) اسی طرح جب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی: ※ أم حسبتم أن تترکوا۔۔ ※) یعنی: کیا تمہارا خیال ہے کہ تم کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا جب کہ ابھی ان لوگوں نے کہ جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور خدا و رسول نیز مومنین کے علاوہ کسی کو اپنا محرم راز نہیں بنایا ہے مشخص نہیں ہوئے ہیں؟ تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ آیتیں بعض مؤمنین سے مخصوص ہیں یا عام ہیں اور ان میں تمام مؤمنین شامل ہیں؟

خداوند متعال نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا: تا کہ ان) مومنین) کے امور کے سلسلہ میں ان کے سرپرست کا اعلان کردیں اور جس طرح نماز، زکوٰۃ اور حج کی ان کے لئے تفسیر بیان کی ہے، مسئلہ ولایت و سرپرستی کو بھی ان کے لئے واضح کردیں۔) اور خدا نے حکم دیا) تا کہ غدیر خم میں مجھے اپنا جانشین منصوب کریں۔

اس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا:

”اے لوگو! خداوند متعال نے مجھے ایک ایسی رسالت سونپی ہے کہ جس کی وجہ سے میرا سینہ تنگی

محسوس کرر ہا ہے اور میں نے گمان کیا کہ لوگ میری اس رسالت کو جھٹلا دیں گے۔ پھر مجھے خدا نے تہدید دی کہ یا میں اس) رسالت) کو پہنچاؤں یا اگر نہیں پہونچا تا تو وہ مجھے عذاب کرے گا۔"

اس کے بعد پیغمبر اکرم (ص) نے حکم دیا اور لوگ جمع ہو گئے اور آپنے خطبہ پڑھا اور فرمایا: اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ خداوند متعال میرا مولا) میرا صاحب اختیار) ہے اور میں مؤمنین کا مولا ہوں اور مجھے ان کی جانوں پر تصرف کا زیادہ حق ہے ؟ انہوں نے کہا: ہاں، یارسول اللہ۔ فرمایا: اے علی (علیہ السلام) کھڑے ہو جاؤ! میں کھڑا ہوا۔ فرمایا: جس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی (ع) بھی مولا ہیں۔ خداوندا! اس کو دوست رکھ جو علی (ع) کو دوست رکھے اور اس کو اپنا دشمن قرار دے جو علی (ع) سے دشمنی کرے۔

سلمان اٹھے اور کہا: یارسول اللہ! یہ کونسی ولایت ہے؟ پیغمبر (ص) نے فرمایا: یہ ولایت وہی ہے جو میں رکھتا ہوں۔ جس کی جان کے بارے میں، میں اولیٰ ہوں علی (ع) بھی اسی طرح اس کی جان کے بارے میں اولیٰ ہے۔ اس کے بعد خداوند متعال نے یہ آیۂ شریفہ نازل فرمائی:

<الیوم ا ٔ کملت لکم دینکم۔۔۔>

یعنی: "آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔"

اس کے بعد ابوبکر اور عمر اٹھے اور کہا: یارسول اللہ ! کیا یہ آیتیں علی (ع) سے مخصوص ہیں؟ فرمایا: جی ہاں، یہ علی (ع) اور میرے قیامت تک کے دوسرے اوصیاء سے مخصوص ہیں۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ان کو ہمارے لئے بیان کر دیجئے آنحضرت نے فرمایا: میرا بھائی علی، امت کے لئے میرا وزیر، وارث، وصی اور جانشین ہے اور میرے بعد ہر مؤمن کا سرپرست ہے۔ اس کے بعد میرے فرزند حسن و حسین (ع) اس کے بعد یکے بعد دیگرے میرے حسین (ع) کے نو فرزند ہیں۔ قرآن مجید ان کے ساتھ ہے اور وہ قرآن مجید کے ساتھ ہیں۔ وہ قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے اور قرآن مجید ان سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اس کے بعد علی علیہ السلام نے اس مجمع میں موجود ان لوگوں سے، کہ جو میدان غدیر میں موجود تھے اور پیغمبر اکرم (ص) کی ان باتوں کو اپنے کانوں سے سن چکے تھے، کہا کہ اٹھ کر اس کی گواہی دیں۔

زید بن ارقم، براء بن عازب، سلمان، ابوذر اور مقداد اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا: ہم شہادت دیتے ہیں اور پیغمبر (ص) کے بیانات یاد ہیں کہ آنحضرت منبر پر کھڑے تھے اور ان کے ساتھ آپ (ع) بھی ان کی بغل میں کھڑے تھے اور آنحضر تفرمارہے تھے:

"اے لوگو! خداوند متعال نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لئے امام کہ جو میرے بعد تم لوگوں کی رہنمائی اور سرپرستی کرے اور میرا وصی اور جانشین ہو، کو نصب کروں، اس کو نصب کروں جس کی اطاعت کو خداوند متعال نے اپنی کتاب میں واجب قرار دیا ہے نیز اس کی اطاعت کو اپنی اور میری اطاعت کے برابر قرار دیا ہے کہ جس سے) آیہ اولوالامر کی طرف اشارہ

ہے) اے لوگو! خداوند متعال نے تمھیں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا حکم دیا۔ میں نے تمہارے لئے اس کی تشریح ووضاحت کی۔ اور اس نے تمھیں ولایت) کا ایمان رکھنے) کا بھی حکم دیا اور میں، تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ ولایت اس) شخص) سے مربوط ہے) یہ جملہ بیان فرماتے وقت آنحضرت اپنا دست مبارک علی (ع) کے شانہ پر رکھے ہوئے تھے) اور ان کے بعد اس کے دونوں بیٹوں) حسن وحسین (ع)) اور ان کے بعد ان کے فرزندوں میں سے ان کے جانشیوں سے مربوط ہے۔"

حدیث مفصل وطولانی ہے۔ ہم نے اس میں سے فقط اتنے ہی حصہ پر اکتفا کیا کہ جو آیہء شریفہ "اولوالامر" سے مربوط ہے۔ محققین مذکورہ منابع میں مفصل حدیث کا مطلعہ کرسکتے ہیں۔

دوسری حدیث

یہ وہ حدیث ہے جسے مرحوم شیخ صدوق نے "کمال الدین ا' میں جابر بن یزید جعفی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے:

"میں نے سنا کہ جابر بن عبداللہ انصاری کہتے تھے: جب خدا وند متعال نے اپنے پیغمبر (ص) پر یہ آیہء شریفہ:

<یاایّھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم>

نازل فرمائی، تو میں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے خدا اور اس کے رسولتو کو پہچان لیا۔ اب وہ

اولوالامر کہ جن کی اطاعت کو خداوندمتعال نے آپ کی اطاعت سے مربوط قرار دیا ہے، وہ کون ہیں؟

آنحضرت (ص) نے فرمایا: "اے جابر! وہ میرے جانشین ہیں اور میرے بعد مسلمانوں کے امام ہیں۔ ان میں سب سے پہلے علی بن ابیطالب، پھر حسن وحسین، پھر علی بن حسین، پھر محمد بن علی، جو توریت میں باقر کے نام سے معروف

۱۔کمال الدین، ص ۲۵۳

ہیں اور اے جابر! تم جلدی ہی اس سے ملاقات کروگے لہذا جب انھیں دیکھنا تو انھیں میرا سلام پہنچانا۔ پھر صادق جعفر بن محمد، پھر موسیٰ بن جعفر، پھر علی بن موسیٰ، پھر محمد بن علی، پھر علی بن محمد، پھر حسن بن علی، پھر میرا ہم نام اور ہم کنیت) جو) زمین پر خدا کی حجت اور خدا کی طرف سے اس کے بندوں کے درمیان باقی رہنے والا حسن بن علی)عسکری) کا فر زند ہے، جس کے ذریعہ خداوندمتعال مشرق ومغرب کی زمین کو فتح کرے گا۔ وہ شیعوں اور ان کے چاہنے والوں کی نظروں سے غائب ہوگا۔ وہ ایسی غیبت ہوگی کہ ان کی امامت پر خدا کی طرف سے ایمان کے سلسلہ میں آزمائے گئے دلوں کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہیں رہے گا"

تیسری حدیث:

یہ حدیث اصول کافی ا میں برید عجلی سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے ہیں:

"امام باقر (علیہ السلام) نے فرمایا: خداوند متعال نے) آیہء شریفہ (

<یا ائیّھا الذین آمنوا اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الأمر منکم>

کے بارے میں صرف ہمارا قصد کیا ہے۔ تمام مؤمنین کو قیامت تک ہماری) ائمہ معصومین (

اطاعت کرنے کا کا حکم دیا ہے۔"

اس کے علاوہ شیعہ وسنی منابع میں اور بھی احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں "اولوالامر" سے مراد ائمہء معصومین کو لیا گیا ہے۔ اہل تحقیق، "فرائد السمطین" اور "ینابیع المودۃ" جیسی سنی کتابوں اور "اصول کافی"، "غایۃ المرام" اور "منتخب الاثر" جیسی شیعوں کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

ا۔اصول کافی، ج ا، ص ۲۱۷

چوتھا باب:

امامت آیہء ولایت کی روشنی میں

إنّماولیکم اللہ ورسولہ والّذین آمنوا الّذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤ تون الزکوٰۃ وھم را کعون> (مائدہ/۵۵)

”بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں“۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بلافصل ولایت کے سلسلہ میں شیعہ امامیہ کی ایک اور دلیل آیہء شریفہ ولایت ہے۔ آیہء شریفہ کے استدلال کی تکمیل کے سلسلہ میں پہلے چند موضوعات کا ثابت کرنا ضروری ہے:

۱۔ آیہئ شریفہ میں ”إنما“ حصر کے لئے ہے۔

۲۔ آیہئ شریفہ میں لفظ ”ولی“ حص کے معنی اولی بالتصرف اور صاحب اختیار نیز سرپرست ہونے کے ہے۔

۳۔ آیت میں ”را کعون“ سے مراد نماز میں رکوع ہے، نہ کہ خضوع و خشوع۔

۴۔ اس آیہء شریفہ کے شان نزول میں، کہ جو امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ہے، ذکر ہوا ہے کہ حضرت (ع) نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دی، (یعنی اپنے مال کو خدا کی راہ میں انفاق کیا ہو) ثابت ہو۔

اس باب میں ہم ان موضوعات کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور آخر پر اس آیہء شریفہ سے مربوط چند سوالات کا جواب دیں گے۔

لفظ"إنما"کی حصر پر دلالت

علمائے لغت وادبیات نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ لفظ"إنما"حصر پر دلالت کرتا ہے۔یعنی عربی لغت میں یہ لفظ حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

ابن منظور نے کہا ہے:اگر"إنّ"پر"ما"کا اضافہ ہو جائے تو تعیین وتشخیص پر دلالت کرتا ہے۔جیسے خداوند متعال کا قول ہے:إنّما الصدقات للفقراء والمساکین۔۔۔۱ چونکہ اس کی دلالت اس پر ہے کہ حکم مذکور کو ثابت کرتا ہے اور اس کے غیر کی نفی کرتا ہے۔۲

جوہری نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے۔۳

فیروزآبادی نے کہا ہے:"أنّما"،"إنّما"کے مانند مفید حصر ہے۔

اور یہ دونوں لفظ آیہء شریفہ

:<قل إنّما یوحی إلیّ انّما إلٰهکم إله واحد>۴

میں جمع ہوئے ہیں۔۵

ابن ہشام نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔٦

اس لئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ"إنّما"کو حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو اس قرینہ کی وجہ سے غیر حصر کے لئے استفادہ کیا

جا سکتا ہے، لیکن اس صورت میں "اِنّما" کا استعمال مجازی ہوگا۔

"ولیّ" کے معنی کے بارے میں تحقیق

"ولّی" ولایت سے مشتق ہے۔ اگر چہ یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس کے موارد استعمال کی جستجو و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی معنی سرپرستی، اولویت

۱۔توبہ/ ٦٠

۲۔لسان العرب، ج۱، ص ۲۴۵

۳۔صحاح اللغۃ، ج ۵، ص ۲۰۷۳

۴۔انبیاء/ ۱۰۸۔۵ القاموس المحیط، ج ۴، ص ۱۹۸، دارالمعرفۃ، بیروت۔

٦۔مغنی اللبیب، ج۱، ص ۸۸، دارالکتب العلمیۃ بیروت

اور صاحب اختیار ہونے کے ہے۔

ابن منظور کا "لسان العرب" میں کہنا ہے

"الولیّ ولیّ الیتیم الّذی یلی اٴمرہ ویقوم بکفایتہ،وولیّ المرئۃالّذی یلی عقدالنکاح علیھا۔وفی الحدیث:اٴیّماامرئۃ نکحت بغیرإذن مولیھا فنکاحھاباطل۔وفی روایۃ:"ولیّھا"اٴی متولّی اٴمرھا"۱

یتیم کا ولی وہ ہے جو یتیم کے امور اور اس کی کفالت کا ذمہ دار ہے اور اس کے امور کی نگران کرتا ہے۔عورت کا ولی وہ ہے کہ جس کے اوپر اس کے عقد و نکاح کی ذمہ داری ہو۔

حدیث میں آیا ہے: جو بھی عورت اپنے مولا) سرپرست) کی اجازت کے بغیر شادی کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ایک روایت میں لفظ" ولیھا'' کے بجائے لفظ" مولیھا" آیا ہے کہ جس کے معنی سرپرست اور صاحب اختیار کے ہیں۔

فیومی "المصباح المنیر "میں کہتا ہے:

"الولیّ فعیل به معنی فاعل من ولیه إذقام به۔ومنه<الله ولیّ الّذین آمنوا>،والجمع أولیاء،قال ابن فارس:وکلّ من ولی أمراحد فهوولیّه۔وقد یطلق الولیّ أیضاًعلی المعتق والعتیق،وابن العم والناصر...والصدّیق...ویکون الولیّ بمعنی مفعول فی حق المطیع،فیقال:المؤمن ولیّ الله"۔٢

"فعیل)کے وزن پر)ولی فاعل کے معنی میں ہے۔ ٣) کہا جاتا ہے): ولیہ یہ اس

١۔لسان العرب، ج١۵،ص ١٠۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت

٢۔المصباح المنیر ، ج ٢،ص ٣٥٠،طبع مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر

٣۔"فعیل"صفت مشبہ ہے۔کبھی فاعل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے "شریف" اور کبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے۔فیومی نے اپنے بیان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیہء شریفہ میں "فعیل" فاعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔چنانچہ مؤمن کو کہا جاتا ہے" ولی خدا" یعنی جس کے امور کی تدبیر خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسے اپنے الطاف سے نوازتا ہے۔

صورت میں ہے جب کسی کے امور کے لئے عملاً قیام کرے اس کے کام کو اپنے ذمہ لے لے۔

آیہء شریفہ: <اللہ ولیّ الذین آمنوا>

میں ولایت اسی کی ہے۔یعنی خداوندمتعال مؤمنین کے امور کے حوالے سے صاحب اختیار اور اولی بالتصرف ہے۔ابن فارس نے کہا ہے: جو بھی کسی کے امور کا ذمہ دار ہوگا وہ اس کا "ولی" ہوگا۔اور بعض اوقات "ولی") دوسرے معانی میں جیسے) غلام کو آزاد کرنے والا، آزاد شدہ غلام، چچازاد بھائی، یاور اور دوست کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

ان بزرگ ماہرین لغت کے بیان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ یاور اور دوست جیسے مفاہیم ولی کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ کبھی کبھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس قسم کا استعمال مجازی ہے۔

"ولی" کے معنی میں یہ جملہ معمولاً لغت ا کی کتابوں میں بہ کثرت نظر آتا ہے وہ نا قابل اعتناء ہے "من ولی أمر أحد فھو ولیہ" یعنی: "جو کسی کے کام کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لے وہ اس کا ولی ہے"

ان معانی کے پیش نظر، ایسا لگتا ہے کہ لفظ "ولی" کا حقیقی اور معروف ومشہور معنی وہی صاحب اختیار و سرپرست ہونا ہے۔قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال پر جستجو و تحقیق بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہے۔

ہم لفظ "ولی" کے قرآن مجید میں استعمال ہونے کے بعض موارد کا ذکر کر کے بعض

۱۔لسان العرب،ج۱۵،ص۴۱۰،المصباح المنیر ،ج۲،ص۳۵۰طبع مصطفٰی البابی الحلبی بمصر،النہایۃ ج۵،ص۲۲۸المکتبۃ العلمیۃ،بیروت،منتہی الارب ،ج۴،ص۱۳۳۹،انتشارات کتابخانہ سنائی،مجمع البحرین،ج۲ص۵۵۴،دفتر نشر فرھنگ اسلامی،الصحاح،ص۲۵۲۹،دارالعلم للملابین، المفردات،ص۵۳۵، دفتر نشر کتا بمعجم مقاییس اللغۃ،ج۶،ص۱۴۱۔

دوسرے موارد کی طرف اشارہ کرتے ہیں ا:

چند بنیادی نکات کی یاددہانی

یہاں پر چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

پہلا نکتہ:عام طور پر لغت کی کتابوں میں ایک لفظ کے لئے بہت سے موارد استعمال اور مختلف معانی ذکر کئے جاتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لفظ ہر معانی کے لئے الگ الگ وضع کیا گیا ہےاور وہ لفظ مشترک ہےاوران معانی میں سے ہرایک،اس کا حقیقی معنی ہے لفظی اشتراک)یعنی ایک لفظ کےکئی معانی ہوں اور ہر معنی حقیقی ہو)اصول کےخلاف ہے۔اورعلم لغت اورادبیات کے ماہرین نے جس کی وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ اصل عدم اشتراک ہے۔

ا۔قرآن مجید میں لفظ" ولی" کے استعمال کے مواقع:

الف۔<ا ٔللہ ولی الذّین آمنوا یخرجھم من الظلمات إلی النور>بقرہ/۲۵۷)"
اللہ صاحبان ایمان کا ولی ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔"

ب۔<إنّ ولی اللہ الذّی نزل الکتاب و ھو یتولّی الصالحین>)اعراف/۱۹۶)"
بیشک میرا مالک ومختار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کا ولی ووارث ہے۔"

ج۔ام إتّخذوا من دونہ ا ٔولیاء فاللہ ھو الولی وھو یحیی الموتی)شوریٰ/۹)"
کیاان لوگوں نے اس کے علاوہ کواپنا سرپرست بنایا ہے جب کہ وہی سب کا سرپرست ہے اور وہی مردوں کوزندہ کرتا ہے۔"

د۔<قل ا ٔغیراللہ ا ٔتخذوا ولیاً فاطر السموات والارض وھو یطعم ولا یطعم...>)انعام/۱۴)"
آپ کہئے کہ کیا میں خدا کے علاوہ کسی اور کواپنا ولی بنالوں جب کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا وہی ہے، وہی سب کوکھلاتا ہے اس کوکوئی نہیں کھلاتا ہے۔"

ہ۔<وانت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین>)اعراف/۱۵۵)"
توہماراولی ہے، ہمیں معاف کردے اور ہم پررحم کرکہ توبڑا بخشنے والا ہے۔"

و۔<فإن کان الذی علیہ الحق سفیھاًاو ضعیفاًاولا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل>)بقرہ/۲۸۲)"
اب اگرحق اس کے خلاف ہواوروہ نادان یا کمزور ہواوراس کو لکھنے کی صلاحیت نہ ہوتو اس

کے ولی کو چاہئیے کہ عدل وانصاف کے ساتھ اسے لکھے۔

ز۔ <ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً>)اسراء/۳۳)"

جو مظلوم قتل ہوتا ہے ہم اس کے ولی کو بدلہ کا اختیار دیتے ہیں۔

دوسر ی آیات: یوسف/۱۰۱، هود/۱۱۳، شوریٰ/۴۶،فصلت/۳۱، نحل/۶۳، بقرہ/۱۰۷و۱۲۰ توبہ/۷۴و ۱۱۶، عنکبوت/۲۲،شوریٰ/۸و۳۱،نساء/۴۵، ۷۵، ۸۹، ۱۲۳و ۱۷۳، احزاب/ ۱۷و ۶۵، فتح / ۲۲) مذکورہ ۱۵ آیات میں ولی اور نصیر ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں نساء/۱۱۹، مریم/ ۵، سباء/ ۴۱، نمل ۴۹، نساء/ ۱۳۹، یونس/ ۶۲، اسراء/ ۹۷، الزمر/ ۳، شوریٰ/ ۶، ممتحنہ/ ۱، آل عمران/ ۱۷۵، انفال/ ۴۰، محمد/ ۱۱ بقرہ/ ۲۸۶، توبہ/ ۵۱، حج / ۷۸۔

کتاب "مغنی اللبیب" کے مصنف، جمال الدین ابن ہشام مصری، جو اہل سنت میں علم نحو کے بڑے عالم مانے جاتے ہیں جب آیۂ شریفہ

<إنّ اللّٰه وملائکته یصلّون علی النّبی۱>میں قرائت رفع)ملائکتُه) کی بنیاد پر بعض علمائے نحو جو" إنّ" کی خبر)یصلّی ہے) کو محذوف اور مقدر جانتے ہیں، نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"واماّقول الجماعة فبعید من جهات:إحداها اقتضاؤه للإشترا والاٴصل عدمه لما فیه من الإلباس حتیّ إنّ قوماً نفوه۔ ثمّ المثبتون له یقولون:متی عارضه غیره ممّا یخالف الاٴصل کالمجاز قدّم علیه۲"

"ان کی بات کئی جہتوں سے حقیقت سے بعید ہے۔اول اس لحاظ سے کہ ان کے بیان کا

لازمہ یہ ہے کہ صلاۃ کو مشترک لفظی تسلیم کریں جبکہ اشتراک خلاف اصل ہے یہاں تک کہ بعض نے اسے بنیادی طور پر مسترد کیا ہے اور جنھوں نے اسے ثابت جانا ہے انھوں نے اسے مجاز اور اشتراک کی صورت میں مجاز کو اشتراک پر مقدم جانا ہے۔"

فیروز آبادی، صاحب قاموس نے بھی صلوٰت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے کہ جس میں آیہء شریفہ ※اِنّ اللہ وملائکتہ یصلّون علی النبیّ۔۔※ کے بارے میں تحقیق کی ہے اور مذکورہ بیان کو ابن ہشام سے نقل کیا ہے۔ ۳

اس بناء پر، ولایت کے مفہوم میں)جو کئی معانی ذکر ہوئے ہیں(سے جو معنی قدر متیقّن اور یقینی ہیں وہ سرپرستی اور صاحب اختیار ہونے کے ہیں، اور دوسرے معانی جیسے، دوستی اور یاری اس کے حقیقی معنی کے حدود سے خارج ہیں اور ان کے بارے میں اشتراک لفظی کا سوال ہی پیدا

۱۔احزاب/۵۶

۲۔مغنی اللبیب، ج ۲، باب پنجم، ص ۳۶۵

۳۔الصلوۃ والبشر فی الصلوۃ علی خیر البشر، ص ۳۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

نہیں ہوتا۔

لہذا اگر مادۂ "ولی" قرینہ کے بغیر استعمال ہو تو وہ سرپرستی اور صاحب اختیار ہونے کے معنی میں ہوگا۔

دوسرا نکتہ بعض اہل لغت نے مادہ "ولی" کو ایک اصل پر مبنی جانا ہے اور مفہوم کا اصلی

ریشہ) جڑ) کو" قرب" قرار دیا ہے۔اور بعض مفسرین نے کلمہ" ولی" کواسی بنیاد پر ذکر کیا ہے،

اس سلسلہ میں چند مطالب کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

سب سے پہلے اس بات کوملحوظ رکھنا چاہئے کہ لغوی معنی کے اس طرح کی تحلیل اوراس کا تجزیہ ایک حدس وگمان اورخوامخواہ کے اجتہاد کے سواء کچھ نہیں ہے اوراس پرکوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ چیز جو معنی کے سمجھنے اوراس لفظ سے تبادر کے لئے معیار ہے وہ اس کے استعمال کا زمانہ ہے۔بیشک بہت سے مواقع پر" ولی" کے معنی سے قرب کا مفہوم ذہن میں پیدانہیں ہوتا ہے۔بعض مواقع پرکہ جہاں قرینہ موجود ہوجیسے"المطر الولی")وہ بارش جوپہلی بارش کے بعد یااس کے بہت قریب واقع ہوئی ہو) میں اس قسم کے استعمال کوقبول کیا جاسکتا ہے۔

اس بناپراگرفرض بھی کر لیاجائے کہ" قرب"اس معنی کی اصلی بنیادتھی اورآغاز میں لفظ" ولی" کامفہوم" قرب" کے معنی میں استعمال ہوتا تھا،لیکن موجودہ استعمال میں وہ معنی متروک ہو چکاہےاوراب اس کااستعمال نہیں ہے۔

تیسرا بعض اہل لغت جیسے ابن اثیرنے"النہایۃ ۱" میں اورابن منظورنے"لسان العرب ۲"میں"ولی" کے معنی بیان کرتے ہوئے کہاہے کہ"ولی" خدا کے

۱۔النہایۃ،ج۵،ص۲۲۸

۲۔لسان العرب،ج۱۵،ص۱۰۶

ناموں میں سے ایک نام ہے اوریہ ناصر کے معنی میں ہے اورکہا گیاہے کہ اس کے معنی

امور جہان کے متولی و منتظم کے ہیں۔

اس بیان سے استفادہ ہوتا ہے کہ "ولی" جو خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے، ان کے نزدیک ناصر کے معنی میں ہے، جبکہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر "ولی" کے معنی ناصر کے ہوں گے) چونکہ "ولی" کا ایک مادہ اور ایک ہیئت ہے، اور اس کا مادہ "ولی" "ول ی" و ہیئت فعیل ہے) تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ مادہ "ولی" نصر کے معنی میں اور اس کی ہیئت) ہیئت فعیل) فاعل کے معنی میں ہے۔

ایک بات یہ کہ یہ دونوں نظریہ، بغیر دلیل کے ہیں اور دوسرے یہ کہ: فعیل صفت مشبہ ہے جس کی دلالت ثبوت پر ہے جبکہ فاعل حدوث پر دلالت کرتا ہے اور یہ دونوں مفہوم کے اعتبار سے ایک دوسرے کے متغائیرہ ہیں۔

اس لئے "ولی" اسم الہی، اسی صاحب اختیار اور کائنات کے امور میں متولی کے معنی میں ہے کہ جس کو دونوں اھل لغت نے اپنے مختار نظریہ کے بعد "قیل" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

چوتھا نکتہ: قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں "ولی"، "نصیر" کے مقابلہ میں آیا ہے، جیسے ※ و مالکم من دون اللہ من ولیّ ولا نصیراً ا تمہارے لئے اس کے علاوہ نہ کوئی سر پرست ہے اور نہ مدد گار"

اگر "نصیر"، "ولی" کے معنی میں ہوتا تو اس کے مقابلہ میں قرار نہیں دیا جاتا اور ان دونوں لفظوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ میں واقع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ا۔بقرہ/۱۰۷

پانچواں نکتہ:بعض افراد نے قرآن مجید کی بہت سی آیات کے بارے میں یہ تصور کیا ہے کہ ولی اورولایت نصرت اورمدد کے معنی میں استعمال ہوا ہے،جیسے:※ مالکم من ولا یتھم من شيء اجب کہ ولایت سے مراد"نصرت کی ولایت"ہوسکتا ہے نہ یہ کہ ولایت"نصرت"کے معنی میں ہے،کیونکہ نصرت ومددولایت وسرپرستی کی علامتوں میں سے ایک

علامت ہے اس لحاظ سے ولایت کا معنی سرپرستی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اوراس سے نصرت ویاری میں سرپرستی مراد ہے۔

"ولی"کے معنی کے سلسلہ میں جوکچھ بیان کیا گیا،اس کے پیش نظر،آیہء کریمہ میں صرف سرپرست اورصاحب اختیار ہی والا معنی مراد ہے۔

اس کے علاوہ آیہء شریفہ میں قطعی ایسے قرینہ موجودہیں کہ جس سے مراد "دوست"اور"یاور"نہیں ہوسکتے ہیں۔اس کی مزید وضاحت سوالات کے جواب میں ائے گی۔

رکوع کے معنی

لغت میں"رکوع"کے معنی جھکنااورخم ہونا ہے۔اسی لئے نماز میں جھکنے کو"رکوع" کہتے ہیں۔۲

زبیدی"تاج العروس ۳"میں کہتا ہے:

"اگررکوع کوتنگدستی اورمفلسی کے لئے استعمال کیاجائے اور ایسے شخص کوجوامیری کے

بعد فقیری اور تنگدستی میں مبتلا ہو جائے اور زوال سے دوچار ہو تو اسے "رکع

ا۔انفال/ ۲۷

۲۔الصاح جوہری، ج ۳،ص ۱۲۲۲، دارالعلم للملابین، القاموس المحیط، فیروزآبادی، ج ۳، ص ۳۱، دارالمعرفہ، بیروت، المنیر، فیومی،ص ۲۵۴، ط مصر، جمھر ۃ اللغۃ، ابن درید، ج ۲، ص ۷۷۰ کتاب العین، خلیل بن احمد فراہیدی، ج ا،ص ۲۰۰

۳۔تاج العروس، ج ۲۱،ص ۱۲۲، دارالہدایۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

الرجل" کہتے ہیں اور یہ استعمال مجازی ہے۔"

اس لئے رکوع کا حقیقی معنی وہی جھکنا اور خم ہونا ہے اور اگر اسے دوسرے کسی معنی، جیسے زوال اور خضوع میں استعمال کیا جائے تو یہ اس کے مجازی معنی ہیں اور اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے۔

آیہء ولایت کی شان نزول

شیعہ اور اہل سنّت تفسیروں کے منابع میں موجود بہت سی احادیث کے مطابق یہ آیہ شریفہ حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور

<الذین آمنوا۔۔۔>

سے مراد وہی حضرت (ع) ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں ایک حدیث کو درج کرتے ہیں، جس کو ثعلبی ۱ نے اپنی تفسیر ۲ میں سنی محدثین اور مفسرین سے نقل کیا ہے اور شیعوں کے بڑے مفسر شیخ طبرسی نے بھی اس کو "مجمع البیان ۳" میں درج کیا ہے:

"...عن عباية بن الربعی قال:بیناعبدالله بن عباس جالس علی شفیرزمزم إذاأقبل رجل متعمّم بالعمامة،فجعل ابن عباس لایقول:"قال رسول الله (ص)إلاّقال الرجل:قال رسول الله (ص)"!!فقال ابن عباس:سألتك بالله،من أنت؟قال:فکشف العمامةعن وجهه وقال:یا أیّها الناس،من عرفنی فقدعرفنی ومن لم یعرفنی فأنا"

جندب من جنادةالبدری،أبوذرالغفاری،سمعت رسول الله

۱۔ثعلبی کے بارے میں ذہبی کا قول دوسرے اعتراض کے جواب میں بیان کیا جائے گا۔

۲ "الکشف والبیان" ج ۴،ص ۸۱۔۸۰،داراحیائ التراث العربی

۳۔مجمع البیان، ج ۳،ص ۳۲۴

(ص)بها تین وإلاّصمّتا،ورأیته بها تین وإلاّفعمیتا،یقول:علیّ قائد البررة،وقاتل الکفرة،منصورمن نصره،مخذول منخذله۔أماّ إنّی صلّیت مع رسول الله (ص) یوماًمن الأیّام صلاةالظّهر،فدخل سائل فی المسجدفلم یعطه أحد،فرفع السائل یده إلی السّماء وقال:اللّهمّ أشهدإنّی سألت فی مسجدرسول الله فلم یعطنی احد شیئاً - وکان علیّ را کعاً - فأومی إلیه

بخنصره الیمنی - وکان یتختّم فیها - فاٴقبل السائل حتیّاٴخذ الخاتم من خنصره!وذلك بعین النبیّ.

فلماّ فرغ النّبیّ (ص)من الصلاۃ رفع یدہ إلیالسّماء وقال:اللّهمّ إنّ اٴخی موسی ساٴلك فقال:<ربّ اشرح لی صدری ویسّر لی امری،واٴجعل لی وزیراً من اٴهلی هارون اٴخی اشدد به اٴزری>.فاٴنزلت علیه قرآناًناطقاً.<سنشدّ عضدك باٴخیك ونجعل لکما سلطاناً>.

اللّهمّ واٴنامحمّدنبیّك وصفیك.اللّهمّ فاشرح لی صدری ویسّرلی اٴمری،واٴجعل لی وزیراًمن اٴهلی علیّاً اشددبه ظهری.

قال اٴبوذر:فوالله مااستتمّ رسول الله الکلمة حتّی اُنزل علیه جبرئیل من عندالله،فقال یامحمّد!إقراٴ،فقال:وماأقراٴ؟قال:إقراٴ:، "إنّما ولیّکم الله ورسوله إلی راکعون"الآیة.

"عبایہ بن ربیع سے روایت ہے کہ اس نے کہا: اس وقت جب عبداللہ بن عباس) مسجد الحرام میں) زمزم کے کنارے بیٹھے تھے) اور پیغمبر اکرم (ص) سے حدیث روایت کرر ہے تھے) اچانک ایک عمامہ پوش شخص آپہونچا) اور رسول خدا (ص) سے اس طرح حدیثیں نقل کرنا شروع کیں) کہ جب عبداللہ ابن عباس کہتے تھے: "قال رسول اللہ، (ص)" وہ شخص بھی کہتا تھا: "قال رسول اللہ (ص)۔" ابن عباس نے کہ: تمھیں خدا کی قسم ہے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس شخص نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اور کہا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے، وہ پہچانتا ہے، اور جو مجھے نہیں پہچانتا میں اسے اپنے بارے میں بتادینا چاہتا ہوں کہ میں

جندب، جنادۂ بدری کا بیٹا، ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے رسول خدا (ص) سے اپنے ان دونوں) کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کانوں سے سنا اگر یہ بات صحیح نہ ہو تو) میرے کان) بہرے ہوجائیں اوران دونوں انکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آنکھوں سے دیکھا اگر یہ بات درست نہ ہوتو میری آنکھیں اندھی ہوجائیں) میں نے سنااور دیکھا) فرمارہے تھے: علی (علیہ السلام) نیکوں کے پیشوااور کافروں کے قاتل ہیں۔ جوان کی مدد کرے گااس کی خدا نصرت کرے گا، اور جوانھیں چھوڑ دے گا خدااسے بھی چھوڑ دے گا۔

ایک دن میں رسول خدا (ص) کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل نے اہل مسجد سے سوال کیا، کسی نے اس کی حاجت پوری نہیں کی۔ سائل نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا:

خداوندا! تو گواہ رہنا کہ میں نے مسجد النبی میں سوال کیا اور کسی نے میری حاجت پوری نہیں کی۔ علی (علیہ السلام) رکوع کی حالت میں تھے، اپنی چھوٹی) انگلی جس میں انگوٹھی تھی) سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ سائل نے سامنے سے آکرانگوٹھی آپ (ع) کے ہاتھ سے نکال لی۔ رسول خدا (ص) اس واقع کے شاہد اور گواہ ہیں جب پیغمبر اسلام (ص) نماز سے فارغ ہوئے آسمان کی طرف رخ کرکے عرض کی: خداوندا! میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) نے تجھ سے سوال کیا اور کہا" پروردگارا! میرے سینے کو کشادہ کردے، میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہوں کو کھول دے، تاکہ یہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل

میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر قرار دیدے، اس سے میری پشت کو مضبوط کردے، اسے میرے کام میں شریک بنادے۔") اس کی درخواست کو برلا) اور تو نے اس داستان کے بارے میں قرآن مجید میں یوں فرمایا: "ہم تمھارے بازؤں کو تمھارے بھائی) ہارون) سے مضبوط کردیں گے اور تمھیں ان پر مسلط کردیں گے۔"

خداوندا! میں تیرا برگزیدہ پیغمبر ہوں، خداوندا! میرے سینے کو کشادہ کردے، میرے کام کو آسان کر، میرے اہل میں سے میرے بھائی علی (ع) کو میرا وزیر قرار دے اور اس سے میری پشت کو مضبوط کر۔) ابوذر کہتے ہیں:) خدا کی قسم رسول خدا (ص) نے ابھی اپنی بات تمام بھی نہیں کی تھی کہ جبرئیل امین خدا کی طرف سے نازل ہوئے اور کہا: اے محمد! پڑھئے!) آنحضرت نے) کہا: کیا پڑھوں؟) جبرئیل نے کہا) پڑھیئے: ※ اِنّما ولیکم اللہ ورسولہ۔۔۔※" شیخ طبرسی نے اس حدیث کے خاتمہ پر کہا ہے: اس روایت کو ابواسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اسی سند سے) کہ جیسے میں نے ذکر کی ہے) نقل کیا ہے۔ اس شان نزول کو بیان کرنے والی بہت ساری حدیثیں ہیں ان میں سے بعض کو ہم دوسری مناسبتوں کے سلسلہ میں بیان کریں گے اور ان میں سے بعض دوسری احادیث کے حوالہ ابن تیمہ کے جواب کے ذیل میں عرض کریں گے۔ ان احادیث کے پیش نظر واضح ہوگیا کہ یہ شان نزول قطعی ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

آیہء ولایت کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات

آیہءولایت کے بارے میں چندسوالات کئے جاتے ہیں،مناسب ہے ہم اس باب میں ان کے جوابات دیں۔

ا۔کیاآیت میں "ولی" کا معنی دوست نہیں ہے؟

یہ آیہءکریمہ ایسی آیات کے سیاق میں ہے کہ جس میں مومنین کے لئے یہودونصاریٰ کو اپنے ولی قرار دینے سے نہی کی گئی ہے۔چونکہ ان آیات میں ولی'یاور" یا'دوست" کے معنی میں ہے،اس آیت میں بھی اس کے معنی اسی سیاق کے تحت درج ہے،لہذا اسی معنی میں ہونا چاہئے۔اگرایسانہ مانیں توسیاق واحد میں تفکیک لازم آئیگی۔

اس لئے اس آیت کے معنی یوں ہوتے ہیں:"بس تمہارا یاور یا دوست اللہ اوراس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت خضوع اور انکساری میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔"

جواب:

اوّل یہ کہ:آیہءشریفہ میں سیاق کا پایا جانا منتفی ہے،کیونکہ آیہءکریمہ (چنانچہ اس کی شان نزول کے سلسلہ میں پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے اوراس کی مزیدوضاحت آگے کی جائے گی) ایک مستقل شان نزول رکھتی ہے۔نزول کا مستقل ہونااس معنی میں ہے کہ یہ آیت اپنے معانی

ومفاہیم کے لحاظ سے دوسری آیات سے مربوط نہیں ہے۔

بیشک قرآن مجید کی آیات کی ترتیب و تنظیم ،جس طرح اس وقت موجود ہے،اسی اعتبار سے ہم اس کی قرائت کرتے ہیں باوجوداس کے کہ ان میں نزول کی ترتیب کے لحاظ سے تناقض پایا جاتا ہے۔ یہاں تک بعض سورہ یا آیات کہ جو پہلے نازل ہوئی ہیں وہ موجودہ ترتیب میں قرآن کے آخر میں نظر آتی ہیں، جیسے: مکی سورے کہ جوقرآن مجید کے آخری پارے میں موجودہیں اور بہت سی آیات اورسورے اس کے برعکس ہیں جیسے: سورۂ بقرہ کہ جوموجودہ ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کا دوسرا سورہ ہے جب کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والا پہلا سورہ ہے۔

لہذا موجودہ ترتیب زمانہ نزول کے مطابق نہیں ہے،اور معلوم ہے کہ آیات کے ظہور کے پیش نظر ترتیب کا معیار زمانہ نزول ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ: آیات اورسورتوں کی تنظیم ،پیغمبراکرم (ص) کے زیرنظر انجام پائی ہے اورآنحضرت (ص) نے آیات کی مناسبت اورمعنوی نظم کو مدنظر رکھتے ہوئے ہرآیہ اورسورہ کواپنی مناسب جگہ پر قرار دیاہے۔اس لئے موجودہ ترتیب کا زمانہ نزول سے مختلف ہو ناسیاق کے لئے ضرر کا باعث نہیں ہے۔

جواب میں کہنا چاہئے: اگرچہ یہ نظریہ صحیح ہے کہ موجودہ صوت میں قرآن مجید کی آیات کی تنظیم اورترتیب آنحضرت (ص) کی نگرانی میں انجام پائی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں کوئی مصلحت تھی جس کے پیش نظر ہرآیت یا سورہ کوایک خاص

جگہ پر قرار دیا جائے ،لیکن اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت (ص) کی یہ مصلحت نظم ومناسبت کی رعایت اور آیات کے ایک دوسرے سے معنوی رابطہ کی وجہ سے مربوط ہے ۔

اس لحاظ سے ہر آیت کا نزول اگر اس کی پچھلی آیات سے دلیل کی بنا پر ثابت ہو جائے تو اس میں سیاق کا وجود ہے اور جس کسی آیت کا نزول مستقل یا مشکوک ہو تو اس آیت کا گزشتہ آیت سے متصل ہونا اس کے سیاق کا سبب نہیں بن سکتا ہے ۔ زیر بحث آیت کا نزول بھی مستقل ہے اور مذکورہ بیان کے پیش نظر اس میں سیاق موجود نہیں ہے ۔

دوسرے یہ کہ: اگر سیاق پایا بھی جائے پھر بھی گزشتہ آیت میں ثابت نہیں ہے کہ "ولی" کا معنی دوست اور ناصر کے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے:

ایّہاالّذین آمنوالا تتخذواالیہود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض۔۔۔)مائدہ/۵۱)

"ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا ولی وسر پرست نہ قرار دو کہ یہ خود آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں ۔"

اس آیت میں بھی) ہمارے مذکورہ اشارہ کے پیش نظر) ولایت ،سر پرستی اور صاحب اختیار کے معنی میں ہے ۔

تیسرے یہ کہ: اگر آیہء کریمہ میں موجود ولایت دوستی یا نصرت کے معنی میں ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اس کا مفہوم خلاف واقع ہو، کیونکہ اس صورت میں اس کے معنی یوں ہوں گے

"بس تمہارا مددگار یا دوست اللہ اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکواۃ دیتے ہیں۔" جبکہ معلوم ہے کہ مومنین کے مددگار اور دوست ان افراد تک محدود نہیں ہیں جو رکوع کی حالت زکواۃ دیتے ہیں بلکہ تمام مومنین ایک دوسرے کے مددگار اور دوست ہیں!

مگر یہ کہ آیہ کریمہ میں "راکعون" کے معنی "خدا کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کرنے والے کے ہیں اور یہ معنی مجازی ہیں اور رکوع کے حقیقی معنی جھکنے اور خم ہونے کے ہیں ان مطالب کے پیش نظر، سیاق کی بات یہاں پر موضوع بحث سے خارج ہے اور اس کے وجود کی صورت میں بھی معنی مقصود کو کوئی ضرر نہیں پہنچا تا ہے۔

۲۔مذکورہ شأن نزول) حالت رکوع میں حضرت علی (ع) کا انفاق کرنا) ثابت نہیں ہے۔

بعض افراد نے آیہ شریفہ کی شأن نزول پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ)امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا نماز کی حالت میں انفاق کرنا اور اس سلسلہ میں ایت کا نازل ہونا) ثابت نہیں ہے۔رہی یہ بات کہ ثعلبی نے اس داستان کو نقل کیا ہے تو وہ صحیح اور غیر صحیح روایتوں میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے،اور بڑے محدثین، جیسے طبری اور ابن حاتم وغیرہ نے اس قسم کی جعلی داستانوں کو نقل نہیں کیا ہے؟!

جواب:

یہ شأن نزول شیعہ واہلسنت کی تفسیر اور حدیث کی بہت سی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اور ان میں سے بہت سی کتابوں کی سند معتبر ہے۔ چونکہ ان سب کو نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے، اس لئے ہم ان میں سے بعض کے حوالے حاشیہ میں ذکر کرتے ہیں ۱

۱۔ احقاق الحق/ج/۳ص۳۹۹ تا۴۱۱، احکام القرآن جصاص/ج/۲ص۴۴۶، اربعین ابی الفوارس/ص۲۲مخطوط، ارجح المطالب/ص۱۶۹طبع لاھور)به نقل احقاق الحق)، اسباب النزول/ص۱۳۳انتشارات شریف رضی، اصول کافی/ج/۱ص۱۴۳/ح ۷ وص۱۴۶/ح۱۶وص۲۲۸/ح۳ المکتبةالاسلامیه ، انساب الاشراف/ج/۲ص۳۸۱دار الفکر، البدا یة والنهایة)تاریخ ابن کثیر)/ج/۷ص۳۷۱دارالکتب العلمیه، بحرالعلوم)تفسیر السمر قندی)/ج/۱ص۴۴۵دارالکتب العلمیةبیروت

البحر المحیط/ج/۳ص۵۱۴مؤ سسةالتاریخ عربی، تاریخ مدینة دمشق/ج/۴۲ص۳۵۶و۳۵۷دارالفکر، ترجمة الامام امیرالمؤ منین/ج/۲ص۴۰۹و۴۱۰دار التعارف للمطبو عات، التسهیل لعلوم التنذیل/ج۱۰ص۱۸۱دارالفکر

تفسیرابن کثیر/ج/۲ص۷۴دارالمعرفة بیروت، تفسیر بیضاوی/ج/۱ص۲۷۲دار الکتب العلمیه، تفسیر الخازن/ج/۱ص۴۶۸دار الفکر، تفسیر فرات/ج/۱ص۱۲۳_۱۲۹، تفسیر القرآن /ابن ابی

حاتم/ج۴/ص۱۱۶۲المکتبۃالاهلیه بیروت، تفسیر کبیر فخررازی/ج۶/جزء۱۲/ص۲۶داراحیاء التراث العربی بیروت، جامع احکام القرآن ۔ج۶/ص۲۲۱و۲۲۲دارالفکر، جامع الاصول/ج۹/ص۴۷۸/ح۶۵۰۳داراحیاء التراث العربی، جامع البیان طبری/ج۴/جزء ۶/ص۱۸۶دار المعرفة بیروت، الجواهر الحسان/ج۲/ص۳۹۶داراحیاء التراث العربی بیروت، حاشیۃالشهاب علی تفسیربیضاوی /ج۳/ص۲۵۷دار احیاء التراث العربی بیروت، حاشیۃالصاوی علی تفسیرجلالین/ج۱/ص۲۹۱دار الفکر، الحاوی للفتاوی مکتبة القدس قاهره)به نقل احقاق الحق)، الدر المنثور/ج۳/ص۱۰۵و۱۰۶ دارالفکر، ذخائر العقبی/ص۸۸ مؤسسة الوفاء بیروت، روح المعانی /ج۶/ص۱۶۷ داراحیاء التراث العربی، الریاض النضرة/ج۲/ص۱۸۲دار الند وة الجدیدة، شرح المقاصد تفتازانی/ج۵/ص۲۷۰و۲۷۱، شرح المواقف جر جانی/ج۸/ص۳۶۰، شرح نهج البلاغه/ابن ابی الحدید، شواهد التنزیل /ص۲۰۹ تاص۲۴۸)۲۶حدیث)، غرائب القرآن نیشاپوری/ج۲/جزء۶/ص۶۰۶/دار الکتب العلمیة بیروت، فتح القدیر)تفسیر شوکانی)/ج۲ص۶۶/دار الکتب العلمیة بیروت، فرائد السمطین /ابراهیم بن محمد جوینی /ج۱/ص۱۸۷وص۱۹۵/مؤسسة المحمودی، الفصول المهمة/ص۱۲۳و۱۲۴/منشورات الا علمی تهران،

الکشاف /زمخشری/ج۱/ص۳۴۷دار المعرفة بیروت، کفایة الطالب/ص۲۴۹وص۲۵۰/داراحیاء تراث اهل البیت، کنزالعمال/ج۱۳/ص۱۰۸وص۱۶۵/مؤسسةالرسالة، اللباب فی علوم الکتاب/ج۷/ص۳۹۰وص۳۹۸/دارالکتب العلمیة بیروت، مجمع الزوائد/ج

اس قسم کے معتبر واقعہ کو جعلی کہنا، امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی مقدس بارگاہ میں جسارت اور ان بڑے محدثین کی توہین ہے کہ جنہوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے! اور ثعلبی کے متعلق اس طرح کے گستاخانہ اعتراضات کہ وہ صحیح اور غیر صحیح احادیث میں تمیز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، جب کہ اہل سنت کے علمائے رجال نے اس کی تعریف تمجید کی ہے اور وسیع پیمانے پر اس کو سراہا اور نوازا ہے۔ہم یہاں پر نمونہ کے طور پر ان میں سے صرف دو بزرگوں کے نظریات پیش کرتے ہیں:

علمائ اہل سنت میں علم رجال کے ماہر نیز مشہور و معروف عالم دین اور حدیث شناس، ذہبی، ثعلبی کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

"الإمام الحافظ العلا مة شیخ التفسیر کان أحد أو عیة العلم وکان صادقاً موثقاً بصیراً بالعربیة"[۱]

"یعنی: وہ امام، حافظ، علامہ، استاد تفسیر نیز ایک علمی خزانہ ہیں۔ وہ سچّے، قابل اعتماد اور عربی ب کے حوالے سے وسیع معلومات اور گہری نظر رکھنے والے ہیں۔"

۲۔عبدالغافر نیشابوری "منتخب تاریخ نیشاپوری" کہتے ہیں:

"احمد بن محمدبن ابراهیم۔۔۔المقریٔ المفسر

الواعظ، الادیب، الثقة، الحافظ، صاحب التصانیف الجلیلة من

۷/ص۸۰/دار الفکر۔ المرا جعات/ص۲۵۷، مرقاة المفاتیح/ج۱۰/ص۴۶۲/دار الفکر مطالب السؤول/ج۱/ص۸۶ و۸۷، معالم التنزیل/ج۲/ص۴۷ المعجم الاوسط/ج۷/ص۱۲۹وص۱۳۰/مکتبة المعارف الریاض، معرفة علوم الحدیث/ص۱۰۲/دار الکتب العلمیة بیروت منا قب ابن مغازلی/ص۳۱۱/المکتبة الاسلامیة، مناقب خوارزمی/ص۲۶۴ وص۲۶۵وص۲۶۶/مؤسسة النشر الاسلامی، مواقف ایجی /ج۸/ص۳۶۰ نظم درر السمطین/ص۸۶/مطبعة القضاء)به نقل احقاق الحق)، النکت والعیون)تفسیر الماوردی)/ج۲/ص۴۹/مؤسسة الکتب الثقا فیة نور الابصار/ص۸۶و۸۷/دار الفکر

۱۔ سیر اعلام النبلاء، ج۱۷، ص ۴۳۵، مؤسسہ الرسالة، بیروت

تفسیر، الحاوی لانواع الفوائد من المعانی والاِ شارات، وھو صحیح النقل موثق بہ۔"۱

"عبد الغافر نے ان کی اس عبارت میں توصیف کی ہے کہ احمد بن محمد بن ابراھیم مقری ء) علم قرات کے ماہر)، مفسر، واعظ، ادیب، قابل اعتماد، حافظ نیز معانی اوراشارات پر قابل قدر کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی احادیث صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔"

ثعلبی کے باوثوق ہونے اوران کی عظمت کے علاوہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے سائل کوانگوٹھی دینے کی داستان کوصرف ثعلبی ہی نے نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ واقعہ شیعہ اوراہل

سنت کے حدیث اور تفسیر کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔ یہاں تک کہ طبری اور ابن حاتم نے بھی اس داستان کو نقل کیا ہے، جن کے بارے میں معترض نے کہا تھا: "یہ لوگ اس قسم کی داستانیں نقل نہیں کرتے ہیں"۔ مناسب ہے ہم یہاں پر ان دونوں افراد کی روایتوں کو نقل کریں:

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے:

"قال إبن ابی حاتم...وحد ثنا ابو سعید الاٴشجّ،حدثنا الفضل بن دکین ابو نعیم الاٴحول،حدثنا موسی بن قیس عن سلمة بن کھیل قال: تصدّق علی بخاتمه وهو راکع فنزلت<إنّما ولیکم الله ورسوله والّذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰة ویؤتون الزکوٰة وهم راکعون>٢

اس حدیث میں ابن کثیر ابن ابی حاتم کی کتاب سے صحیح سند کے ساتھ سلمة بن کہیل سے، حضرت علی علیہ السلام کے متعلق حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی کو بہ طور صدقہ دینے کا واقعہ نقل

۱۔تاریخ نیشابوری، ص ۲۱۰۹۔تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۷

کرتا ہے اور کہتا ہے: اس قضیہ کے بعد آیۂ شریفہ

<إنّما ولیّکم الله...>

نازل ہوئی۔ ابن جریر طبری نے بھی اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے:

"حدثنا محمد ابن الحسین قال: حدثنا احمد بن المفضل قال: حدثنا اٴسباط عن السدّی...علی بن اٴبی طالب مرّ به سائل وهو راکع فی المسجد فاٴعطاه خاتمه"١

اس روایت میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے حالت رکوع میں اپنی انگشتری کو راہ خدا میں دینے کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔کیا ”إنّما“ حصر پر دلالت کرتا ہے؟

فخر رازی نے کہا ہے کہ ”إنّما“ حصر کے لئے نہیں ہے۔اس کی دلیل خداوند متعال کا یہ قول ہے کہ إنّما مثل الحیاۃ الدنیا کماء أنزلناہ من السماء۔۔۔۲ یعنی: زندگانی دنیا کی مثال صرف اس بارش کی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا“

بیشک دینوی زندگی کی صرف یہی ایک مثال نہیں بلکہ اس کے لئے اور بھی دوسری مثالیں ہیں،اس لئے اس آیت میں ”إنّما“ حصر پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

جواب:

اول یہ کہ:جس آیہء شریفہ کو فخر رازی نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے،اس میں بھی ”إنّما“ حصر کے طور پر استعمال ہوا ہے۔لیکن حصر دو قسم کا ہے:حصر حقیقی میں مخاطب کے خیال اور تصور کی نفی کی جاتی ہے،مثلاً اگر کوئی کہے:”زید کھڑا ہے“اس کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے: ”إنّما قائم عمرو“یعنی کھڑا شخص صرف عمرو ہے نہ زید۔اس جملہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دنیا میں کھڑے انسان عمرو میں منحصر قرار دئے جائیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مقابل کے اس تصور کو زائل کیا جائے کہ زید کھڑا ہے اور اسے یہ سمجھایا جائے کہ صرف عمرو کھڑا ہے۔

۱۔تفسیر طبری، ج۶،ص ۱۸۶، دارالمعرفۃ، بیروت

۲۔سورۂ یونس/ ۲۴

آیہ کریمہ بھی اس مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دنیا کی زندگانی کو صرف آسمان سے برسنے والے پانی کی مثال اورتشبیہ دینی چاہئے جس کے برسنے کے نتیجہ میں ایک پوداا گتا ہے اورسرانجام وہ پودا خشک ہوجا تا ہے، کیونکہ یہ مثال دنیاوی زندگی کے فانی اور منقطع ہونے کی حکایت کرتی ہے، نہ یہ کہ اس کے لئے ایک ایسی مثال پیش کی جائے جواس کے دوام، استمرار اور بقا کی حکایت کرتی ہو۔

دوسرے یہ کہ: لغوی وضع کے لحاظ سے"اِنّما"حصر کے لئے ہے لیکن قرینہ موجود ہونے کی صورت میں غیر حصر کے لئے بھی بہ طورمجاز استعمال ہوسکتا ہے۔فخر رازی کی طرف سے بہ طوراعتراض پیش کی گئی آیت میں اگر"انما"غیر حصر کے لئے استعمال ہوا ہے تو وہ قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے بہ طورمجازی استعمال ہوا ہے۔اس لئے اس آیہء شریفہ میں"اِنّما"کا حقیقی معنی وہی حصر، مقصود ہے۔

۴۔کیا"الذین آمنوا"کا اطلاق علی علیہ السلام کے لئے مجازی ہے؟

اگر"الذین آمنوا"کہ جوجمع ہے اس سے مراد علی علیہ السلام ہوں گے تو لفظ جمع کا استعمال مفرد کے معنی میں ہوگا۔یہ استعمال مجازی ہے اور مجازی استعمال کوقرینہ کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جواب:

اول یہ کہ: شیعہ امامیہ کی احادیث کے مطابق "الذین آمنوا" صرف امیر المؤمنین علیہ السلام سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں دوسرے معصوم ائمہ بھی شامل ہیں۔ ہماری احادیث کے مطابق تمام ائمہء معصومین اس کرامت وشرافت کے مالک ہیں کہ رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی دیں۔ا

۱۔اصول کافی، ج۱ص۱۴۳، ح۷وص۱۴۶، ح۱۶ وص۲۲۸، ح۳ المکیة الاسلامیه۔ کمال الدین ، ح۱،ص۲۷۴۔۲۷۹ دار الکتب الاسلا میة فرائد السبطین ، ج۱،ص۳۱۲، ح۲۵ مؤسسه المحمودی لطاعة والنشر۔ینا بیع المودة،ص۱۱۴۔۱۱۶

دوسرے یہ کہ: بالفرض اس موضوع سے ایک خاص مصداق یعنی حضرت علی علیہ السلام کا ارادہ کیا گیا ہے اور یہ استعمال مجازی ہے، اس مجازی استعمال کے لئے وہ احادیث قرینہ ہیں جو اس کی شان نزول میں نقل کی گئی ہیں اور بیان ہوئیں۔

۵۔کیا حضرت علی علیہ السلام کے پاس انفاق کے لئے کوئی انگوٹھی تھی؟

جیسا کہ مشہور ہے حضرت علی (علیہ السلام) فقیر اور غریب تھے اور ان کے پاس کوئی قیمتی انگوٹھی نہیں تھی۔

جواب:

احادیث اورتاریخ گواہ ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام غریب اور فقیر نہیں تھے۔ حضرت (ع) اپنے ہاتھوں سے اور اپنی محنت وکوشش کے ذریعہ نہریں کھودتے تھے اور نخلستان آباد کرتے تھے، اپنے لئے مال ودولت کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے مال کوخدا کی راہ میں انفاق کرتے تھے۔

٦۔کیا)راہ خدا میں) انگوٹھی انفاق کرنا حضور قلب)خضوع وخشوع)کے ساتھ ھم آھنگ وسازگار ہے؟

حضرت علی (علیہ السلام) نماز کی حالت میں مکمل طور پر حضور قلب کے ساتھ منہمک ہوتے تھے۔ جواس طرح حضور قلب کے ساتھ یاد خدا میں ڈوبا ہوا ہووہ دوسرے کی بات نہیں سن سکتا۔اس خشوع وخضوع کے پیش نظر حضرت (ع) نے کیسے سائل کے سوال اوراس کے مدد کے مطالبہ کوسن کراپنی انگوٹھی اس کوانفاق کی!

جواب:

حضرت علی علیہ السلام اگر چہ فطری طور پر) نماز میں خاص حضور قلب کی وجہ سے) دوسروں کی بات پرتوجہ نہیں کرتے تھے،لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مقلب القلوب اوردلوں کو تغیر دینے والا خداوند متعال،سائل کے سؤال کے وقت آپ (ع) کی توجہ کواس کی طرف

متوجہ کرے تا کہ اس صدقہ کو جو ایک اہم عبادت ہے آیہء شریفہ کے نزول کا سبب قرار دے اور یہ آیہء شریفہ آپ (ع) کی شان میں نازل ہو۔

اس آیت کی شان نزول سے مربوط احادیث (جن میں سے بعض بیان کی گئیں) اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ (ع) نے سائل کی طرف متوجہ ہو کر مذکورہ صدقہ کو اپنے ہاتھوں سے دیا ہے۔

۷۔ کیا انفاق، نماز کی حالت کو توڑنے کا سبب نہیں بنتا؟

نماز کی حالت میں انگوٹھی انفاق کرنا، نماز کی ظاہری حالت کو توڑنے کا سبب ہے۔ اس لئے حضرت (ع) سے اس قسم کا فعل انجام نہیں پا سکتا ہے۔

جواب:

جو چیز نماز کی حالت کو توڑنے کا سبب ہے وہ فعل کثیر ہے اور اس قسم کا مختصر فعل نماز کو توڑنے کا سبب نہیں ہو سکتا ہے۔ شیعہ فقہا اس قسم کے امور کو نماز کو باطل کرنے کا سبب نہیں جانتے ہیں۔

ابوبکر جصاص کتاب "أحکام القرآن" میں "باب العمل الیسیر فی الصلاۃ" کے عنوان سے آیہء کریمہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر آیہء شریفہ سے مراد رکوع کی حالت میں صدقہ دینا ہے تو یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کے دوران چھوٹے اور جزئی کام مباح

ہیں۔پیغمبر اکرم (ص) سے نماز کی حالت میں چھوٹے اور جزئی کام کے جائز ہونے کے سلسلہ میں چند احادیث روایت ہوئی ہیں جیسے وہ حدیثیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت (ص) نے نماز کی حالت میں اپنے جوتے اُتارے اور اپنے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور اپنے ہاتھ سے) کسی جگہ کی طرف) اشارہ فرمایا۔اس لئے نماز کی حالت میں صدقہ

۱۔احکام القرآن، ج ۲، ص ۶۴۴، دارالکتب العلمیہ ، بیروت

دینے کے مباح ہونے کے بارے میں آیہء شریفہ کی دلالت واضح اور روشن ہے۔

قرطبی" جامع" اُحکام القرآن ا میں کہتے ہیں: طبری نے کہا ہے کہ یہ) امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے توسط سے نماز کی حالت میں انگوٹھی کا بہ طور صدقہ دینا) اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹے اور جزئی امور نماز کو باطل نہیں کرتے ہیں، کیونکہ صدقہ دینا ایسا امر تھا جو نماز کی حالت میں انجام دیا گیا ہے اور نماز کو باطل کرنے کا سبب نہیں بنا۔

۸۔کیا مستحبی صدقہ کو بھی زکوٰۃ کہا جاسکتا ہے؟

فخر رازی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ، کے نام کا اطلاق" زکوٰۃ" واجب کے لئے ہے اور مستحب صدقہ پر زکوٰۃ اطلاق نہیں ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ خداوند متعال نے) بہت سے مواقع پر) فرمایا ہے

:<وآتوا الزکوٰۃ>یعنی:

زکوۃ ادا کرو۔فعل امر واجب پر دلالت کرتا ہے۔

اب جب کہ زکوۃ، کا اطلاق صدقہ واجبہ کے لئے ہوتا ہے تو اگر علی (علیہ السلام) نے واجب زکوۃ کو نماز کی حالت میں ادا کیا ہے تو آپ (ع) نے ایک واجب امر کو اپنے اول وقت سے موخیر کیا ہے اور یہ اکثر علماء کے نزدیک گناہ شمار ہوتا ہے۔اس لئے اس کی حضرت علی (علیہ السلام) کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ: زکوۃ سے مراد مستحب صدقہ ہے، تو یہ اصل کے خلاف ہے، کیونکہ آیہء شریفہ توا الزکوۃ سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ جو بھی صدقہ زکوۃ کا عنوان رکھتا ہے وہ واجب ہے۔

جواب:

اول یہ کہ: آیہء شریفہ میں ذکر کی گئی زکوۃ سے مراد بیشک زکوہ مستحب ہے اور شان نزول کی حدیثیں اس مطلب کی تائید کرتی ہیں۔لیکن یہ کہنا کہ" آیہء شریفہ" آتوا الزکوۃ ※ میں زکوۃ سے مراد زکوۃ واجب ہے اس لئے جس چیز پر زکوۃ اطلاق ہوگا وہ

۱۔"جامع الاحکام القرآن"، ج۶،ص۲۲۱، دارالفکر

واجب ہو گا"اس کا صحیح نہ ہونا واضح اورعیان ہے کیونکہ ایک طرف جملہء ※ وآتوا الزکوۃ ※ میں وجوب پر دلالت کرنے والا لفظ" آتوا" فعل امر ہے اور لفظ زکوۃ کا استعمال ماہیت زکوۃ کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں ہوا ہے۔اور ماہیت زکوۃ، واجب

اور مستحب میں قابل تقسیم ہے اور یہ تقسیم کسی قرینہ کے بغیر واقع ہوتی ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وجوب واستحباب لفظ کے دائرے سے خارج ہے۔دوسری طرف سے شیعہ وسنی احادیث اور فقہا کے فتوؤں میں زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں، زکوٰۃ واجب اور زکوٰۃ مستحب لہذا یہ کہنا کہ جو بھی زکوٰۃ ہوگی واجب ہوگی اس اطلاق کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ: آیہء شریفہ میں بہ صورت فعل امر" آتوا "نہیں آیا ہے بلکہ جملہ"یؤ تون الزکوٰۃ"اخبار ہے نہ انشاء۔اور یہ کہ آیہ شریفہ میں صدقہ سے مراد مستحب صدقہ ہے، اس کی بعض اہل سنت فقہا اور مفسرین تصدیق کرتے ہیں۔

جصاص"أحکام القرآن" میں کہتے ہیں

<یؤتون الزکوٰۃوھم راکعون>

کا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مستحب صدقہ کو زکوٰۃ کہا جاسکتا ہے، کیونکہ علی (علیہ السلام) نے اپنی انگوٹھی کو صدقہ مستحی) زکوٰۃ مستحی) کے طور پر انفاق کیا ہے اور اس آیہء شریفہ میں

:<وما آتیتم من زکوٰۃتریدون وجہ اللہ فأولئك ھم المضعفون>١

یعنی: جو زکوٰۃ دیتے ہو اور اس میں رضائے خدا کا ارادہ ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کو دگنا جزا دی جا تی ہے"

لفظ"زکوٰۃ"صدقہء واجب اور صدقہء مستحب دونوں کو شامل ہوتا ہے۔"زکوٰۃ کا اطلاق"واجب اور مستحب دونوں پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے نماز کا اطلاق صرف نماز واجب کے

لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ مستحب نماز بھی اس میں شامل ہے۔ ۲

۱۔سورہ روم/ ۳۹

۲۔احکام القرآن، ج۲،ص ۲۴۶

۹۔کیا رکوع میں زکوۃ دینے کی کوئی خاص اہمیت ہے؟

اگر رکوع سے مراد نماز کی حالت میں رکوع ہے تو یہ قابل مدح وستائش نہیں ہے، کیونکہ رکوع میں انفاق کرنا یا نماز کی کسی دوسری حالت میں انفاق کرنا اس میں کوئی فرق نہیں ہے؟

جواب:

یہ کہ آیہء شریفہ میں رکوع امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی زکوٰۃ کے لئے ظرف واقع ہوا ہے، یہ اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اس حالت میں انفاق کرنا قابل تمجید وستائش یا کسی خاص تعریف کا باعث ہے بلکہ یہ اس لحاظ سے ہے کہ سائل کا سوال حضرت (ع) کے رکوع کی حالت میں واقع ہوا ہے اور علمائے اصول کی اصطلاح کے مطابق "اس سلسلہ میں قضیہ، قضیہ خارجیہ ہے اور رکوع کا عنوان کوئی خصوصیت وموضوعیت نہیں رکھتا ہے۔" اور تعریف وتمجید اس لحاظ سے ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس حالت میں اس عبادی عمل کو انجام دیا ہے۔ اگر حضرت (ع) نے رکوع میں یہ انفاق انجام نہ دیا ہوتو وہ سائل ناامیدی اور محرومیت کی حالت میں مسجد سے واپس چلا جاتا۔

۱۰۔ کیا اس آیت کا مفہوم سابقہ آیت کے منافی ہے؟

فخر رازی کا کہنا ہے: اگر یہ آیت علی (علیہ السلام) کی امامت پر دلالت کرے گی تو یہ آیت اپنے سے پہلے والی آیت کے منافی ہوگی کہ جو ابوبکر کی خلافت کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔

جواب:

اس سے پہلے والی آیت ابوبکر کی فضیلت اور ان کی خلافت کی مشروعیت پر کسی قسم کی دلالت نہیں کرتی ہے۔ اس سے پہلے والی آیت یوں ہے:

<یاایّها الّذین آمنوا من یرتدّ منکم عن دینه فسوف یأتی الله بقوم یحبّهم ویحبّونه إذلّةٍ علی المؤمنین أعزّة علی الکافرین یجاهدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم۔۔۔> (سورہ مائدہ/۵۴)

"اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو لائے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھتے ہوں گے، مؤمنین کے لئے متواضع اور کفار کے لئے سرسخت ہوں گے، راہ خدا میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے

فخر رازی نے کہا ہے: یہ آیت ابوبکر کی خلافت کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ خداوند متعال نے مؤمنین سے خطاب کیا ہے کہ اگر وہ اپنے دین سے پلٹ جائیں گے تو آیت میں

مذکور صفات کی حامل ایک قوم کو لائے گا تا کہ وہ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ پیغمبر (ص) کے بعد جس نے مرتدوں سے جنگ کی وہ تنہا ابوبکر تھے۔ چونکہ یہ آیت ابوبکر کی تعریف و تمجید شمار ہوتی ہے، لہذا ان کی خلافت کی مشروعیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

فخر رازی نے ابوبکر کی خلافت کو شرعی جواز فراہم کرنے کے لئے آیت میں اپنی طرف سے بھی ایک جملہ کا اضافہ کیا ہے۔

آیہء شریفہ میں یہ فرمایا گیا ہے: اگر تم مؤمنین میں سے کوئی بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو خداوند متعال عنقریب ایسی ایک قوم کو بھیجے گا جن میں مذکورہ اوصاف من جملہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا وصف ہوگا۔

آیہء شریفہ میں یہ نہیں آیا ہے کہ "وہ مرتدوں سے جنگ کریں گے" لیکن فخر رازی نے اس جملہ کو اپنے استدلال کے لئے اس میں اضافہ کیا ہے۔

دوسری متعدد آیتوں میں بھی اس آیت کے مضمون سے مشابہ آیا ہے کہ اگر تم لوگ کافر ہو گئے تو خداوند متعال ایسے افراد کو بھیجے گا جو ایسے نہیں ہوں گے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ <فإن یکفر بہا ھؤلاء فقد وکلّنا بہا قوماً لیسوا بہا بکافرین>

)سورئہ انعام/۸۹)

"اگر یہ لوگ ان سے کفر اختیار کرتے ہیں)انکار کرتے ہیں)تو ہم ان پر ایک ایسی قوم کو مسلط کردیں گے کہ جو کفر اختیار کرنے والے نہیں ہوں گے)انکار کرنے والی نہیں ہے)

۲۔ <وإن تتولّوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا أمثالکم>

)سورۂ محمد/ ۳۸)

"اور اگر تم منہ پھیر لو گے تو وہ تمھارے بدلے دوسری قوم کو بھیج دے گا جو اس کے بعد تم جیسے نہ ہوں گے۔

۳۔<إلاّ تنفروا یعذّبکم عذاباً ألیماً ویستبدل قوماً غیرکم ولا تضرّوہ شیئاً>(سورئہ توبہ/۳۹)

"اگر تم راہ خدا میں نہ نکلو گے تو خدا تمھیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمھارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔"

لہذا اس آیت کا مضمون بھی مذکورہ مضامین کے مشابہ ہے،اور آیت میں کسی قسم کی ایسی دلالت موجود نہیں ہے کہ خداوند متعال ایک قوم کو بھیج دے گا جو مرتدوں سے جنگ کرے گی۔

۱۱۔کیاآیت میں حصر ائمہ معصومین)علیہم السلام)کی امامت کے منافی ہے؟

اگر آیہء شریفہ علی (علیہ السلام) کی امامت پر دلالت کرتی ہے تو یہ امامیہ مذہب کے عقاید سے متناقض ہے جس طرح اہل سنت مذہب سے اس کا تناقض ہے،کیونکہ شیعہ صرف علی (ع) کی امامت کے معتقد نہیں ہیں بلکہ بارہ اماموں کی امامت پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں؟

جواب:

اول یہ کہ: مذکورہ قطعی شواہد کی بنیاد پر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ آیہء شریفہ میں ولایت سے مرادسر پرستی اوررکوع سے مراد "نماز کا رکوع" ہے۔اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ آیت میں پایا جانے والا حصر، حصر اضافی ہے نہ حصر حقیقی، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر (ص) اورائمہ معصو مین) علیہم السلام) کے علاوہ کچھ دوسرے اولیاء بھی ہیں، جیسے فقہا، حکام، قاضی، باپ، دادااوروصی۔اگر ہم یہاں حصر سے حصر حقیقی مرادلیں تو آیت ان تمام اولیاء کی ولایت کی نفی کرے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔یہ بذات خودایک قرینہ ہے کہ آیہئ کریمہ میں موجودحصر، حصر اضافی ہےاوراس سے مرادرسول اکرم (ص) کے بعدحضرت علی علیہ السلام کی سر پرستی وولایت ہے۔موجودہ دلائل کے پیش نظر دوسرے ائمہ علیہم السلام کی امامت ثابت ہےاوراس میں کسی قسم کا منافات نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ: شیعہ امامیہ اوراہل سنت کی کتابوں میں موجودمتعددروایات کے مطابق

>الذین آمنوا<

سے مرادصرف حضرت علی علیہ السلام نہیں ہیں ا بلکہ تمام ائمہ معصومین

مذکورہ مستحی زکوۃ کوحالت رکوع میں دینے میں کامیاب ہوئے ہیں اورآیہء کریمہ نے آغاز ہی میں امامت کوان سچے اماموں میں منحصر کردیا ہے۔

۱۲۔کیاعلی) علیہم السلام) پیغمبراکرم (ص) کے زمانہ میں

بھی سرپرستی کے عہدہ پر فائز تھے؟

اگر آیہء شریفہ علی (ع) کی امامت پر دلالت کرے گی تو اس کالازمہ یہ ہوگا کہ علی (علیہ السلام) پیغمبر اکرم (ص) کی حیات کے دوران بھی ولی وسرپرست ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔

۱۔اصول

کافی، ج۱، ص۱۴۳، ح۷وص۱۴۶، ح۱۶وص۲۲۸، ح۱۳الحکمتبۃالاسلامیہ۔ کمال الدین، ج۱، ص۲۷۴۔۲۷۹،دارالکتب الاسلامیۃ فرائدالسمطین ، ج۱، ص۳۱۲، ح۲۵۰،موسستہ المحمودی للطباعۃ ونشر۔ینابیع المودۃ،ص۱۱۴۔۱۱۶

جواب:

اول یہ کہ حضرت علی علیہ السلام بہت سے دلائل کے پیش نظر پیغمبر اکرم (ص) کی زندگی میں بھی ولی وسرپرست تھے۔لیکن یہ سرپرستی جانشینی کی صورت میں تھی۔یعنی جب بھی پیغمبر اکرم (ص) نہیں ہوتے تھے،علی علیہ السلام آنحضرت (ص) کے جانشین ہوا کرتے تھے۔حدیث منزلت اس کا واضح ثبوت ہے اس طرح سے کہ وہ تمام منصب وعہدے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے تھے، وہ سب حضرت علی علیہ السلام کے لئے پیغمبر اکرم)ص) کی نسبت سے اس حدیث کی روشنی میں ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کی طرف روانہ ہوتے وقت اپنے بھائی سے مخاطب ہوکر فرمایا

:<إخلفني في قومي>"

میری قوم میں تم میرے جانشین ہو"۔ یہ خلافت کوہ طور پر جانے کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے ،جیسا کہ محققین اہل سنت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس بناء پر حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم (ص) کے جانشین تھے۔

دوسرے یہ کہ: فرض کریں کہ یہ ولایت کسی دلیل کی وجہ سے پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت نہیں ہے تو اس صورت میں پیغمبر اکرم (ص) کی حیات کے بعد آیہء ولایت کا اطلاق مقید ہوگا اور اس دلیل کی بنا پر یہ ولایت پیغمبر اسلام (ص) کی رحلت کے وقت سے حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہو جائے گی۔

۱۳۔کیا حضرت علی (علیہ السلام) کو آیہء ولایت کے پیش نظر چوتھا خلیفہ جانا جاسکتا ہے؟

فرض کریں آیہء شریفہ علی (علیہ السلام) کی امامت پر دلالت کرتی ہے تو یہ بات حضرت علی (علیہ السلام) سے پہلے تینوں خلفاء کی خلافت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اجماع اور شوریٰ کی بنا پر پہلے ہم ان خلفاء کی خلافت کے قائل ہوں گے اور پھر ان خلافتوں کے بعد آیہء ولایت

ا۔شرح مقاصد،تفتازانی، ج۵،ص۲۷۶،منشورات الشریف الرضی

پر عمل کریں گے جو حضرت (ع) کی امامت بیان کرنے والی ہے۔

جواب:

سب سے پہلے یہ کہ: مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں اجماع اورشوریٰ کے ذریعہ استدلال و استناد اسی صورت میں صحیح ہے جب اجماع وشوریٰ کے اعتبار کے لئے معتبر دلیل موجود ہو۔اوراس سلسلہ میں اہل سنت کی طرف سے پیش کیا جانے والا استدلال شیعہ امامیہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ: جس شوریٰ اوراجماع کا دعویٰ کیا گیاہے،وہ کبھی امت میں واقع نہیں ہوا ہے۔

تیسرے یہ کہ: اجماع اورشوریٰ کی دلیل اسی صورت میں صحیح ہے کہ مسئلہ کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہواوراگرکسی مسئلہ کے بارے میں خدا کی طرف سے کوئی نص موجود ہے تو اس مسئلہ میں نہ اجماع کسی کام کا ہے اورنہ شوریٰ۔ چنانچہ خداوند متعال فرماتا ہے:※ وما کان لمؤمن ولامؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ أمراأن یکون لھم الخیرۃ من امرھم※۱

”یعنی کسی مومن مرد یا عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جب خدااوررسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اس امر کے بارے میں اپنا اختیار جتائے“

۱۴۔ کیا حضرت علی (علیہ السلام) نے کبھی آیہء ولایت کے ذریعہ احتجاج واستدلال کیا ہے؟

اگر آیہء ولایت علی (علیہ السلام) کی ولایت پر دلالت کرتی ہے تو کیوں حضرت (ع) نے اپنی امامت کے لئے اس آیت سے استدلال نہیں کیا؟ جبکہ آپ (ع) نے شوریٰ کے دن اور دوسرے مواقع پر اپنے حریفوں کے سامنے اپنے بہت سے فضائل بیان کئے ہیں۔

۱۔سورۂ احزاب/۳۶

جواب:

بعض بزرگ شیعہ وسنی محدثین نے ایسے مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنی امامت کے سلسلہ میں دلائل پیش کرتے ہوئے من جملہ آیہء ولایت کو بھی بیان کیا ہے۔

ان میں سے ابراھیم بن محمد جوینی نے فرائد السمطین ۱ میں اور) شیعہ علماء میں سے (ابن بابویہ نے کمال الدین ۲ میں نقل کیا ہے کہ: ”حضرت علی علیہ السلام نے عثمان کی خلافت کے دوران ایک دن مسجد النبی (ص) میں مھاجر وانصار کی ایک جماعت کے سامنے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنی شأن میں ایہء ولایت کے نزول کی طرف اشارہ فرمایا۔“

ہم نے اس مفصل حدیث کو آیہء ”اولی لامر“ کی بحث کے آخر میں ذکر کیا ہے۔

کتاب "فرائدالسمطین" کے مصنف کی شخصیت کو پہنچاننے کے لئے آیہء "اولی الامر" کی تفسیر کے آخری حصہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۔فرائدالسمطین ،ج۱،ص ۳۱۲،مؤسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر

۲۔کمالالدین،۱،ص ۲۷۴

پانچواں باب:

آیہء صادقین کی روشنی میں امامت

<یاایّھاالذین آمنوااتقواﷲو کونوامع الصادقین> (سورئہ توبہ/۱۱۹)

”اے صاحبان ایمان !اللہ سے ڈرواور صادقین کے ساتھ ہوجاؤ“

جس آیہءشریفہ کے بارے میں ہم بحث وتحقیق کرنا چاہتے ہیں،اس پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک اخلاقی پہلو ہے مذکورہ آیت میں تقوی کا حکم دینے کے بعد مومنین سے یہ کہا جار ہا ہے کہ صادقین کے ساتھ ہوجاؤ۔لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہمیں ہمیشہ سرسری نگاہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔قرآن مجید کا ارشاد ہے:

<فارجع البصرھل تریٰ من فطورثمّ ارجع البصرکرّتین > (سورہ ملك/۳۔۴)

”پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہیں کوئی شگاف تونہیں ہے۔اس کے بعد بار بارنگاہ ڈالو“

خاص کرقرآن مجید میں اس کے بلند معارف تک رسائی اوراس کے مفاہیم کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے اس امرکی رعایت بہت ضروری ہے چنانچہ بعض مواقع پر خودقرآن نے تدبرکرنے کاحکم فرمایاہے۔ہمیشہ اور بار بارغوروخوض کی ضرورت ہے۔اس لئے قرآن مجید کے سلسلہ میں ابتدائی اورسرسری نگاہ ڈالنے پراکتفانہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کی آیتوں پرتدبر اورغوروخوض کرنا چاہیئے۔

اگر ہم اس آیہ کریمہ کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس آیت کریمہ میں قرآن مجید کے ایک عظیم اور اصلی معارف ،یعنی امامت ورہبری کے مسئلہ،کو بہترین تعبیر میں پیش کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے امامت سے مربوط آیات کی بحث وتحقیق میں یہ آیہ کریمہ بھی نمایاں اور قابل توجہ ہے۔اس آیہ شریفہ کے سلسلہ میں بحث وتحقیق چند محوروں پر مشتمل ہے:

۱۔آیت کے مفردات اور مفاہیم کی تحقیق۔

۲۔مذکورہ آیت کا اس سے پہلے والی آیات سے ربط

۳۔اس آیت کا مسئلہ رہبری سے ربط اور اس کے قرائن کی چھان بین پڑتال۔

۴۔علماءومفسرین کے بیانات

۵۔شیعہ،سنی احادیث وروایات

آیت کے بارے مفردات میں بحث

اس حصہ میں جن الفاظ کی تحقیق ضروری ہے وہ لفظ"صدق"اور"صادقین"ہیں۔اس سلسلہ میں پہلے ہم ان کے لغوی معنی پر ایک نظر ڈالیں گے اور ان کے بعد اس کے قرآنی استعمالات پر بحث کریں گے۔

استعمالات لغوی

اس سلسلہ میں ہم دو اہل لغت کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ا۔ابن منظور نے"لسان العرب ا"میں لفظ"صدق"کے مختلف استعمالات کو یوں بیان کیا ہے:

الصدق: نقیض الکذب، سچ، جھوٹ کی ضد ہے۔

رجل صدق: نقیض رجل سوء۔اچھا انسان برے انسان کی ضد ہے۔یعنی اچھائی اور برائی کی صفتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

وکذالک ثواب صدق وخمار صدق، اسی طرح کہا جاتا ہے اچھا لباس اور اچھا برقعہ۔

ویقال: رجل صدق، مضاف بکسر الصاد ومعناہ نعم الرجل ھو نیز اسی

ا۔لسان العرب، ج۱۰، ص۳۰۹۔۳۰۷

طرح حالت اضافت میں صاد کے کسرے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے"رجل صدق"یعنی وہ ایک اچھا مرد ہے۔

رجل صدق اللقاء وصدق النظر

،خوش اخلاق مرد اور خوش بین انسان۔

والصّدق:بالفتح الصلب من الرماح وغيرها، ورمح صدق:

مستو،و كذالك سيف صدق:

صاف اور سیدھا نیزہ، اور اسی طرح سیدھی تلوار کو بھی صدق کہتے ہیں۔

عن ابن درستويه: قال إنّما لصدق الجامع للأوصاف المحمودة.

ابن درستویہ کا کہنا ہے کہ ”صدق“اس شخص کوکہا جاتا ہے جس میں تمام پسندیدہ اوصاف موجود ہوں۔

قال الخلیل:الصدق:الکامل کلّ شیءٍ۔

خلیل نے کہاہے کہ ہر مکمل چیز کو”صدق“ کہتے ہیں۔

۲۔”مفردات قرآن ا“میں راغب کا کہنا ہے:

ویعبّر عن کل فعل فاضل ظاھر اًوباطناًً بالصدق،فیضاف إلیہ ذلك الفعل الّذی یوصف بہ نحو قولہ۔۔۔“

ہر وہ کام جوظاہر وباطن کے اعتبار سے اچھااور پسندیدہ ہوا سے”صدق“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اوراس کے موصوف کی”صدق“ کی نسبت)اضافت (دی جاتی ہے۔استعمالات قرآنی کے وقت ہم اس کے شاہد پیش کریں گے۔

استعمالات قرآنی

قرآن مجید میں ہمیں بہت سی ایسی آیات نظر آتی ہیں جن میں لفظ”صدق“کوایسی چیزوں کی صفت قرار دیا گیاہے جوگفتگووکلام کے مقولہ نہیں ہےں۔نمونہ کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔مفردات فی القرآن،ص۲۷۷،دارالمعرفة،بیروت

”وبشّر الّذین آمنوا ا ٔانّ لھم قدم صدق عندربّھم>

(سورہ یونس/ ۲)

اس آیہء شریفہ میں "صدق"، "قدم" کی صفت واقع ہے۔

<ولقد بوّأنا بنی اسرائیل مبوّأ صدق>سورئہ یونس/۹۳)

اس آیہء شریفہ میں "صدق" کو "جگہ" کی صفت قرار دیا گیا ہے۔

<وقل ربّ أدخلنی مدخل صدق وأخرجنی مخرج صدق>سورئہ اسراء/۸۰)

اس آیہء شریفہ میں "مدخل" و "مخرج" یا اسم مکان) داخل اور خارج کرنے کی جگہ) ہیں یا مصدر) خود کو داخل کرنا یا خارج کرنا) ہیں۔ بہر حال کسی طرح بھی مقولہ کلام سے نہیں ہے۔

<فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر>)سورئہ قمر/۵۰)

اس آیہ شریفہ میں "صدق"، "مقعد") جگہ اور بیٹھنے) کی صفت ہے۔

<لیس البرّ أن تولّوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولکنّ البرّ من آمن بالله والیوم الآخر والملائکة والکتاب والنبیّین وآتی المال علی حبّه ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوة وآتی الزکوة والموفون بعهدهم إذا عاهدوا والصابرین فی البأساء والضرّاء وحین البأس اولئك الّذین صدقوا واُولئك هم المتّقون>)سورئہ بقرہ/۱۷۷)

اس آیہء شریفہ میں خداوند متعال نے پہلے نیکیوں کو عقائد کے شعبہ میں یعنی خدا، قیامت، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور انبیاء پر ایمان کے سلسلہ میں اس کے بعد عمل کے شعبہ میں یعنی اپنے رشتہ داروں، محتاجوں، ابن سبیل اور سائلوں کو انفاق کرنا، خدا کی راہ میں

بندوں کو آزاد کرنا نیز ایفائے عہد کرنا وغیرہ وغیرہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس کے بعد اخلاقی شعبہ میں یعنی مشکلات و پریشاں نیوں میں صبر وتحمل استقامت و پائیداری کا مظاہرہ کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اور مذکورہ تینوں شعبوں میں نیکیاں کرنے والوں صدق وتقویٰ کے ذریعہ تعریف کرتا ہے۔

لغت اور آیات کریمہ میں مذکورہ استعمالات کے پیش نظر واضح ہوجاتا ہے کہ"صدق" کا ایک ایسا وسیع مفہوم ہے کہ جس کا دائرہ صرف مقولہء،کلام،وعدہ وخبر تک محدود نہیں ہے،بلکہ یہ فکرواندیشہ عقائد واخلا قیات نیز انسانی رفتار جیسے دیگر موارد پر بھی اطلاق کرتا ہے اور اس کا استعمال ان موارد میں حقیقی ہے۔

اس آیت کا گزشتہ آیات سے ربط

اس آیت سے پہلی والی آیت) جیسا کہ تفسیر وحدیث کی کتابوں میں آیا ہے)ان مومنین کے بارے میں ہے کہ جنھوں نے پیغمبر اسلام (ص) کے ہمراہ جنگ تبوک میں جانے سے انکار کیا تھا اور اس کے بعد نادم اور پشیمان ہوکر انھوں نے توبہ کرلی تھی،مسلمانوں نے پیغمبر اکرم (ص) کے حکم سے ان کے ساتھ اپنے رشتہ ناطے توڑ دئے تھے،یہاں تک کہ ان کی بیویوں نے بھی ان سے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔

انہوں نے جب شہر سے باہر نکل کر بارگاہ الٰہی میں التماس والتجا کی اور خدا کی بارگاہ میں توبہ کی تو خداوندمتعال نے ان کی توبہ قبول کی اور وہ پھر سے اپنے لوگوں اور اپنے خانوادوں میں

واپس لوٹے۔

بعد والی آیت میں بھی خداوند متعال فرماتا ہے "اہل مدینہ اوراس کے اطراف کے لوگوں کو نہیں چاہئیے کہ پیغمبر خدا (ص) کی مخالفت اوران سے روگردانی کریں۔اس کے بعد خدا کی راہ میں مشکلات و پریشانیاں،بھوک وپیاس کی سختیاں برداشت کرنے کی قدرواہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

اس آیہءشریفہ (زیر بحث آیت) میں مؤمنین کو مخاطب کر کے انھیں تقویٰ وپرہیز گاری کا حکم دیا گیا ہے،اورانھیں اس بات کا پیغام دیا گیا ہے کہ وہ "صادقین" کے ساتھ ہوجائیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ آیہءشریفہ میں "صادقین" سے مراد کون لوگ ہیں؟

اس آیت کا ائمہ معصومین (ع) کی امامت سے ربط

ابتدائی نظر میں (جیسا کہ "صدق" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا گیا) ایسا لگتا ہے کہ جملہ

<کونوامع الصادقین>

سے مراد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم ہے۔

قابل غور بات اور جو چیز ضروری ہے وہ سچ بولنا اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا ہے۔لیکن سچ بولنے والوں کے ساتھ ہونا یہ شرعی واجبات میں سے نہیں ہے،جبکہ سچوں کے ساتھ ہونے کا یہ آیہ شریفہ میں حکم ہوا ہے اور یہ امر وجوبی ہے اور جملہ ※ کونوا مع الصادقین ※ کا وقوع" اِ

تقوا اللّٰہ" کے سیاق میں ہے کہ جس میں تقوائے الٰہی کا حکم تھالہذا یہ بیشک وجوب کے لئے ہے اور اس سے وجوب کی مزید تاکید ہوتی ہے۔

مفہوم صدق کی وسعت کے پیش نظر مقولہ کلام و گفتگو تک محدودیت نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ فکر و عقائد، اخلاق و کردار نیز رفتار و عمل تک پھیلا ہوا ہے کہ جس میں صادقین سے ہونے کو آیہء کریمہ میں واجب قرار دیا گیا ہے، ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صادقین کے ساتھ ہونے سے مراد جسمانی معیت اور ہمراہی نہیں ہے بلکہ ہمراہی ہر اس چیز میں ہے جس میں صحت وسچائی پائی جاتی ہو اور آیہء کریمہ میں صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدق مطلق کے مالک ہیں نہ مطلق صدق کے۔او رصدق مطلق وہ ہے جو ہر جہت سے سچا اور صحیح ہو اور فکر وعقائد، گفتار و کردار اور اخلاقیات کے لحاظ سے کسی طرح کا انحراف نہ رکھتا ہو۔اس طرح کا شخص معصوم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا ہے۔اس طرح کے انسان کے ساتھ ہونے کا مطلب اس کے افکار و عقائد، کردار و اخلاق کی پیروی کرنا ہے۔

چونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ چودہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی صاحب عصمت اور صدق مطلق کا مالک نہیں ہے، اس لئے" صادقین" سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہوں گے۔

علماء و مفسرین کے بیانات کی تحقیق

اس سلسلہ میں ہم صرف دو بزرگ علماء کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

علامہ بہبہانی کا قول:

پہلا قول شیعہ امامیہ کی ایک عظیم شخصیت و بزرگ عالم دین، گراں قدر مفکر مرحوم علامہ محقق سید علی بہبہانی کا ہے۔ وہ اپنی عظیم کتاب "مصباح الهدایہ" (کہ جو واقعاً امامت کے بارے میں ایک بے نظیر کتاب ہے) میں آیہء شریفہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقداستفاضت الروایات من طریقناوطریق العامةأنّ الصادقین هم أهل بیت النبیّ المطهّرون۔"وقد ذکرفی غایة المرام عشرةخبارمن طریقناوسبعةأخبارمن طریق العامة۔١

أقول:ویدلّ علی اختصاص الصادقین فی الآیةالکریمه فی الأئمّة المعصومین الطبّین من آل محمد (ص)وعدم إرادة مطلق الصادقین منه۔ کمادلّت علیه الروایات المستفیضة من الطرفین:أنّه لوکان المراد بالصدق مطلق الصدقالشامل لکلّ مرتبة منه المطلوب من کلّ مؤ من،وبالصادقین المعنی العام الشامل

١۔نهایةالمرام،ص ۲۴۸

لکلّ من اتّصف بالصدق فی أیّ مرتبة کان،لوجب أن یعبّرمکان"مع" بکلمة"من"ضرورةأنّه یجب علی کلّ مؤمن أن یتحرزعن الکذب و یکون مع الصادقین۔فالعدول عن کلمة "من"إلی"مع" یکشف عن أن المراد

"بالصدق"مرتبة مخصصة و"بالصادقين" طائفة معينة. ومن المعلوم أنّ هذه المرتبة مرتبة كاملة،بحيث يستحقالمتصفون بها أن يتبعهم سائر المؤمنين جميعاً،وهذاالمرتبة الكاملة التى تكون بهذه المثابة ليست إلاّ العصمة والطهارة التى لم يتطرّق معها كذب فى القول والفعل،إذفى الأئمّة من طهّره الله تعالى وأذهب عنه الرجس!وهم أهل بيت النبيّى بنصّاية التطهيرواتّفاق جميع المسلمين.

فلوأُريد من الصّادقين غير المعصومين لزم أن يكون المعصومون مأمورين بمتابعة غير المعصومين المتطرّق فيهم الكذب و لو جهلاً أو سهواً و هو قبيح عقلاً ، و تعيّن أن يكون المراد الصادقين المطهّرين الحائزين جميع مراتب الصدق قولاً و فعلاً،ولا يصدق ذلك إلاّ على أهل بيت النبيّى (ص) الّذين أذهب اللّٰه عنهم الرجس و طهّرهم تطهيراً، و إليه يشير قول مولانا الرضا (عليه السلام)"هم الأئمّة الصديقون بطاعتهم"1

و يدلّ على كونهم أئمّة كمانبّه عليه مولانا الرضا (عليه السلام) فى هذه الرواية أمره سبحانه وتعالى جميع المؤ منين بعد أمرهم بالاتّقاء عن محارمه بأن يكونوا مع الصادقين، ولا يصدق الكون

1۔فى المصدر:"والصديقون بطاعتهم "فراجع

معهم إلا بأن يكونوا تحت طاعتهم ،متحرّزين عن مخالفتهم ۔ وليس

للإمامة معنى إلاّافتراض طاعة الإمام على المأموم من قبله تعالى،بل لا تعبيراًقرب إلى معنى الإمامة من أمر المؤمنين بأن يكونوا معه،إذ حقيقة الإئتمام عبارة عن متابعة المأموم إمامه وعدم مفارقته عنه۔١

شیعہ اور اہل سنّت سے مستفیض ٢ روایتیں نقل ہوئی ہیں کہ آیہء شریفہ میں صادقین سے مراد) پیغمبر اسلام (ص)) کے اہل بیت علیہم السلام ہیں۔مرحوم بحرانی نے اپنی کتاب "غایۃ المرام" میں شیعہ طریقہ سے دس احادیث اور سنی طریقہ سے سات احادیث نقل کی ہیں۔

آیہء کریمہ میں "صادقین" سے مراد) جیسا کہ فریقین کی احادیثوں میں ایا ہے)ائمہء معصومین علیہم السلام ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر "صدق") سچائی) کہ جو "صادقین" کے عنوان میں ماخوذ ہے،اس سے مراد مطلق سچائی ہے کہ جو ہر مرتبہ کو شامل ہے اور "صادقین" کے زمرے میں ہر وہ شخص شامل ہو کہ جو صفت صدق کے کسی بھی مرتبہ سے متصف ہے تو آیہء کریمہ کی تعبیر "کونوا من الصادقین" ہونی چاہئے تھی اور اسصورت میں اس آیت کے معنی یہ ہوتے کہ ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ سچ بولنے والوں سے ہو اور جھوٹ سے پرہیز کرے۔

یہ جو "مع الصادقین" تعبیر ہے، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ "صدق" سے مراد ایک خاص مرتبہ و مقام ہے اور "صادقین" سے مراد ایک مخصوص اور ممتاز گروہ)اور صادقین کے ساتھ ہونے کا معنی ان کی پیروی کرنا) ہے۔

صفت صدق کا کامل اور نہائی مرتبہ وہی عصمت وطہارت ہے جس کی وجہ سے گفتار و کردار

میں سچائی مکمل طور پر محقق ہوتی ہے۔

۱۔"مصباح الہدایۃ" ص ۹۳۔۹۲، مطبع سلمان فارسی قم ۲۔سے دس تک کی احادیث پر "حدیث مستفیض" اطلاق ہوتا ہے)اس مطلب کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ)اگر "صادقین" سے مراد ائمہ معصومین (ع) کے علاوہ کوئی اور ہوں تو اس فرض کی بنیاد پر کہ آیہء تطہیر کی نص موجود ہے اور تمام مسلمانوں کا اہل بیت کے معصوم ہونے پر اتفاق ہے، اس کا لازمہ یہ ہوتا کہ تمام انسان حتی کہ ائمہ معصومین بھی غیر معصوم کی اطاعت و پیروی کریں اور یہ عقلاً قبیح ہے۔لہذا یہ مرتبہ)عصمت وطہارت) پیغمبر (ص) کے خاندان کے علاوہ کہیں اور نہیں پایا جاسکتا ہے۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ خداوند متعال نے آیت کی ابتداء میں تمام مؤمنین کو تقویٰ اور گناہوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے بعد انہیں "صادقین" کے ساتھ ہونے کا فرمان جاری کیا ہے، اور ان کے ساتھ ہونے کا مطلب ان کی اطاعت کرنے اور ان کی نافرمانی نہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور امامت کے معنی بھی اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے ں کہ ماموم پر امام کی اطاعت واجب ہے۔

اگر ہم امامت واطاعت کی صحیح تعبیر کرنا چاہیں تو بہترین تعبیر یہ ہے کہ امام کے ساتھ ہونا اور اس کی پیروی واطاعت سے جدا نہ ہونا ہے۔

فخر رازی کا قول

دوسرا قول اہل سنت کے مشہور و معروف علامہ فخر رازی کا ہے۔ وہ آیہء شریفہ کی تفسیر میں کہتے ہیں:

"و فی الآیة مسائل: المسائلة الاُولی: ائنّه تعالی ائمر المؤمنین بالکون مع الصادقین! و متی وجب الکون مع الصادقین فلا بدّ من وجود الصادقین فی کلّ وقت، و ذلك یمنع من إطباق الکلّ علی الباطل، و متی إمتنع إطباق الکلّ علی الباطل وجب إذا اُطبقوا علی شیء ائن یکونوا محقّین۔ فھذا یدل علی ائنّ إجماع الائمّة حجّة۔

فإن قیل: لمَ لا یجوز ائن یقال: المراد بقوله: < کونوا مع الصادقین > ائی کونوا علی طریقة الصادقین، کما ائنّ الرجل إذا قال لولده: "کن مع الصالحین" لا یفید إلاّ ذلك؟

سلّمنا ذلك، لکن نقول: إن ھذا الائمر کان موجوداً فی زمان الرسول فقط، فکان ھذا ائمراً بالکون مع الرسول، فلا یدّل علی وجود صادق فی سائر الائزمنة۔

سلّمنا ذلك لکن لم لا یجوز ائن یکون الصادق ھو المعصوم الذی یمتنع خلوّ زمان التکلیف عنه کما تقوله الشیعة؟

و الجواب عن الاول: ائنّ قوله: < کونوا مع الصادقین > ائمر بموافقة الصادقین، و نھی عن مفارقتھم، و ذلك مشروط بوجود الصادقین وما لا

يتمّ الواجب إلاّ به فهو واجب۔ فدّلت هذه الآية على وجود الصادقين ۔ و
قوله: " إنّه عدول عن الظاهر من غير دليل۔
قوله: " هذا الأمر مختصّ بزمان الرسول (ص) أنّ التكاليف المذكورة في القرآن متوجهة إلى المكلّفين إلى قيام القيامة، فكان الأمر في هذا التكليف كذلك۔
الثاني : أنّ الصيغة تتناولال أوقات كلّها بدليل صحة الاستثناء۔
الثالث: لمّا لم يكن الوقت المعين مذكوراً في لفظ الآية لم يكن حمل الآية على البعض أولى من حمله على الباقي۔ فإمّا أن لا يحمل على شيء من الأوقات فيفضي إلى التعطيل و هو باطل ! أو على الكلّ فهو المطلوب۔ و
الرابع: و هو أنّ قوله: <يا أيّها الّذين آمنوا اتّقوا الله> أمر لهم بالتقوى و هذا الأمر إنّما يتناول من يصحّ منه أن لا يكون متّقياً، و إنّما يكون كذلك لو كان جائز الخطأ۔ فكانت الآية دالّة على أنّ من كان جائز الخطأ وجب كونه مقتدياً بمن كان واجب المعصمة، و هم الّذين حكم الله تعالى بكونهم صادقين۔ فهذ ايدّل على أنّه واجب على جائز الخطأ كونه مع المعصوم عن الخطأ حتى يكون المعصوم عن الخطأ مانعا لجائز الخطأ عن الخطأ! و هذا المعنى قائم في جميع الأزمان، فوجب حصوله في كل الازمان۔
قوله: "لم لا يجوز أن يكون المراد هو كون المؤمن مع المعصوم الموجود في

کلّ زمان"

قلنا: نحن نعترف بأنّه لابدّ من معصوم فی کلّ زمان،إلا أنّا نقول: ذلك المعصوم هو مجموع الأئمّة و أنتم تقولون ذلك المعصوم واحد منهم۔

فنقول: هذا الثانی باطل، لأنّه تعالی أوجب علی کلّ واحد من المؤمنین أن یکون مع الصادقین،وإنّما یمکنه ذلك لو کان عالماً بأن ذلك الصادق من هو ،لا الجاهل بأنّه من هو۔

فلو کان مأموراً بالکون معه کان ذلك تکلیف مالا یطاق، وأنّه لا یجوز، لکنّا لا نعلم إنساناً معیّناً موصوفاً بوصف العصمة، والعلم

بأنّا لانعلم هذا الانسان حاصل بالضرورة، فثبت أنّ قوله: <و کونوا مع الصادقین> لیس أمراً بالکون مع شخص معیّن۔

و لمّا بطل هذا بقی أنّ المراد منه الکون مع مجموع الأُمّة، وذلك یدل علی أنّ قول مجموع الأُمّة حقّ و صواب ، و لا معنی لقولنا، "الإجماع حجة" إلاّ ذلك"[1]

ترجمہ:

"خداوندمتعال نے مومنین کوصادقین کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے۔اس مطلب کالازمہ یہ ہے کہ ہرزمانہ میں صادقین کا وجود ہو اور یہ اس بات کے لئے مانع ہے کہ پوری امت کسی باطل امر پراتفاق کرے۔اس لئے اگر پوری امت کسی چیز پراتفاق کرتی ہے تو ان کا یہ اتفاق صحیح وبرحق ہوگا اور یہ، اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔

اگر کہا جائے: صادقین کے ساتھ ہونے کا مقصد یہ کیوں نہیں ہے کہ صادقین کے طریقہ کار کی پیروی کرے، چنانچہ اگر ایک باپ اپنے بیٹے سے کہے: "صالحین کے ساتھ ہو جاؤ" یعنی صالحین کی روش پر چلو) اور یہ امر اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ ہر زمانہ میں صادقین کا وجود ہو)

جواب یہ ہے کہ: یہ خلاف ظاہر ہے، کیونکہ ※ وکون امع الصادقین ※ یہ ہے کہ پہلے ان صادقین کا وجود ہو جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

مزید اگر یہ کہا جائے کہ: یہ جملہ صرف رسول خدا (ص) کے زمانہ میں موضوعیت رکھتا تھا، کیونکہ اس زمانہ میں صرف آنحضرت (ص) کی ذات صادق کے عنوان سے موجود تھی اور یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ ہر زمانہ میں صادقین موجود ہوں۔

۱۔التفسیر الکبیر،فخر رازی،ص۲۲۱۔۲۲۰،داراحیاء التراث العربی، بیروت

اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ خطاب قرآن مجید کے دوسرے خطابوں کے مانند قیامت تک کے لئے تمام مکلفین سے متعلق و مربوط ہے اور اس میں ہر زمانہ کے مکلفین سے مخاطب ہے اور یہ خطاب رسول اللہ (ص) کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ استثناء صحیح ہے) اور استثناء کے صحیح ہونے کی دلیل ہمیشہ مستثنیٰ منہ میں عمومیت کا پایا جاتا ہے)۔

اس کے علاوہ خداوند متعال نے پہلے مرحلہ میں مؤمنین کو تقویٰ کا حکم دیا ہے، اور یہ انھیں تمام افراد کے لئے تقویٰ کا حکم ہے کہ جن کے لئے امکان ہے کہ متقی نہ ہوں اور اس خطاب کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جو جائز الخطاء ہیں۔لہذا آیہء شریفہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جائز

الخطاء افراد کو ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے کہ جو خطا سے معصوم ہوں تا کہ وہ معصوم لوگ انھیں خطا سے بچا سکیں۔ اور اس طرح کا امکان ہر زمانہ میں ہے۔ اس لئے آیۂ شریفہ تمام زمانوں سے متعلق ہے اور صرف پیغمبر (ص) کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔

یہاں تک فخر رازی کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صادقین سے مراد خطا سے معصوم افراد ہیں اور یہ افراد ہر زمانہ میں موجود ہیں اور یہ مطلب صحیح اور نا قابل اشکال ہے۔

لیکن فخر رازی کا کہنا ہے:

"معصوم" صادقین" امت کے مجموعی افراد ہیں اور یہ امت کے خاص اور مشخص افراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں ہر ایک پر لازم ہے کہ ان معین مشخص افراد کو پہچانے ان کی معرفت حاصل کرے تا کہ ان کے ساتھ ہو جائے جبکہ یہ معرفت اور آگا ہی ممکن نہیں ہے اور ہم ایسے خاص افراد کو نہیں پہچانتے ہیں کہ جو خطا و غلطی سے پاک اور معصوم ہوں۔ لہذا اس بات کے پیش نظر معصوم صادقین سے مراد مجموعہ امت ہے کہ جس کا نتیجہ اجماع کی حجیّت ہے۔"

فخر رازی کے قول کا جواب

فخر رازی کے بیان میں دو نمایاں نکتے ہیں:

پہلا نکتہ: یہ ہے کہ معصوم صادقین سے مراد مشخص و معیّن افراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ہمیں ان کے بارے میں علم و آگاہی نہیں ہے۔

اس قول کا صحیح نہ ہونا واضح و روشن ہے، کیونکہ شیعہ اماموں کی عصمت کی دلیلوں کی طرف رجوع کرنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے، جن احادیث میں ان معصوم اماموں کا صراحتاً نام لیا گیا ہے، وہ تواتر کی مقدار سے زیادہ ہیں نیز یہ حدیثیں بعض سنی منابع اور بے شمار شیعہ منابع میں ذکر ہوئی ہیں۔

دوسرا نکتہ: یہ کہ "معصوم صادقین سے مراد تمام امت ہے" اس پر بہت سارے اعتراضات ہیں ذیل کے عبارت میں ملاحظہ ہو:

۱۔ چودہ معصومین (ع) کی عصمت کے علاوہ کسی اور کی عصمت کا قول تمام مسلمانوں کے قطعی اجماع کے خلاف ہے

۲۔ آیہ شریفہ میں صادقین کے عنوان) جو ایک عام عنوان ہے) سے جو چیز ظاہر ہے وہ اس کا استغراقی اور شمولی ہونا ہے نہ کہ مجموعی ہونا اور فخر رازی کے کلام سے جو بات ظاہر اور واضح ہے کہ عصمت مجموعہ امت کی صورت میں ہے نہ جمیع امت کی صورت میں اور "مجموعہ" ایک اعتباری عنوان ہے جو وحدت افراد کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیتا ہے۔ عنوان عام میں اصل "استغراقی ہونا" ہے، کیونکہ عام مجموعی مجاز ہے اور اسے قرینہ کی ضرورت ہے جبکہ اصالۃ الحقیقۃ کا تقاضا یہ ہے کہ عام، جس کا حقیقی عنوان استغراقی ہونا ہے اس پر حمل ہو۔

۳۔ عصمت ایک حقیقی عنوان ہے اور اسے ایک حقیقی موضوع کی ضرورت ہے، اور عام مجموعی ایک اعتباری موضوع ہے اور حقیقی موجود کا اعتباری موضوع پر قائم ہونا محال ہے۔

۴۔ فخر رازی کا قول "یا ایھا الذین آمنوا" اور صادقینکے درمیان ایک دوسرے مقابل ہونے کا

جو قرینہ پایا جاتا ہے اس کے خلاف ہے اور ان دو عناوین کے درمیان مقابلہ کا تقاضا ہے کہ وہ مومنین کہ جن کو خطاب کیا جا رہا ہے وہ دوسرے ہوں اور وہ صادقین جو ان کے مقابل میں قرار دیئے گئے ہیں اور جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے وہ دوسرے ہوں۔

۵۔صادقین سے مراد مجموعہ امت)عام مجموعی) ہونا خود فخر رازی کے بیان سے متناقص ہے، کیونکہ اس نے اس مطلب کی توجیہ میں کہ صادقین کا اطلاق فقط پیغمبر (ص) کی ذات میں منحصر نہیں ہے، کہا ہے:

” آیہء شریفہ اس پہلو کو بیان کرنے والی ہے کہ ہر زمانے میں ایسے مؤمنین کا وجود رہا ہے کہ جو جائز الخطا ہوں اور ایسے صادقین بھی پائے جاتے رہے ہیں کہ جو خطا سے محفوظ اور معصوم ہوں اور ان مؤمنین کو چاہیئے کہ ہمیشہ ان صادقین کے ساتھ ہوں۔“

لہذا فخر رازی نے ان مؤمنین کو کہ جن کو خطاب کیا گیا ہے جائز الخطا اور صادقین کو خطا سے معصوم فرض کیا ہے۔

اس آیت کے بارے میں شیعہ اور سنّی احادیث

حاکم حسکانی اپنے تفسیر”شواہد التنزیل ۲“میں چند ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آیہ شریفہ میں”صادقین“ سے مراد (ص) اور حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام یا پیغمبر اکرم (ص) کے اھل بیت (ع) ہیں۔یہاں پر ہم ان احادیث میں سے صرف

۱۔اھل سنت کے بڑے مشھور معروف عالم دین، ذھبی نے حسکانی کے

بارے میں کھاھے:"شیخ متقن ذوعنایة تامة بعلم الحدیث،وکان معمّراً عالی الاسناد۔تذکرة الحفاظ،ج۳،ص۱۲۰۰،دارالکتب العلمیة بیروت۔یعنی:متقن اورمحکم اسناد میں علم حدیث کے بارے میں خاص اهمیت و توجه کے کامل رکھتے هیں۔انهوں نے ایك طولانی عمر گذاری هے اور)حدیث میں)عالی اسناد کے مالك تھے ۔ ۲۔شواهد التنزیل،ج۱،ص۳۴۱

ایک کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

"حدثنایعقوب بن سفیان البسوی قال:حدثناابن قعنب،عن مالك بن ائنس،عن نافع،عن عبدالله بن عمر فی قوله تعالی:

<اتقوالله>قال:ائمرالله اصحاب محمد (ص)بائجمعهم ائن یخافوا الله،ثمّ قال لهم :<کونوامع الصادقین>یعنی محمداً واهل بیته۔"۱

"یعقوب بن سفیان بسوی نے ابن قنعب سے،اس نے مالک بن انس سے،اس نے نافع سے اس نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ خداوندمتعال کے اس قول:"اتقوااللّہ" کے بارے میں کہا:خداوندمتعال نے پیغمبراکرم (ص) کے تمام اصحاب کوحکم دیا کہ خدا سے ڈریں۔اس کے بعدان سے کہا:'صادقین"یعنی پیغمبر(ص)اوران کے اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ ہوجائیں۔"

اسی حدیث کوشیعوں کے عظیم محدث اور بزرگ عالم دین ابن شہرآشوب ۲ نے تفسیر یعقوب بن سفیان سے،مالک بن انس سے،نافع بن عمر سے روایت کی ہے۔

شیعوں کے ایک بہت بڑے محدث کلینی نے اس سلسلہ میں اصول کافی میں یوں روایت کی ہے:

"عن ابن اُذینه،عن برید بن معاویةالعجلی قال: ا ٔباجعفر-علیه السلام-عن قول الله عزّوجلّ:<اتقوا الله و کونوا مع الصادقین>قال: إیاّ نا عنی"۔٣

١۔شواہد التنزیل، ج١،ص ٣٤٥، ح ٣٥٧

٢۔ذہبی نے تاریخ اسلام میں ٥٨١ ئھ سے ٥٩٠ ئھ کے حوادث کے بارے میں بعض بزرگ علماء)ابن ابی طی) کی زبانی اس کی تمجید کی ہے اور اسے اپنے زمانہ کے امام اور مختلف علوم میں بے مثال شمار کیا ہے اور علم حدیث میں اسے خطیب بغدادی کے ہم پلہ اور علم رجال میں یحیی بن معین کے مانند قرار دیا ہے اور اس کی سچائی وسیع معلومات نیز، کثرت خشوع وعبادت اورتہجد کا پابند ہو نے سے متصف کیا ہے۔مناقب،ابن شہرآشوب، ج ٣،ص ١١١، ذوی القربیٰ ٣۔اصول کافی، ج١،ص ٢٠٨،مکتبۃ الصدق

"ابن اذینہ نے برید بن معاویہ عجلی سے روایت کی ہے انھوں نے کہا: میں نے خداوند متعال کے قول

<اتقوا الله و کونوا مع الصادقین>

کے بارے میں امام باقر (علیہ السلام) سے سوال کیا،حضرت (ع) نے فرمایا: خداوند متعال نے اس سے صرف ہمارے)اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کے) بارے میں قصد کیا ہے۔"

اہل سنّت کے ایک بہت بڑے محدث جوینی نے ایک روایت میں یوں نقل کیا ہے:

"ثمّ قال علیّ(علیه السلام):ائنشدکم الله ائتعلمون ائنّ الله ائنزل <یاائیّها الّذین آمنوا اتّقوا الله و کونوا مع الصادقین>فقال سلمان: یارسول الله،عامّة هذاائم خاصّة؟قال:ائمّا المؤمنون فعامّة المؤمنین ائمروا بذلك،وائمّا الصادقون فخاصّة لائخی علیّ وائوصیائی من بعد إلی یوم القیامة قالوا:اللّهمّ نعم۔"[۱]

"اس کے بعد علی (علیہ السلام) نے فرمایا: تمھیں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں۔کیا تم جانتے ہو،جب یہ

آیہ<یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله و کونوا مع الصادقین>

نازل ہوئی،توسلمان نے آنحضرت سے کہا: یارسول اللہ! (ص) کیا یہ آیت اس قدر عمومیت رکھتی ہے تمام مؤمنین اس میں شامل ہو جائیں یا اس سے کچھ خاص افراد مراد ہیں؟ پیغمبر (ص) نے فرمایا: جنہیں یہ حکم دیا گیا ہے اس سے مراد عام مؤمنین ہیں،لیکن صادقین سے مرادمیرے بھائی علی (علیہ السلام) اوراس کے بعد قیامت تک آنے والے میرے دوسرے اوصیاء ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا: خدا شاہد ہے،جی ہاں۔"

البتہ اہل سنت کی حدیث وتفسیر کی بعض کتابوں میں چند دوسری ایسی روایتیں بھی نقل

۱۔فرائد السبطین ،ج۱،ص۳۱۷،مؤسسه المحمودی للطباعة والنشر ،بیروت،کمال الدین ،ص ۲۶۴۔بحار الانور،ج ۳۳ص ۱۴۹۔مصباح الهدایة،ص ۹۱ طبع سلمان الفارسی۔قابل ذکر ہے کہ مؤخر الذکر مدرک میں بجائے"أنشدکم اللّٰہ"اسالکم باللّٰہ" آیا ہے۔

ہوئی ہیں،جن میں ”صادقین“ سے مراد کے بارے میں ابوبکر وعمر یا پیغمبر (ص) کے دوسرے اصحاب کولیا گیا ہے۔البتہ یہ روایتیں سند کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں ہیں۔ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ابن عساکر نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ

:<یاایّھاالذین آمنوااتقوااللہ وکونوامع الصادقین>قال:مع ابی بکروعمراصحابھما۱“

آیہءشریفہ میں ”صادقین“ سے ابوبکر،عمراوران کے اصحاب کا قصد کیا گیا ہے ۲۔طبری نے سعید بن جبیر سے ایک اورروایت نقل کی ہے کہ ”صادقین“ سے مرادابوبکر وعمر ہیں۔۲

ان احادیث کا جواب:

پہلی حدیث کی سند میں جویبر بن سعیدازدی ہے کہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ۳ میں علم رجال کے بہت سارے علما،جیسے ابن معین،ابن داؤد،ابن عدی اورنسائی کے قول سے اسے ضعیف بتایا ہے،اورطبری ۴ نے اسی روایت کوضحاک سے نقل کیا ہے کہ اس کی سند میں بھی جویبر ہے۔

دوسری روایت کی سند میں اسحاق بن بشر کاہلی ہے کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ۱۵ابن ابی شیبہ،موسی بن ہارون،ابوذرعہ اوردارقطنی کی روایت سے اسے جھوٹا اور حدیث روایت سے اسے جھوٹا اور حدیث جعل کرنے والا بتایا ہے۔

دوسرے یہ کہ: اس کے بعد کہ ہم نے خود آیہء شریفہ اوراس کے شواہد سے جان لیا کہ آیت میں "صادقین" سے مراد وہ معصوم ہیں جن کے ساتھ ہونے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ جو بھی مسلمانوں کے اتفاق نظر سے معصوم نہ ہو وہ اس آیت) صادقین کے دائرے) سے خارج ہے۔

۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳۰ ص ۳۱۰ دار الفکر

۲۔ جامع البیان، ج ۱۱، ص ۴۶

۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۱۰۶ دار الفکر۔

۴۔ جامع البیان، ج ۱۱، ص ۴۶

۵۔ میزان الاعتدال، ج ۱ ص ۱۸۶، دار الفکر

چھٹا باب:

امامت آیۂ تطہیر کی روشنی میں

إِنّما یرید اللّٰہ لیذ ھب عنکم الرجس أہل البیت ویطہّر کم تطھیرا ※ (سورہ ٔاحزاب/ ۳۳)

"بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت! تم سے ہر قسم کی برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"

ایک اور آیت جو شیعوں کے ائمہء معصومین (ع) کی عصمت پر دلالت کرتی ہے وہ آیۂ تطہیر ہے۔ یہ آیہء کریمہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپکے اہل بیت علیہم السلام، یعنی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور شیعہ امامیہ کے بارہ معصوم اماموں کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

آیہء کریمہ کی دلالت کو بیان کرنے کے لئے اس کے چند پہلو قابل بحث ہیں:

۱۔ آیہء کریمہ میں لفظ "إِنّما" فقط اور انحصار پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ آیہء کریمہ میں ارادہ سے مراد ارادہ، تکوینی ہے نہ ارادہ تشریعی۔

۳۔ آیہء کریمہ میں "اہل بیت" سے مراد صرف حضرت علی، فاطمہ، وحسن وحسین (علیہم السلام) اور ان کے علاوہ شیعوں کے دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں اور پیغمبر اسلام (ص) کی بیویاں اس سے خارج ہیں۔

۴۔ آیہء کریمہ کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات

"اِنّما" حصر کا فائدہ دیتا ہے

جیسا کہ ہم نے آیہء ولایت کی تفسیر میں اشارہ کیا کہ علمائے لغت وادبیات نے صراحتاً بیان کیا ہے لفظ"اِنّما" حصر پر دلالت کرتا ہے۔لہذا اس سلسلہ میں جو کچھ ہم نے وہاں بیان کیا اس کی طرف رجوع کیا جائے۔اس سلسلہ میں فخر رازی کے اعتراض کا جواب بھی آیہٴ ولایت کے اعتراضات کے جوابات میں دے دیا گیا ہے۔

آیہء تطہیر میں ارادہ سے مراد ارادہ تکوینی ہے نہ تشریعی

آیہء شریفہ کے بارے میں بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ: آیہء شریفہ میں جو ارادہ ذکر کیا گیا ہے،اس سے مراد ارادہ تکوینی ہے نہ ارادہ تشریعی۔خداوندمتعال کے ارادے دو قسم کے ہیں:

۱۔ارادہ تکوینی:اس ارادہ میں ارادہ کا متعلق اس کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے،جیسے، خداوندمتعال نے ارادہ کیا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی اورسالم)بے ضرر(ہوجائے تو ایسا ہی ہوا۔

۲۔ارادہ تشریعی:یہ ارادہ انسانوں کی تکالیف سے متعلق ہے۔واضح رہے کہ اس قسم کے ارادہ میں ارادہ اپنے مراد اور مقصود کے لئے لازم وملزوم نہیں ہے۔خداوندمتعال نے چاہا ہے کہ تمام انسان نماز پڑھیں،لیکن بہت سے لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔تشریعی ارادہ میں مقصود

اور مراد کی خلاف ورزی ممکن ہے، اس کے برعکس تکوینی ارادہ میں ارادے کی اپنے مراد اور مقصود سے خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔

اس آیہ شریفہ میں ارادے سے مراد ارادہ تکوینی ہے نہ تشریعی اور اس کے معنی یہ ہے کہ: خداوندمتعال نے ارادہ کیا ہے کہ اہل بیت (علیہم اسلام) کو ہر قسم کی ناپاکی من جملہ گناہ ومعصیت سے محفوظ رکھے اور انھیں پاک و پاکیزہ قرار دے۔

خداوندمتعال کے اس ارادہ کے ساتھ ہی اہل بیت اطہار سے ناپاکیاں دور نیز معنوی طہارت اور پاکیزہ گی محقق ہوگئی، خداوندمتعال نے یہ ارادہ نہیں کیا ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو گناہ کی پلیدی اور ناپاکی سے محفوظ رکھیں اور خداوندمتعال کے حکم اور فرائض پر عمل کرکے اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ بنائیں۔

آیہ تطہیر میں ارادہ کے تکوینی ہونے کے دلائل:

ا۔ارادہ تشریعی فریضہ شرعی کے مانند، دوسروں کے امور سے متعلق ہوتا ہے، جبکہ آیہ شریفہ میں ارادہ کا تعلق ناپاکی اور پلیدی کو دور کرنے سے ہے جو ایک الٰہی فعل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیہ شریفہ میں ارادے سے مراد ارادہ، تشریعی نہیں ہے۔

۲۔انسانوں کو پلیدی اور ناپاکیوں سے دور رہنے اور پاک و پاکیزہ ہونے کے بارے میں خداوندمتعال کا تشریعی ارادہ پیغمبر اکرم (ص) کے اہل بیت (ع) سے مخصوص نہیں ہے بلکہ خدا وندمتعال کا یہ ارادہ ہے کہ تمام انسان ناپاکیوں سے محفوظ رہیں اور طہارت و پاکیزگی کے

مالک بن جائیں۔جبکہ آیہ تطہیر سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ ارادہ صرف پیغمبر اکرم (ص) کے اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہے اور یہ اس کلمہ حصر کی وجہ سے ہے کہ جو آیہ شریفہ کی شروع میں آیا ہے۔اس سے بالکل واضح ہو جا تا ہے کہ ارادہ کا متعلق) جو ناپا کیوں سے دوری اور خدا کی جانب سے خاص طہارت ہے) خارج میں متحقق ہے۔

۳۔آیہ شریفہ شیعوں اور سنیوں کے تفسیر واحادیث کی کتابوں میں مذکور بے شمار احادیث اور روایتوں کے مطابق اہل بیت پیغمبر (ص) کی فضیلت وستائش کی ضامن ہے۔اگر آیہ شریفہ میں ارادہ الٰہی سے مراد، ارادہ تشریعی ہوتا تو یہ آیت فضیلت وستائش کی حامل نہیں ہوتی۔اس بنا پر، جو کچھ ہمیں اس آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے، وہ اہل بیت پیغمبر (ص) سے مخصوص طہارت و پاکیزگی اور ان کا پلیدی اور ناپا کیوں سے دور ہونا ارادہ الٰہی کے تحقق سے مربوط ہے۔اور یہ ان منتخب انسانوں کے بارے میں خدا کی جانب سے عصمت ہے۔اس ارادہ الٰہی کے تکوینی ہونے کا ایک اور ثبوت وہ احادیث ہیں جو خاص طور سے خداوند متعال کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ہم یہاں پر ان احادیث میں سے دو حدیثوں کو نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں:

"واخرج الحكيم الترمذی والطبرانی وابن مردويه وابونعيم والبيهقی معاً فی الدلائل عن ابن عباس رضی الله عنهما قال رسول الله - (ص)- انّ الله قسّم الخلاق قسمين فجعلنی فی خيرهما قسماً، فذلك قوله<واصحاب اليمين□□□>۱<واصحاب الشمال...>۲فائامن اصحاب اليمين

واٴناخیرا ٴصحاب الیمین ثمّ جعل القسمین اٴثلاثاً فجعلنی فی خیرھا ثلثاً،فذلك قوله :<واٴصحاب المیمنة مااٴصحاب المیمنةواٴصحاب المشئمة مااٴصحاب المشئمةالسابقون۔۔>۳فاٴنامن السابقین واٴناخیرالسابقین، ثمّ جعل الاٴثلاث قبائل،فجعلنی فی خیرھا قبیلة،وذلك قوله:<وجعلنا کم شعوباًوقبائل لتعارفوااِنّ اٴکرمکم عنداللہ اٴتقاکم>۴واٴنااٴتقی ولدآدم واٴکرمهم عنداللہ تعالی ولافخر،ثمّ جعل القبائل بیوتاًوجعلنی فی خیرھا بیتاً،فذلك قوله:<اِنّما یریداللہ لیذھب عنکم الرجس اٴھل البیت ویطھّرکم تطهیراً>۵فاٴناواٴھل بیتی مطھّرون من الذنوب۔“۶

۱۔سورۂ واقعہ/۲۷ ۲۔سورۂ واقعہ/۴۱ ۳۔سورۂ واقعہ/۸۔۱۰ ۴۔سورۂ حجرات/۱۳
۵۔سورۂ/احزاب/۳۳
۶۔الدرالمنثور،ج۵،ص۳۷۸،دارالکتاب،العلمیہ،بیروت،فتح،القدیر،شوکانی،ج۴، ص۳۵۰دارالکتاب العلمیہ،بیروت۔المعروفہ والتاریخ،ج۱،ص۲۹۸

”حکیم ترمذی،طبرانی،ابن مردویہ،ابونعیم اور بیہقی نے کتاب”الدلائل‘میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرم(ص)نے فرمایا:خداوندمتعال نے اپنی مخلوقات کودوحصوں میں تقسیم کیا ہے اور مجھ کوان میں سے برتر قرار دیا ہے اور خداوندمتعال کا قول یہ ہے:※و اصحاب الیمین※※ واصحاب الشمال※اور میں اصحاب یمین میں سے سب سے افضل

ہوں۔اس کے بعد مذکورہ دوقسموں)اصحاب یمین اوراصحاب شمال) کو پھر سے تین حصوں میں تقسیم کیااور مجھ کوان میں افضل ترین لوگوں میں قرار دیااور یہ ہے خداوند کریم کا قول:

<واٴصحاب الميمنةمااٴصحاب الميمنة واٴصحاب المشئمة مااٴصحاب المسئمةوالسابقون السابقون>

اورمیں سابقین اور افضل ترین لوگوں میں سے ہوں۔اس کے بعدان تینوں گروہوں کوئی قبیلوں میں تقسیم کردیا، چنانچہ فرمایا:

<وجعلناكم شعوباًوقبائل لتعارفوا إنّ اكرمكم عندالله اٴتقاكم>

"اور پھر تم کو خاندان اورقبائل میں بانٹ دیا تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جوزیادہ پرہیز گار ہے" اورمیں فرزندان آدم میں پرہیز گارترین اورخدا کے نزدیک محترم ترین بندہ ہوں اورفخر نہیں کرتا ہوں۔

"اس کے بعد قبیلوں کوگھرانوں میں تقسیم کر دیااورمیرے گھرانے کوبہترین گھرانہ قرار دیااورفرمایا

<انمّا يريدالله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهّركم تطهيراً>"

بس اللہ کاارادہ یہ ہے اے اہل بیت !تم سے ہرطرح کی آلودگی وبرائی کودوررکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جوپاک وپاکیزہ رکھنے کاحق ہے ※ "پس مجھے اورمیرے اہل بیت کو)برائیوں) گناہوں سے پاک قرار دیا گیاہے۔"

۲۔حدثنی الحسن بن زید، عن عمر بن علی، عن اٴبیه علیّ بن الحسین قال خطب الحسن بن علی الناس حین قتل علیّ فحمدالله و اٴثنی علیه ثمّ قال:لقد

قبض فی هذه اللیلة رجل لایسبقه الاٴوّلون بعمل و لایدرکه الآخرون، و قدکان رسول الله (ص) یعطیه رایته فیقاتل وجبرئیل عن یمینه ومیکائیل عن یساره حتی یفتح الله علیه، وما ترک علی اٴهل الاٴرض صفراء ولابیضاء إلّا سبع مائة درهم فضلت عن عطایاه اٴراد اٴن یبتاع بها خادماً لاٴهله

ثمّ قال: اٴیّها الناس! من عرفنی فقدعرفنی ومن لم یعرفنیفاٴنا الحسن بن علی واٴنا ابن النبیّ واٴنا ابن الوصیّ واٴناابن البشیر، واٴنا ابن النذیر، واٴناابن الداعی إلی الله باذنه، واٴناابن السراج المنیر، واٴنامن اٴهل البیت الّذی کان جبرئیل ینزل إلیناویصعدمن عندنا، و اٴنامن اٴهل البیت الّذی کان جبرئیل ینزل إلینا و یصعدمن عندنا، واٴنا من اٴهل البیت الّذی اٴذهب الله عنهم الرجس وطهّرهم تطهیراً و اٴنا من اٴهل البیت الّذی افترض الله مودّتهم علی کلّ مسلم، فقال تبارک و تعالی لنبیة: <قل لااٴسئلکم علیه اٴجراً إلّاالمودّة فی ا لقربی و من یقترف حسنة نزدله فیهاحسناً> افاقتراف الحسنة مودّتنا اٴهل البیت[۲]"

۱۔سورہ شوریٰ/ ۲۳

۲۔مستدرک الصحیحین، ج ۳،ص ۱۷۲، دارالکتب العلمیہ ، بیروت

عمر بن علی نے اپنے باپ علی بن حسین (علیہ السلام) سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: حسن بن علی (علیہ السلام) نے) اپنے والد گرامی) حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگوں

کے درمیان ایک خطبہ دیا جس میں ۔حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:

آج کی شب ایک ایسا شخص اس دنیا سے رحلت کر گیا کہ گزشتہ انسانوں میں سے کسی نے ان پر سبقت حاصل نہیں کی اور نہ ہی مستقبل میں کوئی اس کے مراتب و مدارج تک پہونچنے والا ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) اسلامی جنگوں میں ان کے ہاتھ پر پرچم اسلام تھما کر انہیں جنگ کے لئے روانہ کرتے تھے، جبکہ اس طرح سے کہ جبرئیل)امور تشریعی میں فیض الٰہی کے وسیلہ)ان کی دائیں جانب اور میکائیل)امور ارزاق میں فیض الٰہی کے ذریعہ)ان کی بائیں جانب ہوا کرتے تھے۔اور وہ جنگ سے فتح کامرانی کے حاصل ہونے تک واپس نہیں لوٹتے تھے۔

انھوں نے اپنے بعد زر و جواہرات میں سے صرف سات سو درہم بہ طور" ترکہ" چھوڑے جو صدقہ وخیرات کے بعد باقی بچ گئے تھے اور وہ اس سے اپنے اہل بیت کے لئے ایک خادم خریدنا چاہئے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے، وہ پہنچا تا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں حسن بن علی (ع) ہوں، میں پیغمبر کا فرزند ہوں، ان کے جانشین کا فرزند، بشیر)بشارت دینے والے)ونذیر)ڈرانے والے) کا فرزند ہوں، جو خدا کے حکم سے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا تھا، میں شمع فروزان الٰہی کا بیٹا ہوں، اس خاندان کی فرد ہوں کہ جہاں ملائکہ نزول اور جبرئیل رفت و آمد کرتے تھے۔میں اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں کہ خدائے متعال نے ان سے برائی کو دور کیا ہے اور انھیں خاص طور سے پاک و پاکیزہ

بنایا ہے۔میں ان اہل بیت میں سے ہوں کہ خداوندمتعال نے ان کی دوستی کو ہر مسلمان پرواجب قرار دیا ہے اورخداوندمتعال نے اپنے پیغمبر سے فرمایا:" اے پیغمبر! کہد یجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کے بد لے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا ہوں سواء اس کے کہ میرے قرابتداروں سے محبت کرواور جو شخص بھی کوئی نیکی دے گا ہم اس کی نیکیوں کی جزامیں اضافہ کردیں گے"لہذ انیک عمل کا کام انجام دیناہی ہم اہل بیت (ع) کی دوستی ہے۔"

ان دواحادیث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں خدا کی مخصوص طہارت کے خارج میں متحقق ہونے سے مراد ان کی عصمت کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔اور یہ بیان واضح طور پر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آیہء شریفہ میں ارادہ سے مراد ارادہ،تکوینی ہے۔

آیہء تطہیر میں اہل بیت علیہم السلام

اس آیہء شریفہ کی بحث کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ آیہء کریمہ میں" اہل البیت" سے مراد" کون ہیں؟اس بحث میں دوزاویوں سے توجہ مبذول کرنا ضروری ہے:

۱۔اہل بیت کا مفہوم کیا ہے؟

۲۔اہل بیت کے مصادیق کون ہیں؟

اگرلفظ" اہل" کا استعمال تنہا ہوتو یہ مستحق اورشائستہ ہونے کا معنی دیتا ہے اوراگراس لفظ کی کسی چیز کی طرف اضافت ونسبت دی جائے تو اس اضافت کے لحاظ سے اس کے معنی ہوں

گے۔مثلاً "اہل علم" اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں علم ومعرفت موجود ہے اور"اہل شہروقریہ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس شہر یا قریہ میں زندگی بسر کرتے ہیں،اہل خانہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس گھر میں سکونت پذیر ہیں،مختصر یہ کہ: "اہل" کامفہوم اضافت کی صورت میں مزید اس شی کی خصوصیت پر دلالت کرتا ہے کہ جس کی طرف اس کی نسبت دی گئی ہے۔۔۔

لفظ "بیت" میں ایک احتمال یہ ہے کہ بیت سے مراد مسکن اور گھر ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ بیت سے مراد حسب ونَسَب ہو کہ اس صورت میں "اہل بیت" کامعنی خاندان کے ہوں گے۔ایک اوراحتمال یہ ہے کہ "اہل بیت" میں "بیت" سے مراد،خانہ نبوت ہو اور یہاں پر قابل مقبول احتمال یہیمو خرالذکر احتمال ہے،اس کی وضاحت انشاءاللہ آیندہ چل کرآئے گی۔

ان صفات کے پیش نظر "اہل بیت" سے مراد وہ افراد ہیں جو اس گھر کے محرم اسرار ہوں اور جو کچھ نبی (ص) کے گھر میں واقع ہوتا ہے اس سے واقف ہوں۔

اب جبکہ "اہل بیت" کامفہوم واضح اور معلوم ہوگیا تو ہم دیکھتے ہیں کہ خارج میں اس کے مصادیق کون لوگ ہیں اور یہ عنوان کن افراد پر صادق آتا ہے؟

اس سلسلہ میں تین قول پائے جاتے ہیں:

۱۔"اہل بیت" سے مراد صرف پیغمبر اکرم (ص) کی بیویاں ہیں۔ا

۲۔"اہل بیت" سے مراد خود پیغمبر،علی وفاطمہ،حسن وحسین)علیہم السلام) نیز پیغمبر (ص) کی بیویاں ہیں۔۲

۳۔شیعہ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ"اہل بیت" سے مراد پیغمبر (ص) آپکی دختر گرامی حضرت فاطمہ زہرا(سلام اللہ علیہا)اور بارہ ائمہ معصومین)علیہم السلام)ہیں۔

بعض سنی علماء جیسے:طحاوی نے"مشکل ا لآثار"میں اورحاکم نیشابوری نے"المستدرک"میں"اہل بیت" سے صرف پنجتن پاک)علہیم السلام)کومرادلیا ہے۔

"اہل بیت" کوواضح کرنے کے لئےضروری ہے کہ ہم اس سلسلہ میں دو جہات سے

۱۔تفسیرابن کثیر،ج۳،ص۴۹۱

۲۔تفسیرابن کثیر،ج۳،ص۴۹۲

بحث کریں:

۱۔آیہءشریفہ کےمفادکے بارے میں بحث۔

۲۔آیہءشریفہ کے ضمن میں نقل کی گئی احادیث اورروایات کے بارے بحث۔

آیت کے مفاد کے بارے میں بحث

آیت کے مفہوم پر بحث کے سلسلہ میں درج ذیل چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

اول یہ کہ:لغوی اورعرفی لحاظ سے"اہل بیت" کا مفہوم پنجتن پاک کے عنوان کوشامل ہے۔

دوسرے یہ کہ آیہءشریفہ میں ضمیر"عنکم)جوجمع مذکر کے لئے ہے) کی وجہ سے اہل بیت کے مفہوم میں پیغمبراکرم(ص) کی بیویاں شامل نہیں ہیں۔

تیسرے یہ کہ: بہت سی ایسی روایتیں موجود ہیں جن میں" اہل بیت" کے مراد سے پنجتن پاک)علیہم السلام) کو لیا گیا ہے۔لہذا یہ قول کہ اہل بیت سے مرادصرف پیغمبر اکرم (ص) کی بیویاں ہیں، ایک بے بنیاد بلکہ برخلاف دلیل قول ہے۔ یہ قول عکرمہ سے نقل کیا گیا ہے وہ کہتا تھا:

" جو چاہتا ہے، میں اس کے ساتھ اس بابت مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ آیۂ شریفہ میں" اہل بیت کا مفہوم" پیغمبر (ص) کی بیویوں سے مختص ہے ا"

اے کاش کہ اس نے)اس قول کی نسبت اس کی طرف صحیح ہونے کی صورت میں) مباہلہ کیا ہوتا اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوا ہوتا! کیونکہ اس نے پنجتن پاک (ع) کی شان میں نقل کی گئی ان تمام احادیث سے چشم بستہ انکار کیا ہے جن میں آیہ ءتطہیر کی شان نزول بیان کی گئی ہے۔

ا۔روح المعانی، ج ۲۲،ص ۱۳، داراحیائ التراث العربی، بیروت

لیکن دوسرے قول کہ جس کے مطابق" اہل بیت کے مفہوم" میں پیغمبر (ص) کی بیویاں نیز علی، فاطمہ،حسن اور حسین)علیہم السلام) شامل ہیں کو بہت سے اہل سنت، بلکہ ان کی اکثریت نے قبول کیا۔

اورانھوں نے ،اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے آیات کے سیاق سے استدلال کیا ہے۔اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ آیہ ءتطہیر سے پہلے والی آیتیں اور آیت تطہیر کے بعد والی آیتیں

پیغمبر اکرم (ص) کی بیویوں سے متعلق ہیں۔ چونکہ آیہء تطہیر ان کے درمیان میں واقع ہے، اس لئے مفہوم اہل بیت کی صلاحیت اور قرینہء سیاق کے لحاظ سے، اس میں پیغمبر اکرم (ص) کی بیویاں شامل ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر، قرینہء سیاق کے پیش نظر آنحضرت (ص) کی بیویوں کو یقینی طور پر اہل بیت کی فہرست میں شامل جانا ہے۔

سیاق آیہء تطہیر

کیا آیہء تطہیر کے سیاق کے بارے میں کیا گیا دعویٰ قابل انعقاد ہے؟ اور پیغمبر (ص) کی بیویوں کے اہل بیت کے زمرے میں شامل ہونے کو ثابت کرسکتا ہے؟ مطلب کو واضح کرنے کے لئے درج ذیل چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

اول یہ کہ: چند آیات کے بعد صرف ایک آیت کا واقع ہونا سیاق کے واقع ہونے کا سبب نہیں بن سکتا ہے اور دوسری طرف سے یہ یقین پیدا نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ آیتیں ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوئی ہیں، کیونکہ سیاق کے واقع ہونے کے سلسلہ میں شرط یہ ہے کہ آیات کا نزول ایک دوسرے کے ساتھ انجام پایا ہو۔ لہذا ہم شک کرتے ہیں اور ممکن نہیں ہے کہ ہم سیاق کو احراز (متعین) کرسکیں جبکہ موجودہ قرآن مجید کی ترتیب نزول قرآن کی ترتیب کے متفاوت ہے، اس لئے اس مسئلہ پر کبھی اطمینان پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے کہ آیہء تطہیر کا نزول پیغمبر (ص) کی بیویوں سے مربوط آیات کے بعد واقع ہوا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ: اگر چہ یہ آیتیں ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی ہیں، لیکن ہر آیۂ اور سورۂ کو پیغمبر (ص) کی موجودگی میں ان کی نظروں کے سامنے ایک خاص جگہ پر انھیں رکھا گیا ہے، اس لئے آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ معنوی رابطہ کے پیش نظر ان آیات میں سیاق واقع ہوا ہے لہذا پیغمبر (ص) کی بیویاں پنجتن پاک علیہم السلام کے ساتھ اہل بیت کے زمرے میں شامل ہوں گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آیۂ تطہیر کا اس خاص جگہ پر واقع ہونا آیات کے معنوی پیوند کے لحاظ سے ہے اور وہ چیز کہ جس پر دلیل قائم ہے صرف یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے کسی مصلحت کے پیش نظر اس آیت کو اپنی بیویوں سے مربوط آیات کے درمیان قرار دیا ہے، لیکن یہ کہ مصلحت صرف آیات کے درمیان معنوی رابطہ کی وجہ سے ہے اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے اس کی مصلحت آنحضرت (ص) کی بیویوں کے لئے ایک انتباہ ہو کہ تمہارا "اہل بیت" کے ساتھ ایک رابطہ اور ہے، اس لئے اپنے اعمال کے بارے میں ہوشیار رہنا، نہ یہ کہ وہ خود "اہل بیت" کی مصداق ہیں۔

دوسرے یہ کہ: آیۂ کریمہ میں کئی جہتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیۂ تطہیر کا سیاق اس کی قبل اور بعد والی آیات کے سیاق سے متفاوت ہے اور یہ دو الگ الگ سیاق ہیں اور ان میں سے ہر ایک، ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جس کا دوسرے سے کوئی ربط نہیں ہے۔ وہ جہتیں حسب ذیل ہیں:

پہلی جہت: پیغمبر (ص) کی بیوں سے مربوط آیات کا سیاق سرزنش کے ساتھ ہے) چنانچہ

آیت ۲۸ کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے) اوران آیات میں پیغمبر اکرم (ص) کی بیویوں کی کسی قسم کی ستائش اور تعریف نہیں کی گئی ہے، جبکہ آیہء تطہیر کے سیاق میں فضیلت وبزرگی اور مدح و ستائش ہے اور آیہ تطہیر کے ذیل میں ذکر ہونے والی احادیث سے یہ مطلب اور بھی زیادہ روشن ونمایاں ہوجاتا ہے۔

دوسری جہت: یہ کہ آیہء تطہیر کی شأن نزول مستقل ہے اور آنحضرت (ص) کی بیویوں سے مربوط آیات کی شأن نزول بھی مستقل ہے چنانچہ آنحضرت (ص) کی بیویوں نے اپنے حق سے زیادہ نفقہ کا تقاضا کیا تھالہذا مذکورہ آیتیں اسی مناسبت سے نازل ہوئی ہیں۔اس شأن نزول کے بارے میں مزید آگاہی حاصل کرنے کے لئے شیعہ وسنی تفسیروں کی طرف رجوع کیاجاسکتاہے۔

اس سلسلہ میں پہلے ہم آنحضرت (ص) کی بیویوں سے مربوط آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اوراس کے بعد اس حدیث کا ترجمہ پیش کریں گے جسے ابن کثیر نے ان آیات کی شأن نزول کے سلسلہ میں ذکر کیاہے:

حیاأیّها النبیّ قل لازواجك ان کنتنّ تردن الحیوۃالدنیا وزینتها فتعالین اُمّتعکنّ واُسرّحکنّ سراحاًجمیلاً۔وإن کنتنّتردن الله ورسوله والدار الآخرۃ فإنّ الله اعدّ للمحسنات منکنّ اجراً عظیماً۔یانساء النبیّ من یأت منکنّ بفاحشة مبیّنة یضاعف لها العذاب ضعفین وکان ذلك علی الله یسیراًً ومن یقنت منکنّ لله ورسوله وتعمل صالحاً نؤتها اجرها مرّتین واعتدنا لها رزقاً کریماً۔یانساء النبیّ لستنّ کأحد من النساء إن اتقیتنّ

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفاً۔ وقرن فی بیوتکنّ ولا تبرّجن الجاهلیة الأُولی وائقمن الصلوة وءاتین الزکوة وا ٔطعن الله ورسوله إنّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهّرکم تطهیراً۔ واذکرن مایتلی فی بیوتکنّ من آیات الله والحکمة إنّ الله کان لطیفاً خبیراً>)احزاب/۲۸۔۳۴)

”پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم سب زندگانی دنیااور اس کی زینت کی طلبگار ہوتو آؤمیں تمہارا مہر تمھیں دیدوں اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگراللہ اوررسول اورآخرت کی طلبگار ہوتو خدانے تم میں سے نیک کردار عورتوں کے لئے اجرعظیم قرار دیا ہے۔اے زنان پیغمبر جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی برائیوں کاارتکاب کرے گااس کو دھرا عذاب کر دیا جائے گا اور یہ بات خدا کے لئے بہت آسان ہے۔اورجو بھی تم میں سے خدااوررسول کی اطاعت کرے اورنیک عمل انجام دے اسے دہرا اجر عطا کیا جائے گا اورہم نے اس کے لئے بہترین رزق فراہم کیا ہے۔اے زنان پیغمبر! تم اگرتقویٰ اختیار کروتو تمھارامرتبہ عام عورتوں کے جیسا نہیں ہے،لہذا کسی آدمی سے نازکی)دل لبھانے والی کیفیت) سے بات نہ کروکہ بیماردل افرادکوتمہاری طمع پیدا ہواور ہمیشہ شائستہ ونیک باتیں کیا کرواوراپنے گھروں میں بیٹھی رہواور جاہلیت کے زمانہ کی طرح بناؤ سنگار نہ کرواورنماز قائم کرواورزکوۃ ادا کرواوراللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو۔بس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت! کہ تم سے ہرطرح کی برائی کو دور رکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک

و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ اور ازواج پیغمبر! تمھارے گھروں میں جن آیات الٰہی اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انھیں یاد رکھو خدا لطیف اور ہر شے سے آگاہ ہے۔"

ابن کثیر نے ابی الزبیر سے اور اس نے جابر سے روایت کی ہے:

"لوگ پیغمبر (ص) کے گھر کے سامنے بیٹھے تھے، اسی حالت میں ابوبکر اور عمر آ گئے اور داخل خانہ ہونے کی اجازت چاہی۔ پہلے انھیں اجازت نہیں دی گئی۔ جب انھیں اجازت ملی اور وہ خانہ رسول میں ہوئے تو انہوں نے کیا دیکھا کہ آنحضرت (ص) بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کی بیویاں بھی آپکے گرد بیٹھی ہوئی ہیں اور آنحضرت (ص)، خاموش تھے۔ عمر نے آنحضرت (ص) کو ہنسانے کے قصد سے کہا: یارسول اللہ! اگر آپ دیکھتے کہ بنت زید (اس سے مراد عمر کی زوجہ ہے) نے جب مجھ سے نفقہ کا تقاضا کیا تو میں نے کیسی اس کی پٹائی کی! یہ سن کر پیغمبر اکرم (ص) ایسا ہنسے کہ آپکے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پیغمبر (ص) نے فرمایا: یہ (میری بیویاں) میرے گرد جمع ہوئی ہیں اور مجھ سے (بیشتر) نفقہ کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس وقت ابوبکر عائشہ کو مارنے کے لئے آگے بڑھے اور عمر بھی اٹھے اور دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں سے نصیحت کرتے ہوئے کہا: تم پیغمبر (ص) سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو پیغمبر کے پاس نہیں ہے؟ آنحضرت (ص) نے انھیں مارنے سے منع فرمایا۔ اس قضیہ کے بعد آنحضرت (ص) کی بیویوں نے کہا: ہم آج کے بعد سے پیغمبر (ص) سے کبھی ایسی چیز کا تقاضا نہیں کریں گے، جو ان کے پاس موجود نہ ہو۔ خداوند متعال نے مذکورہ آیات کو نازل فرمایا جس میں آنحضرت (ص) کی بیویوں کو پیغمبر کی زوجیت میں باقی رہنے یا انھیں طلاق

کے ذریعہ آنحضرت کو چھوڑ کے جانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ا"

یہ تھی، آنحضرت (ص) کی ازواج سے مربوط آیات کی شأن نزول۔ جبکہ آیہء تطہیر کی شأن نزول پنجتن آل عبا اور ائمہ معصومین (علیہم السلام) سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں شیعہ وسنی تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں کافی تعداد میں روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر احادیث کے باب میں کریں گے۔

ا۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۹۱

اس شأن نزول اور پیغمبر اکرم (ص) کی ازواج سے مربوط آیات کی شأن نزول میں احتمالاً کئی سالوں کا فاصلہ ہے۔ اب کیسے ان آیات کے درمیان وحدت سیاق کے قول کو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور کیا ان دو مختلف واقعات کو ایک سیاق میں ضم کر کے آیت کے معنی کی توجیہ کی جا سکتی ہے؟

تیسری جہت: یہ کہ سیاق کے انعقاد کو مختل کرنے کا ایک اور سبب پیغمبر اکرم (ص) کی بیویوں سے مربوط آیات اور آیہء تطہیر کے ضمیروں میں پایا جانے والا اختلاف ہے۔ مجموعی طور پر مذکورہ آیات میں جمع مونث مخاطب کی ۲۲ ضمیریں ہیں۔ ان میں سے ۲۰ ضمیریں ایہء تطہیر سے پہلے اور دو ضمیریں ایہء تطہیر کے بعد استعمال ہوئی ہیں، جبکہ آیہء تطہیر میں مخاطب کی دو ضمیریں ہیں اور دونوں مذکر ہیں۔ اس اختلاف کے پیش نظر کیسے سیاق محقق ہو سکتا ہے؟

اعتراض: آیہء تطہیر میں "عنکم" اور "یطھّر کم" سے مراد صرف مرد نہیں ہیں، کیونکہ عورتوں کے علاوہ خود پیغمبر (ص) علی، حسن وحسین (علیہم السلام) بھی اس میں داخل تھے۔ اس

لئے "کم" کی ضمیر آئی ہے اور عربی ادبیات میں اس قسم کے استعمال کو "تغلیب" کہتے ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی حکم کا ذکر کرنا چاہیں اور اس میں دو جنس کے افراد شامل ہوں، تو مذکر کو مونث پر غلبہ دے کر لفظ مذکر کو ذکر کریں گے اور اس سے دونوں جنسوں کا ارادہ کریں گے۔

اس کے علاوہ، مذکر کی ضمیر کا استعمال ایسی جگہ پر کہ جہاں مونث کا بھی ارادہ کیا گیا ہے قرآن مجید میں اور بھی جگہوں پر دیکھنے میں آیا ہے، جیسے درج ذیل آیات میں ※ قالوا أتعجبین من أمر اللہر حمت اللہو برکاتہ علےکم أھل البیت ※ ۱ کہ حضرت ابراھیم) علیہ السلام) کی زوجہ سے خطاب کے بعد جمع مذکر حاضر کی ضمیر اور اہل بیت کا عنوان ذکر ہوا ہے۔

<قال لاھلہ امکثوا>۲

کہ حضرت موسی علیہ اسلام کے اہل خاندان) کہ جس سے

۱۔ ہود/ ۷۳

۲۔ قصص/ ۲۹

مراد ان کی زوجہ ہے) کے ذکر کے بعد ضمیر جمع مذکر حاضر کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے۔

جواب: ہر کلام کا اصول یہ ہے کہ الفاظ کو اس کے حقیقی معنی پر حمل کیا جائے اور "اصالۃ الحققیۃ" اےک ایسا عقلائی قاعدہ ہے کہ جس کے ذریعہ ہر لغت وزبان کے محاورات ومکالمات میں استناد کیا جاتا ہے۔

اس عقلائی قاعدے کی بنیاد پر جس لفظ کے بارے میں یہ شک پیدا ہو کہ وہ اپنے حققیقی معنی

میں استعمال ہوا ہے یا نہیں، اسے اس کے حقیقی معنی پر حمل کرنا چاہے۔اس لحاظ سے آیہء تطہیر میں
دو جگہ پر استعمال ہوئی "کم" کی ضمیر سے مراد اس کے حقیقی معنی ہیں اور یہ کہ آیہ شریفہ ء مذکور میں تمام افراد اہلبیت مذکر تھے،صرف قرینہ خارجی اور آیت کی ذیل میں روآیت کی گئی احادیث کی وجہ سے قطعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کی فہرست میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہعلیہا بھی شامل ہیں، اور ان کے علاوہ کوئی مونث فرد اہل بیت میں شامل نہیں ہے۔اور آیہ شریفہ میں قاعدۂ "اقرب المجازات" جاری ہوگا۔
لیکن شواہد کے طور پر پیش کی گئی آیات میں قرینہ کی وجہ سے مونث کی جگہ ضمیر مذکر کا استعمال ہوا ہے اور یہ استعمال مجازی ہے اور ایک لفظ کا مجازی استعمال قرینہ کے ساتھ دلیل نہیں بن سکتا ہے کہ قرینہ کے بغیر بھی یہ عمل انجام دیا جائے اور جیسا کہ کہا گیا کہ اصل استعمال یہ ہے کہ لفظ اس کے حقیقی معنی میں استعمال ہو اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں قاعدہ "اقرب المجازات" کی رعایت کی جانی چاہئے۔

آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث

شیعہ اور اہل سنت کے منابع میں بڑی تعداد میں ذکر ہونے والی احادیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آیہ تطہیر میں "اہل بیت" سے مراد صرف پنجتن پاک (علیہم السلام) ہیں اور ان میں پیغمبر اسلام (ص) کی بیویاں کسی جہت سے شامل نہیں ہیں۔اس سلسلہ میں

مذکورہ

منابع میں اتنی زیادہ حدیثیں نقل ہوئی ہیں کہ حاکم حسکانی ۱ نے اپنی کتاب "شواہد التنزیل" کے صفحہ ۱۸ سے لیکر ۱۴۰ تک انہی احادیث سے مخصوص کیا ہے۔ ۲ ہم ذیل (حاشیہ) میں اہل سنت کے بعض منابع کا ذکر کرتے ہیں کہ جن میں مذکورہ احادیث یا درج ہوئی ہے یا ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۔ذھبی، تذکرۃ الحافظ، ج۲،ص۱۲۰۰پر کھتا ھے: حاکم حسکانی علم حدیث کے کامل عنایت رکھنے والا ایك محکم اور متقن سند ھے۔

۲۔ اسد الغابة/ج۵ص۵۲۱/داراحیاء التراث العربی ،بیروت، الاصابة/ج۲/ص۵۰۹/دار الفکر، اضواء البیان /ج۶/ص۵۷۸/عالم الکتب بیروت، انساب الاشراف/ج۲/ص۳۵۴/دار الفکر، بحار الانوار، ج۳۵،از ص۲۰۶،باب آیة تطهیر تاص۲۳۲ مؤسسة الوفاء بیروت، تاریخ بغداد /ج۹/ص۱۲۶/ وج۱۰/ص۲۷۸/دار الفکر، تاریخ مدینه دمشق/ج۱۳/ص۲۰۳و ۲۰۶و۲۰۷وج۱۴/ ص۱۴۱و۱۴۵، تفسیر ابن ابی حاتم /ج۹/ص۳۱۲۹/المکتبة المصریة بیروت، تفسیر ابی السعود/ ج۷/ ص۱۰۳/دارالحیاء التراث العربی بیروت، تفسیر البیضاوی/ج۲۳/ص ۳۸۲/دار الکتاب العلمیة، تفسیر فرات الکوفی/ج۱/ص۳۳۲ تا۳۴۲/مؤسسة النعمان، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر/ج۳/ص۵۴۸/دار الکتب العلمیة

بیروت، تفسیر اللباب ابن عادل دمشقی/ج۱۵/ص۵۴۸/ دارالکتاب العلمیة بیروت، تفسیر الماوردی/ج۴/ص۴۰۱/دارالمعرفة بیروت، التفسیر المنیر/ج۲۳/ص۱۴/دارالفکر المعاصر، تهذیب التهذیب/ج۲/ص۲۵۸/دارالفکر، جامع البیان/ طبری/ج۲۲/ص۵/دارالمعرفة بیروت، جامع احکام القرآن/ قرطبی/ج۱۴/ص۱۸۳/دارالفکر، الدار المنثور/ج۶/ص۶۰۴/دارالفکر، ذخائر العقبی/ص۲۱تا۲۴، روح البیان/ج۷/ص۱۷۱/داراحیاء التراث العربی، روح المعانی/ آلوسی/ج۲۲/ص۱۴/دار احیاء التراث العربی/الریاض النضرة/ج۲)۳-۴)/ص۱۳۵/دار الندوة الجدیدة بیروت، زاد المسیر/ ابن جوزی/ج۶/ص۱۹۸/ دارالفکر، سنن الترمذی/ج۵/ص۳۲۷-۳۲۸و ۶۵۶/ دارالفکر، السنن الکبری / بیهقی/ ج۲ / ص۱۴۹/ دارالمعرفة بیروت، سیر اعلام النبلاء/ ذهبی/ج۳/ص۲۵۴و ۲۸۳/ مؤسسة الرسالة بیروت، شرح السنة بغوی/ج۱۴/ص۱۱۶/المکتب الاسلامی بیروت، شواهد التنزیل/ج۲/ص۱۴۰-۸۱/ موسسة الطبع و النشر لوزرارة الارشاد، صحیح ابن حبان/ج۱۵/ص۴۴۲ الی ۴۴۳/موسسة الی سالة بیروت، صحیح مسلم/ج۵/ص۳۷/ کتاب الفضائل باب فضائل / مؤسسة عزالدین بیروت، فتح القدیر/شوکانی/ج۴/ص۳۴۹تا۳۵۰/ دار الکتاب العلمیة بیروت، فرائد السمطین/ جوینی/ج۱/ص۳۶۷/مؤسسة المحمودی بیروت، کفایة

الطالب/ص۳۷۱تا۳۷۷/داراحیاء تراث اهل البیت، مجمع الزوائد/ج۹/ص۱۶۹-۱۶۶/دارالکتب العربی بیروت، المستدرك علی الصحیحین /ج۲/ص۴۱۶و ج۳/ص۱۴۷/دارالمعرفة بیروت، مسند ابی یعلی/ج۱۲/ ص۳۴۴و۴۵۶/ دار الهامون للتراث، مسند احمد/ ج۴/ص۱۰۷و ج۶/ص۲۹۲/دارصادر بیروت، مسند اسحاق بن راهویه/ ج۳/ص۶۷۸/مکتبة الایمان مدینة المنورة، مسندطیالسی/ص۲۷۴/ دارالکتب اللبنانی، مشکل الآثار/ طحاوی/ج۱/ص۳۳۵/دارالباز، المعجم الصغیر/طبرانی/ج۱/ص ۱۳۵/ دارالفکر، المعجم الاوسط/طبرانی/ج۲/ص۴۹۱/ مکتبة المعارف ریاض، المعجم لکبیر/طبرانی/ ج۲۳/ ص۲۴۵و۲۸۱و ۲۸۶و ۳۰۸و۳۲۷و۳۳۰و۳۳۳و۳۳۴و۳۳۷و۳۵۷و۳۹۳و۳۹۶، المعرفة و التاریخ بسوی/ ج۱/۳۹۸، المنتخب من مسند عبد بن حمید/ص۱۷۳ و ۳۶۷/عالم الکتب قاهره مناقب ابن مغازلی/ص۳۰۲-۳۰۱/المکتبةالاسلامیة

ان احادیث کے راویوں کا سلسلہ جن اصحاب پر منتہی ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام

۲۔حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا

۳۔حسن بن علی علیہ السلام

۴۔انس بن مالک

۵۔براء بن عازب انصاری

٦۔جابر بن عبداللہ انصاری

۷۔سعد بن ابی وقاص

۸۔سید بن مالک)ابوسعید خدومی)

۹۔عبداللہبن عباس

۱۰۔عبداللہ بن جعفر طیار

۱۱۔عائشہ

۲۱۔ام سلمہ

۱۳۔عمر بن ابی سلم

۱۴۔واثلۃ بن اسقع

۱۵۔ابی الحمرائ

اس کے علاوہ شیعوں کی حدیث اور تفسیر کی کتابوں اور بعض اہل سنت منابع میں درج کی گئی احادیث اور روایتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ" اہل بیت" سے مراد پیغمبر اسلام (ص) علی، فاطمہ نیز شیعوں کے گیارہ ائمہ معصومین)علیہم السلام) ہیں۔

آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث کی طبقہ بندی

آیہ تطہیر سے مربوط احادیث کو اہل سنت کے مصادر میں مطالعہ کرنے اور شیعوں کے منابع میں موجود ان احادیث کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انھیں چند طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ وہ حدیثیں جن میں "اہل بیت" کی تفسیر علی و فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کے ذریعہ کی گئی ہے۔

۲۔ وہ حدیثیں جن کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) نے علی، وفاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کو کساء کے نیچے قرار دیا پھر آیہ تطہر نازل ہوئی، اور یہ واقعہ "حدیث کساء" کے نام سے مشہور ہے۔ان میں سے بعض احادیث میں آیا ہے کہ ام سلمہ یا عائشہ نے سوال کیا کہ: کیا ہم بھی اہل بیت میں شامل ہیں؟

۳۔ وہ حدیثیں جن میں پیغمبر اکرم (ص) ہر روز صبح کو یا روزانہ پانچوں وقت حضرت علی و فاطمہ علیہما السلام کے گھر کے دروازے پر تشریف لے جاتے تھے اور سلام کرتے تھے نیز آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔

۴۔ وہ حدیثیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیہ تطہیر پنجتن پاک علیہم السلام یا پنجتن پاک علیہم السلام نیز جبرئیل ومیکائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہاں پر مناسب ہے کہ احادیث کے مذکورہ چار طبقات میں سے چند نمونوں کی طرف اشارہ کیا جائے:

ا۔"اہل بیت" کی پنجتن پاک سے تفسیر

ذیل میں چند ایسی احادیث بیان کی جاتی ہیں جن میں آیہء تطہیر میں "اہل بیت" کی تفسیر پنجتن پاک)علیہم السلام (سے کی گئی ہے:

الف: کتاب "المستدرک علی الصحیحین" میں عبداللہ بن جعفر سے روایت کی گئی ہے:

لمّا نظر رسول اللہ (ص) إلی الرحمۃ ہابطۃ قال: ا ۔ ۔ دعوالی، ا ۔ ۔ دعوالی۔ فقالت صفیۃ: من یا رسول اللہ؟ قال: أہل بیتی: علیاً وفاطمہ والحسن والحسین ۔علیہم السلام ۔فجیئ بہم، فألقی علیہم النبیّ (ص) کساءہ ثم رفع یدیہ ثمّ قال: "اللّہمّ ہؤلاء آلی فصل علی محمد وعلی آل محمد" وأنزل اللہ عزّوجلّ: ٭ إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اھل البیت ویطہّرکم تطہیراً٭ ہذا حدیث صحیح الاسناد۔ ا

" جب پیغمبر خدا (ص) نے رحمت الہی) جو آسمان سے نازل ہوئی تھی) کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: میرے پاس بلاؤ! میرے پاس بلاؤ! صفیہ نے کہا: یارسول اللہ کس کو بلاؤں؟ آپ نے فرمایا: میرے اہل بیت، علی وفاطمہ، حسن وحسین)علیہم السلام) کو۔

جب ان کو بلایا گیا، تو پیغمبر اکرم (ص) نے اپنی کساء) ردا) کو ان پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کی: خدایا! " یہ میرے اہل بیت ہیں۔ محمد اور ان کے اہل بیت پر درود ورحمت نازل کر۔" اس وقت خداوند متعال نے آیہء شریفہ ٭ إنّما یرید اللہ۔۔٭ نازل فرمائی۔

اس حدیث کے بارے میں حاکم نیشاپوری کا کہنا ہے:

"ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔"

"اس حدیث کی سند صحیح ہے اگر چہ بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں سے نقل نہیں کیا ہے۔"ا

ا۔المستدرک علی الصحیحین، ج ۳،ص ۱۴۸

قابل غور بات ہے کہ حاکم نیشاپوری کا خود اہل سنت کے حدیث و رجال کے بزرگ علماء اور امام میں شمار کیا جاتا ہے۔

ب:عن ابی سعید الخدری عن اُم سلمة قالت: "نزلت هذه الآية في بيتي:< إنّما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت و يطهّركم تطهيراً > قلت: يا رسول الله، ألست من أهل البيت؟ قال: إنّك إلى خير، إنّك من أزواج رسول الله (ص). قالت: و أهل البيت رسول الله و عليّ و فاطمة والحسن والحسن"۲

"ابی سعید خدری نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: یہ آیت:

اِنّما یرید اللہ لیذ ہب عنکم الرّجس اہل البیت و یطہّرکم تطہیرا※ میرے گھر میں نازل ہوئی میں نے عرض کی یارسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تمھارا انجام بخیر ہے، تم رسولکی بیوی ہو پھر ام سلمہ نے کہا:"اہل بیت" رسول اللہ (ص) علی و فاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام) ہیں۔

ا۔حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب "المستدرک علی الصحیحین" میں ان احادیث کو درج کیا ہے جو بخاری

کے نزدیک صحیح ہونے کی شرط رکھتی تھیں، لیکن انہوں نے انھیں اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا ہے۔ جو کچھ ذہبی اس حدیث کے خلاصہ کے ذیل میں۔ اس کے ایک راوی۔ ملیکی کے بارے میں کہتا ہیں کہ: "قلت: الملیکی ذاھب الحدیث" اس کے عدم اعتماد کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں جیسا کہ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" ج ۶، ص ۱۳۲ پر "ساجی" سے نقل کر کے "صدوق" کی تعبیر کی ہے۔ اس کی صداقت اور سچ کہنے کی دلیل ہے۔ اور اس کی مدح میں جو تعبیرات نقل کی گئی ہے وہ اس کی حدیث کے بارے میں ہے اور خود صحیح بخاری و مسلم میں بھی ہم بہت سے ابواب میں ان کے راویوں کو پاتے ہیں کہ بہت سی تعرفیں کی گئی ہیں۔

۲۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۰۶

۲۔ آیۂ تطہیر کی تفسیر میں حدیث کساء کی تعبیر

شیعہ اور اہل سنت کی تفاسیر و احادیث کی کتابوں میں اس مضمون کی فراوان حدیثیں موجود ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت علیہم السلام کو ایک کساء کے نیچے جمع کیا اور اس کے بعد ان کے بارے میں آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ ہم اس کتاب میں ان احادیث میں سے چند ایک کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

قابل توجہ بات ہے کہ شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث کساء ایک خاص اہمیت و منزلت کی حامل ہے۔ یہ حدیث مرحوم بحرانی ا کی کتاب، "عوالم العلوم" میں حضرت فاطمہ زہرا

)سلام اللہعلیہا) سے روآیت کی گئی ہے اور مختلف زمانوں میں شیعوں کے نامور علماء اور فقہا کے نام سے مزّین اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ نیز یہ حدیث شیعوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پڑھی جاتی ہے اور توسّل اور تبّرک کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔

احادیث کے اس گروہ میں درجہ ذیل تعبیریں توجہ کا باعث ہیں اور ان تعبیروں میں سے ہر اے ک "اہل بیت" کے دائرے کو پنجتن پاک)علیہم اسلام) کی ذات میں متعین کرتی ہیں:

۱۔ "إنّك الی خیر" یا جملہء "انّك من ازواج النبیّ" سے ضمیمہ کے ساتھ۲

۲۔ "تنحّی، فإنّك علی خیر۔"۳

۳۔ "فجذبه من یدی۔"۴

۴۔ "ما قال إنّك من ٔهل البیت۔"۵

۵۔ "لا، وا ٔنت علی خیر۔"٦

۱۔عوام العوم، جلد حضرت زہراء علیہا سلام۔ ج ۱۱، ص ۸ ٦۳ موسسہ الامام مھدی علیہ اسلام

۲۔الدر المنثور، ج ٦، ص ۸ ٦۳، موسسة الامام مھدی

۳۔تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳ ۹ ۴

۴۔الدر المنثور، ج ٦، ص ۱٦۰۴۔ المعجم الکبیر ج، ۲۳، ص ٦ ۳ ۳ ۵۔تاریخ مدینة دمشق ج ۱۴، ص ۵ ۱۴

٦۔تاریخ مدینة دمشق، ج ۱۳، ص ٦ ۰ ۲

٦۔ "فو اللہ ما ا ٔنعم۔"۱

۷۔ "مکانك، ا ٔنت علی خیر۔"۲

۸۔ "فوددت أنّه قال: نعم۔۔۔"[۳]

۹۔ "تنحیّ لی عن أهل بیتی۔"[۴]

۱۰۔ "إنّك لعلی خیر، ولم یدخلنی معهم۔"[۵]

۱۱۔ "فواللہ ما قال: أنت معهم۔"[۶]

۱۲۔ "اجلسی مکانك، فانك علی خیر۔"[۷]

۱۳۔ "إنّك لعلی خیر، وهؤلاء أهل بیتی۔"[۸]

۱۔ "إنك إلی خیر" کی تعبیر

"أخرج ابن جریر و ابن حاتم و الطبرانی و ابن مردویه عن أمّ سلمة زوج النبیّ (ص) إنّ رسول الله (ص) کان ببیتها علی منامة له علیه کساء خیبریّ! فجاءت فاطمة - رضی الله عنها - ببرمة فیها خزیرہ۔ فقال رسول الله (ص): اُدعی زوجك و ابنیك حسناً و حسیناً۔ فدعتهم، فبینما هم یأکلون إذنزلت علی رسول الله (ص): <إنّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت و یطهّرکم تطهیراً> فأخذ النبیّ (ص) بفضلة ازارہ فغشّاهم إیاّها، ثمّ أخرج یدہ من الکساء وأومابها إلی السماء ثمّ قال: "اللّهمَّ هؤلاء

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۹۲، تفسیر طبری ج، ۲۲ ص، ۵،

۲۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۴، ص ۱۴۱ ۔ ۳۔ مشکلا آثار، ج ا، ص ۳۳۶

۴۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۰۳

۵۔شواہدالتنزیل، ج ۲،ص ۶۱

۶۔شواہدالتنزیل، ج ۲،ص ۱۳۴

۷۔شواہدالتنزیل، ج ۲،ص ۱۹

۸۔المستدرک علی الصحیحین، ج ۲،ص ۴۱۶

اٴهل بيتي و خاصّتي، فاٴذهب عنهم الرجس و طهّرهم تطهيراً"، قالها ثلاث مرّات۔

قالت اٴُم سلمة - رضي الله عنها -: فاٴدخلت راٴسي إلى الستر فقلت: يا رسول الله، و اٴنا معكم؟ فقال: "إنّك إلى خير" مرّتين۔"۱

اس حدیث میں، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے توسط سے ایک کھانا حاضر کرنے کے بعد پیغمبر اکرم (ص) ان سے فرماتے ہیں کہ تم اپنے شوہر علی اور اپنے بیٹے حسن و حسین علیہم السلام کو بلاؤ اور وہ حضرات تشریف لاتے ہیں۔ کھانا تناول کرتے وقت آیہء تطہیر نازل ہوتی ہے اور پیغمبر خدا (ص) فرماتے ہیں: "خداوندا! یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں۔ تو ان سے ہر طرح کی برائی کو دور کر اور انھیں پاک و پاکیزہ رکھ۔ ام سلمہ کہتی ہیں: میں نے بھی سر اٹھا کر کہا: یا رسول اللہ کیا میں بھی آپ کے ساتھ ہوں؟ حضرت نے دو مرتبہ فرمایا: تم نیکی پر ہو۔

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر اس آیہء شریفہ کے مطابق حضرت ام سلمہ "اہل بیت" میں ہوتیں، تو آنحضرت (ص) صراحتاً انھیں مثبت جواب دیتے۔ لیکن قرآن مجید میں

مورد تائید قرار پایا گیا آپکا خلق عظیم ہرگز آپکو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ آپ ام سلمہ کو صراحتاً منفی جواب دیں۔ مذکورہ جملہ جو متعدد احادیث میں آیا ہے، اس نکتہ کے پیش نظر پیغمبر اکرم (ص) کی بیویوں کے "اہل بیت" کے دائرہ سے خارج ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۱۔ الدرّ المنثور، ج ۶، ص ۶۰۳، دار الفکر

۲۔ "تنحی فإنّك الی الخیر" کی تعبیر

"عن العوام یعنی ابن حوشب، عن ابن عم لہ قال: دخلت مع أبی علی عائشۃ ۔۔۔ فسألتہا عن علیّ ۔۔۔ فقالت: تسألنی عن رجل کان من أحبّ الناس إلی رسول اللہ (ص) وکانت تحتہ ابنتہ وأحبّ الناس إلیہ۔ لقد رأیت رسول اللہ (ص) دعا علیاً و فاطمہ وحسناً وحسیناً ۔ رضی اللہ عنہم ۔ فألقی علیہم ثوباً۔ فقال: اللّٰہم ہؤلائ أہل بیتی، فأذہب عنہم الرجس وطہّرھم تطہیراً۔ قالت: فدنوت منہم وقلت: یا رسول اللہ، وأنا من أہل بیتک؟ فقال (ص): تنحّ، وإ نّک علی خیر۔"۱

"عوام بن حوشب نے اپنے چچازاد بھائی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں اپنے باپ کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا۔ میں نے ان سے علی کے بارے میں سوال کیا۔ عائشہ نے کہا: تم مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو، جو پیغمبر خدا (ص) کے نزدیک محبوب ترین فرد ہے۔ پیغمبر اکرم (ص) کی عزیز ترین بیٹی ان کی شریک حیات ہے۔

میں نے رسول خدا (ص) کو دیکھا کہ آپ نے علی و فاطمہ، حسن و حسین) علیہم السلام) کو بلایا

اوران کے اوپر ایک کپڑے سے سایہ کیا اور فرمایا: خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ان سے برائی کو دور رکھ اور انھیں خاص طور سے پاک و پاکیزہ قرار دے۔عائشہ نے کہا: میں ان کے نزدیک گئی اور کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟ فرمایا: تم خیر ونیکی پر ہو۔"

۱۔تفسیر ابن کثیر، ج ۳،ص ۲۹۳، دارالمعرفۃ، بیروت

۳۔"فجذبہ من یدی" کی تعبیر

"...عن اُم سلمة ا ٔن رسول الله (ص) قال لفاطمة: ایتینی بزوجك و ابنیه۔ فجائت بهم، فا ٔلقی رسول الله (ص) علیهم کساءً فد کیّاً ثمّ وضع یده علیهم ثمّ قال: اللّهمّ إنّ هؤلاء اهل محمد - و فی لفظ آل محمد - ، فاجعل صلواتك و برکاتك علی آل محمد، کما جعلتها علی آل ابراهیم إنّك حمید مجید۔ قالت ا ُم سلمة...: فرفعت الکساء لا ٔدخل معهم، فجذبه من یدی و قال: إنّك علی خیر۔"[۱]

"ام سلمہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا (ص) نے فاطمہ (سلام اللہ علیہا) سے فرمایا: اپنے شوہر اور بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔فاطمہ (سلام اللہ علیہا) نے انھیں بلایا۔پیغمبر خدا (ص) نے فدکی کساء) ایک لباس جو فدک میں بنا تھا) کو ان پر ڈال دیا اور اس کے بعد اپنا ہاتھ ان پر رکھ کر فرمایا:

خداوندا! یہ آل محمد ہیں۔تو ان پر درود و برکتوں کا نزول فرما،جس طرح آل ابراھیم پر نازل فرمایا ہے، بیشک تو لائق حمد و ستائش ہے۔

ام سلمہ نے کہا: میں نے کساء کا سرا اٹھایا تا کہ زیر کساء ان کے ساتھ ملحق ہو جاؤں۔پس پیغمبر (ص) نے اسے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا: تم خیر و نیکی پر ہو۔"

۴۔" ما قال: إنّک من اهل البیت" کی تعبیر

"عن عمرة بنت ا ٔفعی، قالت: سمعت ا ٔم سلمة تقول: نزلت هذه

۱۔الدرالمنثور ج۶،ص ۶۰۴، دارالفکر۔المعجم الکبیر، ج ۲۳،ص ۳۳۶

الآیة فی بیتی:<إنّما یرید الله...>و فی البیت سبعة: جبریل و میکائیل و رسول الله (ص) و علی و فاطمه و الحسن و الحسین. قالت: و ا ٔنا علی باب البیت. فقلت: یا رسول الله، ا ٔلستُ من ا ٔهل البیت؟ قال:<إنّك علی خیر! إنّك من ا ٔزواج النبی" وما قال:"إنّك من ا ٔهلالبیت"۱

" عمرہ بنت افعی سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نے ام سلمہ سے سنا ہے کہ وہ کہتی تھیں: یہ آیت انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت XXXX میرے گھر میں اس وقت نازل ہوئی، جب گھر میں سات افراد تھے: جبرئیل، میکائیل، پیغمبر خدا (ص)،علی و فاطمہ، حسن و حسین)علیہم السلام)۔ام سلمہ نے کہا: میں گھر کے دروازہ کے پاس کھڑی تھی اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم نیکی پر ہو،تم پیغمبر کی

بیویوں میں سے ہو" اور آپ نے نہیں فرمایا: "تم اہل بیت میں سے ہو۔"

۵۔"لا، وانت علی خیر" کی تعبیر

" عن عطیة، عن أبی سعید، عن أمّ سلمة أن النبیّ (ص)غطّی علی علیّ و فاطمه و حسن وحسین کساءً، ثمّ قال: هؤلاء أهل بیتی، إلیك لا إلی النار قلت امّ سلمة: فقلت: یا رسول الله، و أنا معهم؟ قال: لا، و أنت علی خیر"۲

۱۔مشکل الآثار، ج۱،ص ۳۳۳، دار الباز۔تاریخ مدینۃ دمشق ج ۱۴، صفحہ ۱۴۵ دار الفکر

۲۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳،ص ۲۰۶، دار الفکر۔حدیث کی سند یوں:

أخبرنا أبو عبد الله الفراوی و أبو المظفر الفشیری، قالا: أنا أبو سعد الادیب، أنا أبو عمرو بن حمدان، و أخبرتنا أمّ المجتبی العلویّه، قالت: قریئ علی إبراهیم بن منصور أنا أبوبکر بن المقریء قالا: أنا أبو بعلی، نا محمد بن اسماعیل بن أبی سمینة، نا عبدالله بن داوود، عن فضیل عن عطیة

عطیہ، ابی سعید، ام سلمہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے ایک کساء کو علی و فاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام پر ڈال دیا اور فرمایا: خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں تیری بارگاہ میں نہ کہ آگ کی طرف۔ام سلمہ نے کہا: میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان کے ساتھ) اہل بیت میں شامل) ہو جاؤں؟ فرمایا: نہیں، تم نیکی پر ہو۔"

سند حدیث کی تحقیق:

"ابوعبداللہ فراوی محمد بن فضیل بن احمد" ذہبی کا اس کے بارے میں کہنا ہے: "شیخ، امام، فقیہ، مفتی، مسند) علم حدیث کے معروف عالم) خراسان اور فقیہ حرم" سمعانی کہتے ہیں: میں نے عبدالرشید طبری سے مرو میں سنا کی وہ کہتے تھے: الفراوی ہزار راویوں کے برابر ہے۔) سیر اعلام النبلاء ج ۱۸، ص ۷۳۳ موسسہ الرسالہ) " ابوسعد ادیب کنجرودی"، ذہبی اس کے بارے میں کہتے ہیں: شیخ، فقیہ، امام، ادیب، نحوی طبیب، مسند خراسانی) سیر اعلام النبلاء، ج ۱۸، ص ۱۰۱) سمعانی اس کے بارے میں کہتے ہیں: "وہ ادیب، فاضل، عاقل، خوش رفتار، باوثوق اور سچا تھا") الانساب، ج ۵، ص ۱۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔)

"ابوعمرو بن حمدان" ذہبی اس کے بارے میں کہتا ہے: "شیخ صالح، قابل وثوق ہے) سیر اعلام النبلاء، ج ۱۸، ص ۷۳)

"ابو بکر بن المقری، محمد بن ابراھیم" اس کے بارے میں ذھبی کہتے ہیں: شیخ حافظ اور سچا ہے") سیر اعلام النبلاء، ج ۱۶، ص ۳۹۸)

"ابویعلی" صاحب مسند، احمد بن علی بن مثنی، محدث موصل) سیر اعلام النبلاء، ج ۱۴۰، ص ۱۷۴)

"محمد بن اسماعیل بن ابی سمینہ" ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابوحاتم وصالح بن محمد سے نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔) تہذیب التہذیب، ج ۹ ص ۵۰، دارالفکر)

"عبداللہ بن داؤد" مزی نے اس کے بارے میں محمد بن سعد سے طبقات میں نقل کیا ہے کہ وہ

ثقہ اور عابد تھا) تہذیب الکمال، ج ۴، ص ۴۵۸)

"فضل بن غزوان" ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا ہے: احمد اور ابن معین نے کہا ہے: وہ ثقہ ہے۔ اور ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۲۶۷) "عطیہ) بن سعد) اس کے بارے میں تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۰۰ سے استفادہ ہوتا ہے کہ: وہ ابن سعد کی طرف سے قابل وثوق قرار پایا ہے۔ اور ابن معین نے) ایک روایت میں) اسے شائستہ جانا ہے اور علم رجال کے بعض علماء نے اس کی تعریفیں کی ہیں اور اس کی حدیثوں کی تائید کی ہے اس کا جرح کرنے والے جیسے نسائی جرح کرنے میں سخت گیر ہیں اہل سنت کے اہل فن و درایت اور علم حدیث کے علماء جیسے تہانوی نے کتاب "قواعد فی علوم الحدیث" ص ۱۱۷ میں، اس قسم کی جرح کرنے والے افراد کو نا قابل اعتبار جانا ہے اور عطیہ ان افراد میں سے ہیں کہ جنھیں امیر المؤمنین علی بن ابیطالب کے خلاف سب وشتم سے انکار کرنے پر حجاج کی طرف سے چار سو کوڑے مارے گئے ہیں جو دین کے معاملہ میں اس طرح ثابت قدم اور پائیدار ہو، وہ کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے اہل رجال کی اس کے بارے میں جرح وتنقید اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہو۔

۶۔"فواللہ ما انعم"کی تعبیر

"...عن الاٴعمش عن حکیم بن سعد قال:ذکرنا علیّ بن اٴبی طالب - رضی اللہ عنه - عند اٴُمّ سلمة!قالت:فیه نزلت:<إنّما یرید اللہ...>!

"قالت:اٴُم سلمة:جاء النبیّ(ص) إلی بیتی...فجلّلهم نبیّ اللہ بکساء...فنزلت هذه الآیة...فقلت:یارسول اللہ، واٴنا؟ قالت:فواللہ ما اٴنعم،وقال:إنّك إلی خیر۔"[۱]

اس حدیث میں،پیغمبراسلام (ص) نے جب علی وفاطمہ،حسن وحسین (علیہم السلام) کوکساء کے نیچے قرار دیا پھر آیہٴ تطہیر نازل ہوئی۔ام سلمہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا میں بھی ہوں ؟لیکن انھوں نے مثبت جواب نہیں سنا،پریشان ہوئیں اوراپنی پریشانی کاان الفاظ میں اظہار کیا:"فواللہ،ماانعم"یعنی:خدا کی قسم پیغمبرخدا (ص) نےنہیں فرمایا:"ہاں" بلکہ صرف یہ فرمایا:"تم نیکی پر ہو۔"

۷۔"مکانك،انت علی خیر"کی تعبیر

"...عن شهر بن حوشب،عن اٴُم سلمة:إن رسول اللہ (ص)۔اٴخذ ثوباً فجلّله علی علیّ وفاطمةوالحسن والحسین۔ ثمّ قراٴت هذه الآیة:<إنّما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اٴهل البیت ویطهّرکم تطهیراً>قالت:فجئت

لأدخل معهم، فقال: مكانك، أنت على

۱۔جامع البیان

طبری، ج۲۲، ص۷، دار المعرفة، بیروت۔ تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۴۹۳، دار المعرفة، بیروت

خیر"۱

اس حدیث میں ام سلمہ کہتی ہیں: پیغمبر خدا (ص) نے علی وفاطمہ، حسن وحسین) علیہم اسلام) کو ایک پارچہ کے نیچے قرار دیا اور اس کے بعد آیہ تطہیر کی قرات فرمائی۔ جب میں اس پارچہ کے نزدیک گئی تاکہ اس کے نیچے داخل ہوجاوں، تو آنحضرت (ص) نے فرمایا: اپنی جگہ پر بیٹھی رہو، تم خیر و نیکی پر ہو۔

۱۔تاریخ مدینة دمشق، ج۱۴، ص۱۴۱، دار الفکر۔ اس حدیث کی سند یوں ھے: "أخبرنا أبوطالب بن أبي عقيل: أنا أبو الحسن الخلعي: أنا أبو محمد النحاس: أنا أبوسعيد بن الأعرابي: نا أبو سعيد عبد الرحمن بن محمد بن منصور: نا حسين الأشقر: نا منصور بن أبي الأسود، عن الأعمش، عن حبيب بن أبي ثابت، عن شهر بن حوشب، عن أُم سلمة۔۔۔"

سند کی تحقیق: "ابوطالب بن ابی عقیل بن عبدالرحمن ذہبی" نے اسے ایک دیندار بزرگ جانا ہے۔) سیر اعلام النبلاء، ج۲۰، ص۱۰۸، موسة الرسالة)

"ابوالحسن الخلعی علی بن الحسین" ذہبی نے اس کی شیخ امام، فقیہ، قابل اقتداء اور مسند الدیار

المصر یۃ جیسے القاب سے تعریف کی ہے) سیر اعلام النبلاء، ج ۱۹،ص ۷۴)

"ابومحمد النحاس اورذہبی" کا اس کے بارے میں کہنا ہے: شیخ امام،فقیہ،محدث، سچا اورمسند الدیار المصر یہ تھا) سیر اعلام النبلاء ج ۱۷،ص ۳۱۳)

"ابوسعید ابن الاعرابی احمد بن محمد بن زیاد" اورذہبی نے اس کے بارے میں یہ تعبیرات استعمال کی ہیں: امام،محدث،قدوۃ) یعنی رہبری اور قیادت کے لئے شائستہ) سچا،حافظ اور شیخ الاسلام) سیر اعلام النبلاء ج ۱۵،ص ۴۰۷

"ابوسعید عبدالرحمن بن محمد بن منصور" ابن حبان نے کتاب الثقات ج ۸،ص ۳۸۳ موسسۃ الکتب الثقافیۃ میں اس کا نام لیا ہے۔

"حسین الآشقر الغزاری" ابن حبان نے اس کا نام کتاب الثقات میں لایا ہے۔ اوراحمد بن حنبل نے اس کے بارے میں کہا ہے: وہ میرے نظر میں جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے اورابن معین سے اس کے سچے ہونے کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے جواب میں کہا: جی ہاں) تہذیب التھذیب، ج ۲ ص ۹۱ دارالفکر)

اس کے بارے میں بعض مذمتیں کی گئی ہیں، وہ اس کے مذہب کے بارے میں ہیں اور حجت نہیں ہیں۔ "منصور بن ابی الآسود" ابن حجر نے اس توثیق) مورد اعتماد ہونے) کو ابن معین سے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں) مورد اعتماد افراد کے زمرہ میں ذکر کیا ہے۔) تہذیب التھذیب، ج،۱۰ ص ۲۷۱، دارالفکر،

"الآعمش" کے موثق اور سچے ہونے میں کلام نہیں ہے اور صحیح بخاری وصحیح مسلم میں اس سے کا

فیا حادیث نقل کی گئی ہیں اور اس کی راستگوئی کا یہ عالم تھا کہ بعض اہل سنت علمائے حدیث نے اس کے سچے ہونے کو مصحف سے تشبیہ دیدی ہے)تہذیب التھذیب ج، ۴، ص ۱۹۶، دارالفکر

"حبیب بن ابی ثابت" اس کے موثق اور راستگو ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور صحاح میں اس سے بہت ساری حدیثیں نقل ہوئی ہیں)تہذیب التھذیب ج ۲، ص ۱۵۶)

"شہر بن حوشب" ابن حجر نے، معین، عجلی اور یقوب بن شیبۃ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسے موثق)قابل اعتماد وثوق) تعبیر کیا ہے)تہذیب التھذیب ج ۴، ص ۳۲۵، دارالفکر۔)

اےک دوسری حدیث میں یہ تعبیر نقل ہوئی ہے: "أنت بمکانک وانت خیر" ۱ اےک اور تعبیر میں آیا ہے "اجلسی مکانک، فانک علی خیر" ۲ اپنی جگہ پر بیٹھی رہو، تم خیر پر ہو۔

۸۔ "فوددت أنۃقال: نعم" کی تعبیر

"عن عمرۃ الھمدانیۃ قالت: اٴتیت اٴمّ سلمۃ فسلمت علیھا، فقالت: من اٴنت؟ فقلت: عمرۃ: یا اٴم المومنین اٴخبرینی عن ھذا الرّجل الذّی قتل بین اظھرنا، فمحبٌّ و مبغض۔ ترید علیّ بن اٴبی طالب۔ قالت اٴمّ سلمۃ: اٴتحبّینہ اٴم تبغضیبہ؟ قالت ما اٴحبّہ ولا اٴبغضہ فاٴنزل اللہ ھذہ الآیۃ <انما یرید اللہ...> إلی آخرھا، ومافی البیت إلا جبرئیل ورسول اللہ۔

(ص). وعلیّ وفاطمه و الحسن والحسین. علیهم السلام. فقلت : یا رسول الله، ائنا من اٴهل البیت؟ فقال: إنّ لك عندالله خیراً. فوددت ائنه قال: "نعم" فکان احبّ إلی من تطلع علیه الشمس و تغربه"۳

"عمرہ ہمدانیہ سے روآیت ہے کہ اس نے کہا: میں ام سلمہ کی خدمت میں گئی اور ان سے سلام کیا: انھوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں عمرہ ہمدانیہ ہوں۔ عمرہ نے ام سلمہ سے کہا: اے ام المؤمنین ※ مجھے اس شخص کے بارے میں کچھ بتائیے جسے کچھ مدت پہلے قتل کر دیا گیا) مراد علی بن ابے طالب علیہ السلام ہیں) بعض لوگ انھیں دوست رکھتے ہیں اور بعض دشمن۔

ام سلمہ نے کہا: تم انھیں دوست رکھتی ہو یا دشمن؟ عمرہ نے کیا: میں نہ انھیں دوست

۱۔تارے خ مدینہ دمشق، ج ۱۴، ص ۱۴۵، دار الفکر ۲۔شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۱۱۹

۳۔مشکل الاثار، ج ۱، ص ۳۳۶، طبع مجلس دائرة المعارف النظامیہ بالھند

رکھتی ہوں اور نہ دشمن) بظاہر یہاں پر آیہ تطہیر کے نزول کے بارے میں چند جملے چھوٹ گئے ہیں اور اس کے بعد کی عبارت یہ ہے) اور خداوند متعال نے یہ آیت ،انما یرید اللہ ※※※※ اس حالت میں نازل فرمائی کی جب گھر میں جبرئل، پےغمبر خدا (ص)، علی وفاطمہ، حسن وحسین) علیہم السلام) کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ: کیا میں اہل بیت میں ہوں؟ آنحضرت (ص) نے فرمایا: تیرے لئے خدا کے پاس خیر و نے کی کی صورت میں جزا ہے۔

میری آرزو یہ تھی کہ) میرے سوال کے جواب میں) آنحضرت (ص) فرماتے: "جی ہاں" اور وہ میرے لئے اس سے بہتر تھا جس پر سورج طلوع وغروب کرتا ہے۔"

"فتنحّی لی عن أهل بیتی" کی تعبیر

"عن ابی المعدل عطیة الطفاوی عن ائبیه، ائنّ امّ سلمة، حدثتة قالت: بینا رسول الله (ص) فی بیتی، إذقال الخادم: إن علیا وفاطمه بالسدّة: قالت: فقال لی: قومی فتنحّی لی عن ائهل بیتی فدخل علیّ و فاطمة و معهما الحسن والحسین قالت: فقلت وائنا یا رسول الله؟ فقال: وائنت"[۱]

اس حدیث میں ام سلمہ سے روآیت ہے، انھوں نے کہا: رسول خدا (ص) میرے گھر میں تشریف فرما تھے کہ خادم نے کہا: علی اور فاطمہ) علیہما السلام) دروازہ پر ہیں۔ پیغمبر (ص) نے فرمایا: اٹھو اور میرے اہل بیت سے دور ہو جاؤ اس کے بعد علی اور فاطمہ حسن اور حسین (علیہم السلام) داخل ہوئے اور پیغمبر (ص) نے

۱۔تارےخ مدینة دمشق، ج ۱۳ص ۲۰۳۔۲۰۲، دارلفکر

ان کے حق میں دعا کی: "خداوند! میرے اہل بیت تیری طرف ہیں نہ کہ آگ کی طرف" ام سلمہ نے کہا: یارسول اللہ! میں بھی؟ فرمایا: تم بھی۔

واضح رہے کہ پیغمبر خدا (ص) پہلے ام سلمہ کو) حدیث میں) اپنے اہل بیت کے مقابلہ میں قرار دیتے ہیں جو ان کے اہل بیت سے خارج ہونے کا واضح ثبوت ہے۔اس کے بعد انھیں

دعامیں ے عنی آگ سے دور رہنے میں شرے ک فرماتے ہیں۔

۱۰۔"إنك لعلی خیر، ولم یدخلنی معهم" کی تعبیر

"XXX عن العوام بن حوشب، عن جمیع: التیمی انطلقت مع امّی، إلی عائشة، فدخلت أمّی، فذهبت لأدخل فحجبتنی، وسألتها أمّی عن علیّ فقالت: ماظنّک برجل کانت فاطمة والحسن والحسین إبناه، ولقدرأیت رسول الله التفع علیهم بثوب وقال: "اللّهم هولاء أهلیأ ذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیرا" قلت: یارسول الله، ألست من أهلک؟ قال: "انّک لعلی خیر"،"لم یدخلنیمعهم"۱

"جمیع تیمی سے روآیت ہے کہ اس نے کہا: میں اپنی والدہ کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا XXX میری والدہ نے ان سے علی) علیہ السلام) کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا: تم کیا خیال کرتی ہو اس شخص کے بارے میں جس کی شرے ک حیات فاطمہ (علیہا السلام) اور جس کے بیٹے حسن وحسین) علیہما السلام) ہوں۔ میں نے دے کھا کہ پیغمبر (ص) نے اے ک کپڑے کے ذریعہ ان پر سایہ کیا اور فرمایا: یہ میرے اہل بیت ہیں۔ خداوندا! ان سے برائی کو دور رکھ اور انھیں خاص

۱۔ شواهد التنزیل، ج ۲، ص ۶۲۔ ۶۱

طریقہ سے پاک و پاکے زہ قرار دے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم نے کی پر ہو۔ اور مجھے ان میں داخل نہیں کیا۔

۱۱۔"فواللہ ما قال: انت معھم" کی تعبیر

"۔۔۔عن اُمّ سلمة۔۔۔ فجمعهم رسول الله حوله و تحته كساء خيبريّ، فجلّلهم رسول الله جميعاً، ثمّ قال: اللّهمّ هؤلاء اٴهل بيتي فاٴذهب عنهم الرجس وطهّرهم تطهيراً۔ فقلت: يارسول الله،واٴنا معهم؟ فوالله ما قال: "و اٴنت معهم" و لكنّه قال: " إنّك على خير و إلى خير" فنزلت عليه:<إنّما يريد الله۔۔۔>۱

"اس حدیث میں بھی کہ جو ام سلمہ سے روایت ہے،پیغمبر اکرم (ص) نے علی و فاطمہ،حسن وحسین (علیہم السلام) کو کساء کے نیچے قرار دیا اوران کے حق میں دعا کی۔ام سلمہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟) چونکہ مثبت جواب نہیں سنا اس لئے کہا:) خدا کی قسم آپ نے نہیں فرمایا:"تم بھی ان کے ساتھ ہو"لیکن فرمایا:"تم نیکی پر ہو اور نیکی کی طرف ہو"۔اس کے بعد آیہء اِنّما یرید اللہ ۔۔۔ نازل ہوئی۔"

۱۲۔إنّک لعلی خیر،وھؤلاءِ اٴھل بیتی" کی تعبیر

"۔۔۔عن عطاء بن يسار، عن اُمّ سلمة -رضي الله عنها- أنّها قالت: في بيتي نزلت هذه الآية: <إنّما يريد الله۔۔۔> فأرسل رسول الله (ص) إلى علي وفاطمة والحسن والحسين

۱۔شواھد التنزیل،ج۲،ص۱۳۴۔۱۳۳

۔۔۔فقال: اللّهمّ هؤلاء أهل بيتي۔ قالت أمّ سلمة: يا رسول الله، ما أنا من أهل

البیت؟قال:إنّك لعلی خیر،وهؤلای أهل بیتی اللّهمّ أهلی أحق۔"هذا حدیث صحیح علی شرط البخاری،ولم یخرجاه۔ ۱

یہ حدیث بھی ام سلمہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے علی و فاطمہ ،حسن و حسین)علیہم السلام) کو بلاوا بھیجا اوران کے آنے کے بعد فرمایا:

خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا:تم خیر و نیکی پر ہو اور یہ میرے اہل بیت ہیں۔خداوندا! میرے اہل بیت سزا وار تر ہیں۔

حدیث کو بیان کرنے کے بعد حاکم نیشا پوری کا کہنا ہے: بخاری کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے،لیکن اس نے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔

درعلی و فاطمہ پر آیہء تطہیر کی تلاوت

بعض حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز صبح یا روزانہ نماز پنچگانہ کے وقت درعلی و فاطمہ)علیہا السلام) پر آکر آیہء تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔یہ حدیثیں بھی چند مختلف گرہوں میں منقسم ہیں کہ موضوع کے طولانی ہونے کے باعث ہم صرف ان کے عناوین کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ یہ کام ایک ماہ ۲ تک جاری رہا اور بعض احادیث اس

۱۔المستدرک علی الصحیحین،تفسیر سورۂ احزاب،ج ۲،ص ۴۱۶،دارالمعرفۃ،بیروت

۲۔مسند ابی داؤد طیالسی،ص ۲۷۴،دار الکتاب اللبنانی

کی مدت چالیس ۱ روز، بعض چھ مہینے، ۲ بعض سات مہینے ۳،بعض آٹھ مہینے ۴،بعض نو مہینے ۵،بعض دس مہینے اور بعض احادیث میں اس کی مدت سترہ مہینے ٦ بتائی گئی ہے۔

ان احادیث کے بارے میں دو نکتے قابل توجہ ہیں:

۱۔یہ حدیثیں) کہ ہرایک ان میں سے ایک خاص مدت کی طرف اشارہ کرتی ہے) ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتی ہیں کیونکہ ہر صحابی جتنی مدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا،اس نے اسی مدت کو بیان کیا ہے اور احیاناً اگر ایک صحابی نے دو مختلف احادیث میں دو مختلف مدتیں بیان کی ہیں،تو ممکن ہے اس نے ایک مرتبہ کم مدت اور دوسری مرتبہ زیادہ مدت کا مشاہدہ کیا ہوگا۔

مثلاً ابوالحمراء نے ایک حدیث میں مذکورہ مدت کو چھ مہینے اور دوسری حدیث میں سات مہینے اور تیسری حدیث میں آٹھ مہینے، یا دس مہینے یا سترہ مہینے کی مدت بیان کی ہے ان میں سے کوئی حدیث بھی ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتی ہے۔

۲۔پیغمبر خدا (ص) کا اتنی طولانی مدت تک اس عمل کا پے در پے انجام دینا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ لفظ"اہل بیت کہ" جو اس وقت عرفی معنی میں استعمال ہوتا تھا اب اس کے جدید اور اصطلاحی معنی میں یعنی علی وفاطمہ،حسن وحسین علیہم السلام کے لئے یا

۱۔مجمع الزوئد ،ج ۹،ص ۲٦۴،ح ۱۴۹۸۷،دار الفکر۔الدر المنثور ج ٦،ص ٦۰٦ شواہد التنزیل،ج ۲،ص ۴۴،موسۃ الطبع والنشر لوزارۃ الارشاد الاسلامی

۲۔جامع البیان طبری، ج ۲۲،ص ۵۔۶ ، دارالمعرفۃ، بیروت۔مجمع الزوائد، ھیثمی ،ج ۹، ص ۲۶۶، ح ۱۴۹۸۵۔انساب الاشراف،ج ۲،ص ۳۵۴۔۳۵۵ دارالفکر،المنتخب من مسند احمد،ج ۳،ص ۴۹۲،دارالمعرفۃ،بیروت اوردوسری کتابیں۔

۳۔جامع البیان ،طبری،ج ۲۲،ص ۶،دارالمعرفۃ،بیروت۔تفسیر ابن کثیر،ج ۳ ص ۲۹۲،دارالمعرفۃ،بیروت۔فتح القدیر،ج ۴،ص ۳۵۰،دارالکتب العلمیہ ،بیروت

۴۔الدرالمنثور،ج ۵،ص ۶۱۳،وج ۶،ص ۶۰۶،دارالفکر۔

۵۔المنتخب من مسند بن حمید،ص ۱۷۳،عالم المکتب۔ذخائر المقبی ص ۲۵،موسۃ الوفاء، بیروت۔الدرالمنثور،ج ۶،ص ۶۰۲،دارالفکر۔شوھدالتنزیل،ج ۲،ص ۲۷

۶۔مجمع الزوائد،ج ۹،ص ۲۶۷،ح ۱۴۹۸۶،دارالفکر،شواھدالتنزیل،ج ۲، ۸۷

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیمہ کے ساتھ استعمال ہوکر درحقیقت ایک نئی حالت پیدا کرچکا ہے۔اس لفظ کے بارے میں یہ انتہائی مہم نکتہ آیہء تطہیر کے ذیل میں بیان کی گئی تمام احادیث مثلاً حدیث ثقلین وحدیث سفینہ اوران جیسی دوسری حدیثوں میں بہت زیادہ روشن ونمایاں ہے۔

آیہء تطہیر کا پنجتن پاک (علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہونا

احادیث کا ایک اورگروہ ہے جن میں آیہء تطہیر کے نزول کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،علی وفاطمہ،حسن وحسین علیہم السلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ان میں سے بعض احادیث میں یہ مطلب خود پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے،جیسے یہ حدیث:

"... عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللہ (ص)نزلت ھذہ الآیۃ فی خمسۃ:فیّ و فی علی و حسن وحسین وفاطمۃ ...<إنّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھّرکم وتطھیراً>۱

۱۔جامع لبیان ،طبری،ج ۲۲،ص ۵،دارالمعرفۃ ۔بیروت میں اس حدیث کی سند یوں ہے: حدثنی محمد بن المثنی قال: ثنا بکر بن یحیي بن زبان العنزی قال: ثنا) حدثنا) مندل،عن الآعمش عن عطیۃ عن أبي سعید الخذری۔

اس سند میں" بکر بن یحیي بن زبان" ہے۔چنانچہ ان کا نام تہذیب التھذیب،۱،ص ۴۲۸ دارالفکر، میں درج ہے۔ابن حبان نے اسے" کتاب الثقات") جس میں ثقہ راوی درج کئے گئے ہیں) میں درج کیا ہے۔

ابن حجر نے" مندل") بن علی) کے بارے میں تہذیب التھذیب،ج ۱۰،ص ۲۶۵، میں ذکر کیا ہے کہ یعقوب بن شیبہ اور اصحاب یحیي)بن معین)اور علی بن مدینی نے اسے حدیث میں ضعیف جانا ہے جبکہ وہ خیّر ،فاضل اور راستگو ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ ضعیف الحدیث بھی ہیں ۔اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو مذمتیں اس کے بارے میں ہوئی ہیں وہ اس کی احادیث کے جہت سے ہے اور جیسا کہ عجلی نے اس کے بارے میں کہا ہے،۔اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔

حدیث کا ایک اور راوی"اعمش") سلیمان بن مہران) ے کہ اس کے موثق ہونے کے بارے میں رجال کی کتابوں میں کافی ذکر آیا ہے،من جملہ یہ کہ وہ راستگوئی میں مصحف کے

مانند ہے) تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۱۹۶، دار الفکر)

حدیث کا ایک اور راوی "عطیہ بن سعد عرفی" ہے کہ اس کے بارے میں "لا وانت علی خیر" کی تعبیر کی تحقیق کے سلسلہ میں بیان کی گئی۔

۔۔۔ابی سعید خدری سے رایت ہے کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ آیت پنجتن پاک (علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جس سے مراد میں، علی، حسن، حسین اور فاطمہ) علیہم السلام) ہیں۔

دوسری احادیث میں بھی ابوسعید خدری سے ہی روایت ہے اس نے اس آیت کے نزول کو پنجتن پاک علیہم السلام سے مربوط جانا ہے۔ جیسے یہ حدیث:

"عن ا ٴبی سعید قال: نزلت الآیة فی خمسة نفر - و سمّاهم - <إنّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس ا ٴهل البیت و یطهّرکم تطهیراً> فی رسول الله و علیّ و فاطمة و الحسن و الحسین علیهم السلام"۱

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ اس نے کہا: آیہء إنّما یرید اللہ۔۔۔※ پانچ افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے: رسول اللہ (ص) علی و فاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام)"

ابوسعید خدری سے اور ایک روایت ہے کہ) عطیہ نے) کہا: میں نے اس سے سوال کیا: اہل بیت کون ہیں؟) ابوسعید نے جواب میں) کہا: اس سے مراد پیغمبر (ص)، علی و فاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام) ہیں۔ ۲

اس سلسلہ کی بعض احادیث ام سلمہ سے روایت ہوئی ہیں کہ آیہء شریفہ پنجتن پاک کے

بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسے مندرجہ ذیل حدیث:

"...عن أم سلمة قالت: نزلت هذه الآية في رسول الله(ص) و عليّ و فاطمة و حسن و حسين - عليهم السلام - :<إنّما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهّركم تطهيراً>۳

۱۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۰۶، دارالفکر

۲۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۰۷، دارالفکر ۳۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱، ص ۳۳۲

"ام سلمہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: یہ آیت) آیۂ تطہیر) پیغمبر خدا (ص) علی و فاطمہ ، حسن و حسین) علیھم السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔"

آیۂ تطہیر اور اس سے مربوط احادیث کے بارے میں دو نکتے

اس سلسلہ میں مزید دو اہم نکتے قابل ذکر ہیں:

۱۔اب تک جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ لفظ "اہل بیت" میں "بیت" سے مراد رہائشی بیت) گھر) نہیں ہے۔کیونکہ بعض افراد جیسے: ابی الحمراء، واثلہ، ام ایمن اور فضہ اس گھر میں ساکن تھے،لیکن ان میں سے کوئی بھی "اہل بیت" کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔

نیز اس کے علاوہ "بیت" سے مراد نَسَب بھی نہیں ہے ۔کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس اوران کے فرزند،جن میں بعض نَسَب کے لحاظ سے علی علیہ السلام کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تھے وہ بھی اہل بیت میں شامل نہیں ہیں) البتہ عباس

کے بارے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ سوالات کے باب میں اس پر بحث کریں گے)۔

بلکہ اس بیت) گھر) سے مرادنبوت کا "بیت" ہے۔کہ جس میں صرف "پنجتن آل عبا داخل" ہیں اور وہ اس بیت) گھر) کے اہل اورمحرم اسرار ہیں۔اس سلسلہ میں آیہء شریفہ ※فی بیوت اذن اللہ أن ترفع ویذکر فیہا اسمہ ※۱ نور خدا ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خدا کی طرف سے اجازت ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائے اوران میں خدا کا نام لیا جائے) کے ذیل میں بیان کی گئی سیوطی ۲ کی درجہ ذیل حدیث قابل توجہ ہے:

"اٴخرج ابن مردویه عن اٴنس بن مالك و بریدہ قال: قراٴ رسول الله هذه الآیة:<فی بیوت اٴذن الله اٴن ترفع>فقام إلیه رجل

۱۔سورۂ نور/۳۶

۲۔الدرالمنثور،ج۶،ص۲۰۲،دارالفکر

فقال قال: اٴیّ بیوتٍ هذه یا رسول الله؟ قال: بیوت الآنبیاء فقام إلیه اٴبوبکر فقال: یا رسول الله هذا البیت منها؟ البیت علی وفاطمة؟ قال: نعم من اٴفاضلها۔"

"ابن مردویہ نے انس بن مالک اور بریدہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر (ص) نے اس آیت:※ فی بیوت اُذن اللہ ۔۔※ کی قرأت فرمائی۔ایک شخص نے اٹھ کرسوال کیا: یہ

جو بیوت) گھر)اس آیت میں ذکر ہوئے ہیں ان سے مراد کونسے گھر ہیں؟ پیغمبر اکرم (ص) نے جواب میں فرمایا: انبیاء)علیہا السلام) کے گھر میں ۔ابوبکر اٹھے اور کہا: یا رسول اللہ! کیا ان میں علی و فاطمہ)علیہا السلام) کا گھر بھی شامل ہے؟ آنحضرت (ص) نے فرمایا: جی ہاں وہ ان سے برتر ہے۔"

۲۔ان احادیث پر غور وخوض کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان میں ایک حصر کا استعمال کیا گیاہے اور وہ حصر، حصر اضافی کی ایک قسم ہے۔ یہ حصر پیغمبر اکرم (ص) کی بیویوں اور آپکے دوسرے رشتہ داروں) جیسے عباس اور ان کے فرزندوں) کے مقابلہ میں ہے یہ حصر ان احادیث کے منافی نہیں ہے، جن میں اہل بیت سے مراد چودہ معصومین علیہم السلام یعنی پیغمبر، علی وفاطمہ، حسن وحسین اور اور دوسرے نو ائمہ معصومین)علیہم السلام) کو لیا گیا ہے ۔اول خود آیہء تطہیر کی دلیل سے کہ اس میں صرف ※ لیذھب عنکم الرجس ویطھرکم ۔۔۔※ پر اکتفانہیں کیا گیا ہے بلکہ موضوع کا عنوان" اہل بیت" قرار دیا گیا ہے۔ حدیث کساء میں صرف پنجتن پاک کا زیر کساء آنا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے ان کے لئے دعا کیا جانا اس بنا پر تھا کہ اس وقت اس محترم خاندان سے صرف یہی پانچ افراد موجود تھے ورنہ شیعوں کے تمام ائمہ معصومین علیہم السلام، من جملہ حضرت مہدی علیہ السلام" اہل بیت" کے مصداق ہیں۔

چوتھے امام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک حدیث میں اپنے آپ کو" اہل بیت" کا مصداق جانتے ہوئے آیہء تطہیر سے استناد کیا ہے۔ا نیز شیعہ واہل سنت سے حضرت

مہدی)عج) کے بارے میں نقل کی گئی بہت سی احادیث کے ذریعہ ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں شمار کیا گیا ہے۔ ۲

حدیث ثقلین)جس کے معتبر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے نیز متواتر ہے)میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید اور اپنے اہل بیت کے بارے میں فرمایا ہے:

"۔۔۔فانّھا لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض ۳"

"یہ دو)قرآن مجید اور اہل بیت) ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔"

اس بیان سے استفادہ ہوتا ہے قرآن مجید اور اہل بیت کے درمیان لازم وملزم ہونے کا رابطہ قیامت تک کے لئے قائم ہے اور یہ جملہ اہل بیت کی عصمت پر دلالت کرتا ہے اور اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہر زمانے میں اہل بیت طاہرین میں سے کم از کم ایک شخص ایسا موجود ہوگا کہ جو اقتداء اور پیروی کے لئے شائستہ وسزاوار ہو۔

اہل سنت کے علماء میں بھی بعض ایسے افراد ہیں کہ جنہوں نے حدیث ثقلین سے استدلال کرتے ہوئے اس مطلب کی تائید کی ہے کہ ہر زمانہ میں اہل بیت معصومین (ع) میں سے کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوگا۔ ۴

جن احادیث میں اہل بیت کی تفسیر چودہ معصومین (ع) سے کی گئی ہے، ان میں سے ہم

۱۔تفسیر ابن کثیر، ج ۳،ص ۴۹۳

۲۔کتاب منتخب الاثر کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔حدیث کے مختلف طریقوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے" کتاب اللہ واہل البیت فی حدیث الثقلین" کی طرف رجوع کیا جائے۔

۴۔جواھر العقدین، سمھودی،ص ۲۴۴، دارالکتب العلمیہ البیروت۔" الصواعق المحرقۃ" فصل" اہل بیت حدیث ثقلین میں" ابن حجر۔

ایک ایسی حدیث کونمونہ کے طور پر پیش کررہے ہیں،جس کوشیعہ اورسنی دونوں نےنقل کیا ہے:

ابراھیم بن محمد جوینی نے" فرائدالسمطین ۲ " میں ایک مفصل روایت درج کی ہے۔چونکہ یہ حدیث امامت سے مربوط آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں دوسری کتابوں میں درج کی گئی ہے، اس لئے ہم یہاں پر اس سے صرف آیہء تطہیر سے مربوط چند جملوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت علی علیہ السلام مہاجر وانصار کے بزرگوں کے ایک گروہ کے سامنے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنے اوراپنے اہل بیت کے بارے میں نازل ہوئی قرآن مجید کی چندآیتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں،من جملہ آیہءتطہیر کی طرف کہ اس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے یوں فرمایا:

"۔۔۔ائیّھا النّاس ائتعلمون ائنّ اللہ ائنزل فی کتابہ:< إنّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس ائھل البیت و یطھّرکم تطھیراً> فجمعنی و فاطمۃ و ابنیّ الحسن و الحسین ثمّ ائلقی علینا کساءً و قال: اللّھمّ ھؤلاء ائھل بیتی و

لحمی یؤلمنی ما یؤلمھم، و یؤذینی ما یؤذیھم، و یحرجنی ما یحرجھم، فأذھب عنھم الرجس و طھّرھم تطھیراً۔
فقالت أُمّ سلمة: و أنا یا رسول اللہ؟ فقال: أنت إلی خیر إنّما أُنزلت فیّ) و فی ابنتی) و فی أخی علیّ بن أبی طالب و فی ابنیّ و

۱۔کمال الدین صدوق، ص ۲۷۴
۲۔مؤلف اور کتاب کے اعتبار کے بارے میں تفسیر آیہء"اولوالامر" کا آخر ملاحظ ہو۔

فی تسعة من ولد ابنی الحسین خاصّة لیس معنا فیھا لأحد شرك۔
فقالوا کلّھم: نشھد أنّ أمّ سلمة حدّثتنا بذلك فسألنا رسول اللہ فحدّثنا کما حدّثتنا أمّ سلمة...۱"
"اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ جب خداوند متعال نے اپنی کتاب سے آیہء:※ إنّما یرید اللہ ۔۔.※ کو نازل فرمایا پیغمبر اکرم (ص) نے مجھے، فاطمہ اور میرے بیٹے حسن و حسین) علیھم السلام) کو جمع کیا اور ہم پر ایک کپڑے کا سایہ کیا اور فرمایا: خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔جس نے انھیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے انھیں اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی ہے جس نے ان پر سختی کی اس نے گویا مجھ پر سختی کی۔) خداوندا!) ان سے رجس کو دور رکھ اور انھیں خاص طور پر پاک و پاکیزہ قرار دے۔
ام سلمہ نے کہا: یارسول اللہ! میں بھی؟) رسول خدا (ص) نے) فرمایا: تم خیر و نیکی پر ہو، لیکن یہ آیت صرف میرے اور میری بیٹی) فاطمہ زہرا) میرے بھائی علی بن ابیطالب (علیہ

السلام) اور میرے فرزند) حسن و حسین علیہما السلام) اور حسین (علیہ السلام) کی ذریت سے نو ائمہ معصومین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کوئی دوسرا اس آیت میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہے۔ اس جلسہ میں موجود تمام حضار نے کہا: ہم شہادت دیتے ہیں کہ ام سلمہ نے ہمارے سامنے ایسی حدیث بیان کی ہے اور ہم نے خود پیغمبر (ص) سے بھی پوچھا تو انھوں نے بھی ام سلمہ کے مانند بیان فرمایا۔"

۱۔ فرائد السمطین، ج۱، ص۳۱۶، موسسۃ المحمودی للطباعۃ والنشر، بیروت

آیۂ تطہیر کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات

اس بحث کے اختتام پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ آیۂ تطہیر کے بارے میں کئے گئے چند سوالات کے جوابات پیش کریں:

پہلا سوال

گزشتہ مطالب سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس آیۂ کریمہ میں ارادہ سے مراد ارادہ تکوینی ہے۔ اگر ارادہ تکوینی ہوگا تو یہ دلالت کرے گا کہ اہل بیت کی معنوی طہارت قطعی اور نا قابل تغیر ہے۔ کیا اس مطلب کو قبول کرنے کی صورت میں جبر کا قول صادق نہیں آتا ہے؟

جواب

خداوندمتعال کاارادہ تکوینی اس صورت میں جبر کا سبب بنے گا جب اھل بیت کاارادہ واختیار ان کے عمل انجام دینے میں واسطہ نہ ہولیکن اگر خداوندمتعال کاارادہ تکوینی اس سے متعلق ہو کہ اہل بیت اپنی بصیرت آ گاہی نیز اختیار سے گناہ اور معصیت سے دور ہیں،تو ارادہ کا تعلق اس کیفیت سے نہ صرف جبر نہیں ہوگا بلکہ مزید اختیار پر دلالت کرے گا اور جبر کے منافی ہوگا، کیونکہ اس فرض کے مطابق خدا وند متعال کے ارادہ کا تعلق اس طرح نہیں ہے کہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں ،اپنے وظیفہ انجام دیں گے، بلکہ خدا وند متعال کے ارادہ کا تعلق ان کی طرف سے اطاعت کی انجام دہی اور معصیت سے اجتناب ان کے اختیار میں ہےاور ارادہ و اختیار کا پایا جانا ہی خلاف جبر ہے۔

اس کی مزید وضاحت ےوں ہے کہ:عصمت در حقےقت معصوم شخص میں پائی جانے والی وہ بصیرت اور وہ وسے ع وعمےق علم ہے،جس کے ذرےعہ وہ کبھی اطاعت الٰہی سے منحرف ہو کر معصیت و گناہ کی طرف تمائل پیدا نہیں کرتا ہے اور اس بصیرت اور علم کی وجہ سے اس کے لئے گناہوں کی برائیاں اور نقصانات اس قدر واضح اور عیاں ہوجاتے ہیں کہ اس کے بعد اس کے لئے محال ہے کہ وہ گناہ کا مرتکب ہوجائے۔

مثال کے طور پر جب کوئی ادنیٰ شخص یہ دیکھتا ہے کہ وہ پانی گندا اور بد بودار ہے،تو محال ہے وہ اسے اپنے اختیار سے پی لے بلکہ اس کی بصیرت وآ گاہی اسے اس پانی کے پینے سے روک دے گی۔

دوسرا سوال

آیہء شریفہ میں آیا ہے: انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ ”اذھاب“ کے معنی لے جانا ہے اور اسی طرح ”تطہیر“ کے معنی پاک کرنا ہے اور یہ اس جگہ پر استعمال ہوتا ہے جہاں پر پہلے سے رجس و کثافت موجود ہو اور انھیں پاک کیا جائے ۔ اسی صورت میں ”اذھاب کا اطلاق، رجس کو دور کرنا اور تطہیر“ کا اطلاق ”پاک کرنا“ حقیقت میں صادق آسکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیت پہلے گناہوں سے آلودہ تھے لہذا اس آلودگی کو ان سے دور کیا گیا ہے اور انھیں اس آلودگی سے پاک و منزہ قرار دیا گیا ہے۔

جواب

جملہء <لیذھب عنکم الرجس>

میں لفظ ”اذھاب“ لفظ ”عن“ سے متعدی ہوا ہے۔اس کا معنی اہل بیت سے پلیدی اور رجس کو دور رکھنا ہے اور یہ ارادہ پہلے سے موجود تھا اور اسی طرح جاری ہے، نہ یہ کہ اس کے برعکس حال و کیفیت اہل بیت میں موجود تھی اور خداوند متعال نے ان سے اس حال و کیفیت (برائی) کو دور کیا ہے۔اسی طرح اس سلسلہ میں تطہیر کا معنی کسی ناپاک چیز کو پاک کرنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اہل بیت کے بارے میں اس کا مقصد ان کی خلقت ہی سے ہی انھیں پاک رکھنا ہے۔اس آیہء کریمہ کے مانند

<ولھم فیھا ازواج مطھرة>[1] "

اوران کے لئے وہاں) بہشت میں)ایسی بے ویاں ہیں جو پاک کی ہوئی ہوں گی"

"اذھاب"اور "تطھیر"

کے مذکورہ معنی کا یقینی ہونا اس طرح ہے کہ اہل بیت کی نسبت خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یقینی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء ہی سے معصوم تھے نہ یہ کہ آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد معصوم ہوئے ہیں۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مطلب اس طرح ہے اور لفظ

"اذھاب" و "تطھیر"

آپ میں سابقہ پلیدی اور نجاست کے موجود ہونے کا معنی نہیں ہے، اہل بیت کے دوسرے افراد کے بارے میں بھی قطعی طور پر اسی طرح ہونا چاہیئے۔ ورنہ "اذھاب" و "تطھیر" کے استعمال کا لازمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاندان کے بارے میں مختلف معنی میں ہوگا۔

تیسرا سوال

اس آیہء شریفہ میں کوئی ایسی دلالت نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ طہارت، اہل بیت میں) آیہء تطہیر کے نازل ہونے سے پہلے) موجود تھی بلکہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ خداوند متعال اس موضوع کا ارادہ کرے گا کیونکہ "یرید" فعل مضارع ہے اور مستقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ا۔بقرہ/ ۲۵

جواب

اول یہ کہ: کلمہ "یرید" جو خداوند متعال کا فعل ہے، وہ مستقبل پر دلالت نہیں کرتا ہے اور دوسری آیات میں اس طرح کے کا استعمالات اس مطلب کو واضح کرتے ہیں کہ جیسے کہ یہ

آیات: <یرید الله لیبین لکم ویھدیکم سنن الّذین من قبلکم> ١ اور <والله یرید ان یتوب علیکم> ٢

اس وصف کے پیش نظر آیت کے معنی یہ نہیں ہے کہ خداوند متعال ارادہ کرے گا، بلکہ یہ معنی ہے کہ خداوند متعال بدستور ارادہ رکھتا ہے اور ارادہ الٰہی مسلسل جاری ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ارادہ کا پیغمبر اکرم (ص) سے مربوط ہونا اس معنی کی تاکید ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسا نہیں تھا کہ پہلے تطہیر کا ارادہ نہیں تھا اور بعد میں حاصل ہوا ہے۔ بلکہ آنحضرت (ص) پہلے سے اس خصوصی طہارت کے حامل تھے اور معلوم ہے کہ آنحضرت (ص) کے بارے میں "یرید" کا استعمال ایک طرح اور آپ کے اھل بیت کے لئے دوسری طرح نہیں ہوسکتا ہے۔

چوتھا سوال

احتمال ہے کہ "لیذھب" میں "لام" لام علت ہو اور "یرید" کے مفعول سے مراد کچھ فرائض ہوں جو خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط ہوں۔ اس حالت میں ارادہ

تشریعی اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ خداوند متعال نے آپ اہل بیت سے مربوط خصوصی تکالیف اور فرائض کے پیش نظر یہ ارادہ کیا ہے تاکہ برائی اور آلودگی کو آپ سے دور کرے اور آپ کو پاک و پاکیزہ قرار دے، اس صورت میں آیت اہل بیت کی عصمت پر دلالت نہیں کرے گی۔

۱۔سورہ نساء/ ۲٦

۲۔سورہ نساء/ ۲۷

جواب

پہلے یہ کہ: "یرید" کے مفعول کا محذوف اور پوشدہ ہونا خلاف اصل ہے اور اصل عدم پوشیدہ ہونا ہے۔صرف دلیل اور قرینہ کے موجود ہونے کی صورت میں اس اصل کے خلاف ہونا ممکن ہے اور اس آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ: "لے ذھب" کے لام کے بارے میں چند احتمالات ہیں ان میں سے بعض کی بنا پر ارادہ کا تکوینی ہونا اور بعض کی بنا پر ارادہ کا تشریعی ہونا ممکن ہے لیکن وہ احتمال کہ جو آیت میں متعین ہے وہ ارادہ تکوینی سے سازگار ہے۔اس کی دلیل وہ اسباب ہیں جو ارادہ تکوینی کے اسبات کے سلسلہ میں پیش کئے گئے ہیں من جملہ یہ کہ ارادہ تشریعی کا لازمہ یہ ہے اس سے اھل بیت کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، جبکہ آیہء کریمہ نے اھل بیت کی عظیم اور گراں بہا فضیلت بیان کی ہے جیسا مذکورہ احادیث اس کی دلیل ہیں۔

اس بنا پر آیہ شریفہ میں لام سے مراد ''لام تعدیہ'' اور مابعد لام ''یرید'' کا مفعول ہے۔ چنانچہ ہم قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ ''یرید'' کبھی لام کے ذریعہ اور کبھی لام کے بغیر مفعول کے لئے متعدی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کے متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ہم یہاں پر ان میں سے دو آیتوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔<فلا تعجبك ائموالهم ولااولادهم إنّمايريداللهلےعذبهم بهافی الحےوةالدّنیا...>۱ اور آیه <ولا تعجبك اموالهم إنّمايريداللهائن ےعذّبهم بها فی الدّنیا>۲۔ اس سورہ مبارکه میں اےك مضمون کے باوجود "یرید" اےك آیت میں" ائن ےعذبهم" سے بلا واسطه اور دوسری آیت میں لام کے ذرےعه متعدی هواهے۔

۱۔سورۂ توبہ/ ۵۵ ۲۔سورہ توبہ/ ۸۵

۲۔<یریدون ائن ےطفئوانوراللهبائفواههم ویائبی اللهإلّا ائن یتم نوره ولوکره الکافرون> ۱اور آیهء <یریدون لےطفئوانورالله بافواههم واللهمتم نوره ولوکره الکافرون>۲ اےك آیت میں "یریدون"، "ائن ےطفئو" پربلا واسطه اور دوسری آیت میں لام کے واسطه سے متعدی هواهے۔

پانچواں سوال

آیہ شریفہ میں "اھل البیت" سے مراد فقط پنجتن نہیں ہیں بلکہ اس میں پیغمبر (صلی اللہعلیہ وآلہ وسلم) کے دوسرے رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ کیونکہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہعلیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس اور ان کے فرزندوں کو بھی ایک کپڑے کے نیچے جمع کیا اور فرمایا: "ھولاء اھل بیتی" اور ان کے بارے میں دعا کی۔

جواب

اہل بیت کی تعداد کو پنجتن پاک یا چودہ معصومین علیھم السلام میں منحصر کرنے کے حوالے سے اس قدر احادیث و روایات موجود ہیں کہ اس کے سامنے مذکورہ حدیث کا کوئی اعتبار نہیں رہ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ وہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں "محمد بن یونسی" ہے کہ جس کے بارے میں ابن حجر نے ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث جعل کرتا تھا۔شائد اس نے ایک ہزار سے زیادہ جھوٹی حدیثیں جعل کی ہیں۔ابن عدی نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔ ۳

۱۔سورہ توبہ/ ۳۲

۲۔سورہ صف/ ۸

۳۔تہذیب، ج، ص ۵۴۲، طبع ھندوستان

اس کے علاوہ حدیث کی سند میں "مالک بن حمزہ" ہے کہ بخاری نے اپنی کتاب "ضعفا" میں اسے ضعف راوےوں کے زمرہ میں درج کیا ہے۔۱

اس کے علاوہ اس کی سند میں "عبداللهبن عثمان بن اسحاق" ہے کہ جس کے بارے میں ابن حجر نے عثمان کا قول نقل کیا ہے اور کہا ہے: میں نے ابن معین سے کہا: یہ راوی کے سا ہے؟ اس نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا ہوں اور ابن عدمی نے کہا: وہ مجھول اور غیر معروف ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر یہ حدیث کسی صورت میں مذکورہ احادیث کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔

چھٹا سوال

ام سلمہ جب پےغمبر اکرم (ص) سے سوال کرتی ہیں کہ: کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں؟ تو آنحضرت (ص) فرماتے ہیں: "أنت الیٰ خیر" یا "أنت علیٰ خیر" اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تمھارے لئے دعا کروں، کےونکہ تمھارے لئے پہلے ہی سے قرآن مجید میں آیت نازل ہوچکی ہیں اور جملہ "انت علی خیر" کے معنی یہ ہیں کہ تمھاری حالت بہتر ہے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ام سلمہ اہلبیت میں داخل نہیں ہیں۔

جواب

سیاق آیت کے بارے میں کی گئی بحث سے نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ آیہ تطہیر کا سیاق اس سے پہلی والی آیتوں کے ساتھ یکساں نہیں ہے اور پیغمبر (ص) کی بیویاں اہل بیت میں داخل نہیں ہیں۔

۱۔ میزان الاعتدال، ج۲، ص۳۲۵، دار المعرفه، بیروت

جملہء "علی خیر" یا "الیٰ خیر" اس قسم کے موارد میں افضل تفضیل کے معنی میں نہیں ہے اور اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کی بیویاں پنجتن پاک (علیہم السلام) سے افضل وبہتر ہوں۔ اس کے علاوہ خود ان احادیث میں اس مطلب کے بارے میں بہت سے قرآئن موجود ہیں، من جملہ ام سلمہ آرزو کرتی ہیں کہ کاش انھیں بھی اجازت ملتی تا کہ اہل بیت کے زمرہ میں داخل ہوجاتیں اور یہ اس کے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر تھا جن پر سورج طلوع وغروب کرتا ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) کی بیویوں سے مربوط قرآن مجید کی آیتوں، من جملہ آیہ تطہیر سے پہلی والی آیتوں اور سورۂ تحریم کی آیتوں کی شان نزول پر غور کرنے سے مذکورہ مطلب کی مکمل طور پر وضاحت ہوجاتی ہے۔ نمونہ کے طور پر سورہ تحریم کی درج ذیل آیتیں بیشتر تامل کی

سزاوار ہیں۔

>إن تتو با إلی الله فقد صغت قلو بکما<۱ >عسی ربه إن طلقکنّ ا ٔن یبدله ا ٔزواجاً خیراً منکنّ مسلمات مئومنات قانتات تائبات عبادات سائحات ثیبات وا ٔ بکاراً> ۲>ضرب الله مثلاً للّذین کفروا امرا ٔة نوح و امرا ٔة لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتا هما فلم یغنیا عنهما من الله شیئاً و قیل ادخلا النار مع الداخلین>۳

ساتواں سوال

احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا (ص) نے آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد اپنے خاندان کے حق میں یہ دعا کی: "اللّٰھم أذھب عنھم الرّجس وطھّرھم تطھّیرا" خداوندا: ان سے رجس و پلیدی کو دور کر اور انھیں خاص طور سے پاک و پاکیزہ قرار

۱۔سورہ تحرم/ ۴

۲۔سورہ تحریم/ ۵

۳۔سورہ تحریم/ ۱۰

دے" آیہ کریمہ سے عصمت کا استفادہ کرنے کی صورت میں اس طرح کی دعا منافات رکھتی ہے، کیونکہ آیہ کریمہ عصمت پر دلالت کرتی ہے اور عصمت کے حاصل ہونے کے بعد ان کے لئے اس طرح دعا کرنا تحصیل حاصل اور بے معنی ہے۔

جواب

اول یہ کہ: یہ دعا بذات خود اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان کے لئے اس طہارت کے بارے میں خداوند متعال کا ارادہ ارادہ تکوینی تھا نہ تشریعی۔ کیونکہ "اذھاب رجس" اور "تطہیر" کا خدا سے جو مطالبہ کیا گیا ہے وہ قطعاً ایک تشریعی امر نہیں ہے اور آنحضرت (ص) کی دعا یقینا مستجاب ہے۔اس لئے مذکورہ دعا آیہ ٔتطہیر کے مضمون پر تاکید ہے۔

دوسرے یہ کہ عصمت ایک فیض اور لطف الٰہی ہے جو خدا وند متعال کی طرف سے ان مقدس شخصیات کو ان کی زندگی کے ہر ہر لمحہ عطا ہوتی رہتی ہے کیونکہ وہ بھی دوسری مخلوقات کے مانند ہر لمحہ خدا کے محتاج ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ ایک لمحہ کی نعمت اور فیض الٰہی انھیں دوسرے لمحہ کے فیض وعطیہ الٰہی سے بے نیاز کر دے۔

یہ اس کے مانند ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) جملہ "اِھدنا الصراط المستقیم" کو ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور اس ہدایت کو خداوند متعال سے طلب کرتے رہتے تھے، باوجود اس کے کہ وہ اس ہدایت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے اور یہ تحصیل حاصل نہیں ہے بلکہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بندہ چاہے جس مقام پر بھی فائز ہو وہ ذاتی طور پر خدا کا محتاج ہوتا ہے اور اس احتیاج کا اظہار کرنا اور خدا وندمتعال سے دوسرے لمحات میں نعمت و الطاف الٰہی کی درخواست کرنا بندہ کے لئے بذات خود ایک کمال ہے۔

اس بات کا علم کہ خداوند متعال مستقبل میں اس نعمت کو عطا کرے گا، دعا کے لئے مانع نہیں بن

سکتا ہے، کیونکہ خداوند متعال "اولوا الباب" کی دعا کو بیان کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں

:< ربّنا وآتنا ما و عدتنا علی رسلك و لا تخزنا یوم القیامة إنّك ولا تخلف المیعاد>۱ "

پروردگار جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ کیا ہے اسے ہمیں عطا کر اور روز قیامت ہمیں رسوانہ کر کیونکہ تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا" ہم دے کھتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ خداوند متعال وعدہ خلافی نہیں کرتا اور مومنین کو دیا گیا وعدہ حتماً پورکرے گا، پھر بھی اس سے اس طرح دعا کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم (ص) کی اھل بیت کے حق میں دعا بھی اسی طرح ہے کہ طہارت اور عصمت الٰہی اگر چہ انھیں حاصل تھی اور آئندہ بھی یہ نعمت ان کے شامل حال رہتی، لےکن یہ دعا اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ اھل بیت (ع) اس عظمت و منزلت پر فائز ہیں لےکن ہمےشہ اپنے کو خدا کا محتاج تصور کرتے ہیں اور یہ خداوند متعال ہے کہ جو ہر لحظہ عظیم اور گرانقدر نعمت انھیں عطا کرتا ہے۔

اس لئے آنحضرت (ص) کی دعا خواہ آیہء تطہیر نازل ہونے سے پہلے ہو یا اس کے بعد، ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

آٹھواں سوال

انبیاء علیہم السلام کی عصمت وحی کے تحقق کے لئے ہے، انبیاء کے علاوہ کیا ضرورت ہے کہ ہم

کسی کی عصمت کے قائل ہوں؟

ا۔ا۷ سورہ آل عمران/ ۱۹۴

جواب

اول یہ کہ: شےعہ عقیدہ کے مطابق مسئلہ امامت، نبوت ہی کا ایک سلسلہ ہے اور یہ عہدہ نبوت کے ہم پلہ بلکہ اس سے بالاتر ہے۔ اامام، مسئلہ وحی کے علاوہ بالکل وہی کردار ادا کرتا ہے جو پےغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرتے تھے۔

اس لحاظ سے شےعہ امامیہ کے نزدےک امام میں عصمت کا ہونا عقلی اور نقلی دلیلوں کی بنیاد پر شرط ہے۔

دوسرے یہ کہ: عصمت کے لئے ملزم عقلی کا نہ ہونا اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ: نبی اور امام کے لئے، عقل لزوم عصمت کا حکم کرتی ہے اور ان کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ حکم ثابت نہیں ہے۔ عصمت خدا کی اےک خاص نعمت ہے، خدا وندمتعال جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔ انبیاء اور ائمہ کی عصمت کے وجود پر برھان عقلی قائم ہے اور ان کے علاوہ اگر کسی کے لئے قرآن وسنت کی دلیل عصمت کو ثابت کرے تو اس پرےقین کرنا چاہئے اور آیہء تطہیر پےغمبر اسلام (ص)، ائمہ علیہم السلام اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی عصمت کی دلیل ہے۔

نواں سوال

حدیث ثقلین کے بارے میں صحیح ۲ مسلم کی روآیت کے مطابق پےغمبر (ص) کے صحابی زید بن ارقم نے پےغمبر اکرم (ص) سے روآیت کی ہے کہ آنحضرت (ص) نے فرمایا: "أنا تارک فےکم الثقلین: کتاب اللہ ٭٭٭ و اھل بیتی" زید بن ارقم سے سوال ہوتا ہے: آنحضرت (ص) کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا عورتیں)ازواج پیغمبر) بھی آنحضرت (ص) کے اہل بیت میں شامل ہیں؟ جواب دیتے ہیں کہ: نہیں، سوال کرتے ہیں: پس آنحضرت کے اہل بیت کون ہیں؟ جواب میں کہتے ہیں: آنحضرت (ص) کے اہل بیت وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ وہ علی، عباس، جعفر اور عقیل کی اولاد ہیں۔ اس بات کے پےش نظر اہل بیت کو کے سے پنجتن یا چودہ معصومین (ع) میں محدود کیا جا سکتا ہے؟

۱۔اس سلسلہ میں مصنف کی کتابچہ" امامت، حدیث غدیر، ثقلین اور منزلت کی روشنی ہیں" کی طرف رجوع کیا جائے

۲۔ صےحع مسلم، کتاب فضائل، باب فضائل علی بن ابطالب۔

جواب

اول یہ کہ: یہ حدیث پےغمبر (ص) کی بےوےوں کو اہل بیت علیہم السلام کی فہرست سے خارج کرتی ہے۔

دوسرے یہ کہ: یہ حدیث بہت سے طرق سے نقل ہونے کے باوجودے زید بن حیان پر اس حدیث کی سند کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے اور یہ حدیث آیہ شرےفہ اور دوسری بہت سی آحادیث کی دلالت سے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔

تےسرے یہ کہ: بالفرض اگراس کا صدور ثابت بھی ہو جائے تو بھی یہ اےک صحابی کا اجتہاد ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتا۔

چوتھے یہ کہ: حدیث ثقلین بہت طرےقوں سے زید بن ارقم سے نقل ہوئی ہے اور اس میں جملہء: "ما إن تمسکتم لن تضلّو اأبداً و إنّھما لن ےفترقا حتّی یردا علیّ الحوض" موجود ہے جو اہل بیت کی رہبری اور ان کے قرآن مجید سے لازم وملزوم ہونے کو بیان کرتا ہے جو زید بن ارقم کی مذکورہ تفسیر سے کسی بھی طرح سازگار نہیں ہے، کےونکہ مذکورہ تفسیر کی بنا پر خلفائے بنی عباس بھی اپنے تمام تر ظلم و جرائم کے مرتکب ہونے کے باوجود اہل بیت کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے اور یہ حدیث ثقلین کے الفاظ کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

دسواں سوال

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب ام سلمہ نے سوال کیا کہ: "کیا میں بھی اہل بیت میں داخل ہوں؟" یا "مجھے بھی ان کے زمرہ میں شامل کر لیجئے" تو پےغمبر (ص) نے جواب دیا: "ہاں انشاء اللہ" یا ےوں فرمایا: "انت من اھلی" اس لئے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ: اہل بیت پنجتن پاک میں منحصر ہیں؟

جواب

بیان کی گئی بہت سی حدیثوں سے کلمہ" اہل بیت" کی اے ک خاص اصطلاح ہے جس کے مطابق صرف پنجتن پاک کا ان میں شامل ہونا اور دوسروں کی اس میں عدم شمولیت ثابت ہوتی ہے۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ سوال میں اشارہ کی گئی احادیث میں"اھل" یا"اہل بیت" سے مراد اس کے لغوی معنی ہوں گے جس میں آنحضرت (ص) کی بے ویاں بھی شامل ہیں۔

ہم سوال میں اشارہ کی گئی احادیث کے بارے میں اہل سنت کے فقہ وحدیث کے اے ک امام، ابوجعفر طحاوی کے نظریہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔طحاوی ان افراد میں سے ہیں جو آیہء شرےفہ تطہیر میں" اہل بیت" کو پنجتن پاک علیہم السلام سے مخصوص جانتے ہیں اور پےغمبر اکرم (ص) کی ازواج کو اس آیہء شرےفہ سے خارج جانتے ہیں۔انھوں نے اپنی کتاب" مشکل آلاثار ا' میں اے ک اےسی حدیث نقل کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ام سلمہ نے کہا:" مجھے ان) اہل بیت) کے ساتھ شامل کر لیجئے تو" پےغمبر اکرم (ص) نے فرمایا:" انت من اھلی"" تم میرے اہل میں سے ہو" اس کے بعد طحاوی کہتے ہیں:

"فکان ذالك مما قد ےجوز ا ٴن ے کون إرادة ا ٴنّها من ا ٴهله, لا ٴنّها من

ا۔مشکل الاثار، ج ا، ص ۳۳۳۔۳۳۲

ا ٴزواجه و ازواجه اهله"

ممکن ہے پیغمبر اکرم (ص) کا مقصد یہ ہو کہ ام سلمہ آپ کی بیویوں میں سے ایک ہے اور آنحضرت (ص) کی بیویاں آپ کے اہل ہیں۔

اس کے بعد طحاوی اس سلسلہ میں شاہد کے طور پر آٹھ حدیثیں نقل کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ام سلمہ آیۂ تطہیر میں "اہل بیت" میں سے نہیں ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

"فدلّ ما روينا في هذه الآثار ممّا كان رسول الله (ص) إلى أُمّ سلمة، ممّا ذكرنا فيها لم يرد أنها كانت ممّا أُريد به ممّا في الآية المتلوة في هذا الباب، وأن المراد بما فيها هم رسول الله (ص) و عليّ و فاطمة والحسن والحسين دون ماسواهم"[1]

یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ ام سلمہ ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں کہ جن کی طرف آیۂ تطہیر اشارہ کرتی ہے۔ اور آیۂ تطہیر میں موجود "اہل بیت" سے مراد صرف رسول خدا (ص)، علی وفاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام) ہیں۔

طحاوی کی نظر میں ایک اور احتمال یہ ہے کہ "انت اھلی" کا مقصد یہ ہے کہ تم میرے دین کی پیروی کرنے کی وجہ سے میرے اہل میں شمار ہوتی ہو، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی داستان میں ان کا بیٹا ان کی اہل سے خارج ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا: إنّه ليس من أهلك إنّه عمل غير صالح[2]

اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ جو صاحب (ایمان اور) عمل صالح ہیں وہ ان کے اہل ہیں۔

۱۔مشکل الآثار، ج۱،ص ۳۳۶

۲۔سورۂ ہود/ ۴۶

طحاوی نے اس احتمال کو واثلہ کی حدیث بیان کرنے کے بعد پےش کیا ہے۔ واثلہ بھی ان صحابےوں میں سے اےک ہے، جس نے حدیث کساء کی روآیت کی ہے۔ وہ اپنی روآیت میں پنجتن پاک کے کساء کے نےچ جمع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پےغمبر خدا (ص) کے بیان کونقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: "اَللّٰھم ھولاء اھل بیتی واھل بیتی احق" اس کے بعد کہتا ہے: میں نے کہا: یا رسول اللہ کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں؟ فرمایا: "تم میرے اہل سے ہو"۔

طحاوی اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

" واثلہ کا ربط، ام سلمہ کی بہ نسبت پےغمبر اکرم (ص) سے بہت دور کا ہے۔ کےونکہ واثلہ)پےغمبر خدا (ص) کے گھر کا اےک خادم ہے) بنی لیث کا اےک شخص ہے اور قرےش میں شمار نہیں ہوتا ہے اور ام سلمہ) پےغمبر (ص) کی بےوی) قرےش سے ہیں۔ اس کے باوجود ہم دےکھتے ہیں کہ آنحضرت (ص) واثلہ سے فرماتے ہیں: " تم میرے اہل میں سے ہو" لہذا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم میرے دین کی پیروی کرنے کی خاطر اور مجھ سے ایمان رکھنے کے سبب ہم اھل بیت کے زمرہ میں داخل ہو۔

بیہقی نے بھی "السنن الکبریٰ"۱ میں واثلہ کی حدیث کونقل کیا ہے اور کہا ہے:

"و کانّہ جعل فی حکم الا ٔھل، تشبیھا بمن ےسحق ھذا الا بسم لا تحقےقاً"

"گویا اس حدیث میں واثلہ کوتشبیہ کے لحاظ سے آنحضرت (ص) کے اہل کے حکم میں قرار دیا گیا ہے نہ اس لئے کہ وہ حقےقی طور پر اہل بیت کا مصداق تھا۔"

اس لئے بہت سی حدیثیں کہ جو اہل بیت کے دائرہ کو منحصر کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

۱۔السنن الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۲، دارالمعرفۃ، بیروت

گیارہواں سوال

آیہء إنّما یرید اللّٰہ...※ اس آیت کے مانند ہے: ما یرید اللّٰہ لےجعل علےکم من حرج ولکن یرید لےطھّرکم ولیتمّ نعمتہ علےکم※ ا ےعنی: "خدا تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک و پاکےزہ بنادے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کردے" V

اور اسی طرح

آیہء >إنّما یرید الله...>اس آیت کے مانند ھے: >لےطھّرکم و ےذھب عنکم رجز الشےطان> ۲

یعنی "تا کہ تمھیں پاکےزہ بنادے اور تم سے شےطان کی کثافت کو دور کردے"

اگر آیہء تطہیر عصمت پر دلالت کرتی ہے تو مذکورہ دو آیتوں کی بنا پر ہمیں بہت سارے اصحاب کی عصمت کے قائل ہونا چاہیئے۔

جواب

پہلا فقرہ وہ ہے جو وضو کی آیت کے آخر میں آیا ہے۔ آیہ شرےفہ ےوں ہے:

<یا إیہا الّذین آمنوا إذا قمتم إلی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم و ا ئیدےکم إلی المرافق و ا ٔمسحوا برء وسکم و ا ٔرجلکم إلی الکعبین وإن کنتم جنباً فاطھّروا??? فتیمموا صعیداً طیباً فا ٔمسحوا بو جوھکم وا ٔیدےکم منه مایرید الله لےجعل علےکم من حرج ولکن یرید لےطھِّرکم ولیتم نعمته علےکم لولعلکم تشکرون>۳

۱۔سورہ مائدہ/۶

۲۔سورہ انفال/۱۱

۳۔سورۂ مائدہ/۶

اس آیہء کریمہ میں خداوندمتعال وضو،غسل اور تیمم کا حکم بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے:"خدا وندمتعال)ان احکام کی تشرےع سے (تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا ہے، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں)وضو یا غسل یا تیمم سے (پاک و پاکےزہ بنادے"۔یہ حدث پاک کرنا ہے جو وضو یا غسل یا تیمم سے حاصل ہوتا ہے،اوراس کا آیہء تطہیر کی مطلق طہارت تکوینی سے کوئی ربط نہیں ہے۔

دوسری آیت میں بھی "رجز اللشیطان"یعنی شےطان کی نجاست سے مراد وہ جنابت ہے جس

سے جنگ بدر میں مسلمان دو چار ہوئے تھے اور خداوند متعال نے ان کے لئے بارش نازل کی اور انہوں نے بارش کے پانی سے غسل کیا اور اپنے جنابت کے حدث کو غسل سے برطرف کیا۔ اس آیت میں اے ک خاص طہارت بیان کی گئی ہے اور اس طہارت کا تعلق ان صحابہ سے ہے جو جنگ بدر میں موجود تھے اور جنھوں نے بارش کے پانی سے غسل کر کے یہ طہارت حاصل کی تھی لہذا آیہ تطہیر سے استفادہ ہونے والی مطلق تکوینی طہارت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

ساتواں باب:

امامت آیہ "علم الکتاب" کی روشنی میں

و یقول الّذین کفرو الست مرسلاً قل کفی باللہ شھیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب>

سورہ رعد/ ۴۳

"اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں تو کہد ے جئے کہ ہمارے اور تمھارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔"

یہ آیہ شرےفہ ان آیتوں میں سے ہے جن میں امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں اےک بڑی فضیلت بلکہ احتجاج ا کی روآیت کے مطابق سب سے بڑی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس لئے مناسب ہے اس کے معنی میں مزید غور وخوض کیا جائے۔

اس آیت میں پہلے کفار کی طرف سے پےغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار بیان کیا گیا ہے۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دو گواہ ذکر کئے گئے ہیں ایک خداوند عالم کی ذات اور دوسرے وہ کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

آیت کی دلالت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بحث کو درج ذیل دو محوروں پر جاری

رکھا جائے

۱۔خداوندمتعال کی گواہی کس طرح سے ہے؟

۲۔من عندہ علم الکتابسے مراد کون ہے؟

۱۔مصباح الھدایۃ،ص ۴۳

خداوند عالم کی گواھی:

اس آیہء شریفہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے پہلے گواہ کے طور پر خداوندمتعال کا ذکر ہوا ہے۔خداوندمتعال کی اس گواہی کے دوفرض ہیں:

۱۔ممکن ہے یہ گواہی قولی ہو اور گفتگو و کلام کے مقولہ سے ہو اس صورت میں وہی آیتیں جو آنحضرت کی رسالت کو بیان کرتی ہیں خداوندمتعال کی اس گواہی کی مصداق ہوں گی، جیسے:

<والقران الحکیم انّك لمن المرسلین>۱ ”

قرآن حکیم کی قسم آپ مرسلین میں سے ہیں“

۲۔ممکن ہے یہ گواہی فعلی ہو اور خداوندمتعال نے اسے معجزہ کی صورت میں پیغمبر اکرم (ص) کے ذریعہ ظاہر کیا ہو، یہ معجزے آنحضرت (ص) کی رسالت کے سلسلہ میں دعویٰ کے لئے ایک قوی سند، واضح دلیل اور گویا گواہ ہیں، خاص کر قرآن مجید، جو آنحضرت (ص) کا ایک لافانی معجزہ ہے اور ہر زمانہ میں باقی رہنے والا ہے اوران معجزات کی حیثیت

ایک طرح سے خداوندمتعال کے فعل کی سی ہے جو پیغمبر خدا (ص) کی رسالت پر گواہ ہیں۔

من عندہ علم الکتاب - سے مراد کون ہے؟

دوسرے محور میں بحث اس جہت سے ہوگی کہ" کتاب" سے مراد کیا ہے؟ اور جس کے پاس" کتاب کا علم" ہے، وہ کون ہے؟ اس سلسلہ میں چند احتمالات پائے جاتے ہیں کہ ہم ان پر بحث کریں گے:

پہلا احتمال:" کتاب" سے مرادقرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ہیں اور کتاب کے عالم سے مرادعلمائے یہود ونصاریٰ ہیں:

اس صورت میں اس آیہ شریفہ کے معنی یوں ہوں گے:" کہد ے جئے اے پیغمبر! ہمارے اورتمھارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے خدا وندمتعال اور وہ لوگ جن کے پاس گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم ہے جیسے علمائے یہود ونصاری چونکہ ان کتابوں میں پیغمبر)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام آیا ہےاور آنحضرت کی رسالت بیان ہوئی ہے۔اسی لئے علمائے یہود ونصاری اس مطلب سے آگاہی رکھتے ہیں اوراس پر گواہ ہیں۔

۱۔سورہ لمبین/۱۔۲

یہ احتمال صحیح نہیں ہے، کےونکہ اگر چہ علمائے یہود ونصاری اپنی آسمانی کتابوں کے عالم تھے،

لے کن وہ کافر تھے اور ہرگز اپنے خلاف گواہی دینے کے لئے حاضر نہیں تھے۔

دوسرا احتمال: "کتاب" سے مراد وہی قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ہیں اوران کے عالم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا شمار پہلے علمائے یہود ونصاری میں ہوا کرتا تھا لے کن بعد میں اسلام قبول کر کے وہ مسلمان ہو گئے تھے، جیسے: سلمان فارسی ،عبداللہ بن سلام اور تمیم الداری۔ یہ لوگ اے ک جہت سے توریت اورانجیل جیسی گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے اوراے ک جہت سے آمادہ تھے تا کہ اسلام کی حقانیت اور پےغمبر اسلام (ص) کی رسالت کے بارے میں جو کچھ انہیں معلوم ہے اس کی گواہی دیں۔

یہ احتمال بھی صحیح نہیں ہے کےونکہ سورہ رعد اور من جملہ زیر بحث آیہء شرےفہ جواس سورہ کی آخری آیت ہے، مکہ میں نازل ہوئی ہے اور مذکورہ افراد مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔اس لئے اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے جو ابھی کافر ہیں اور مسلمان نہیں ہوئے ہیں اپنے دین کے خلاف گواہی دینے کے لئے مدعو ہو جائیں۔

شعبی اور سعید بن جبیر سے نقل ہوئی روآیت کے مطابق انہوں نے بھی مذکورہ احتمال ےعنی" من عندہ علم الکتاب" سے عبداللہ بن سلام کو مراد لینا اس کو مسترد کر دیا ہے۔اس کی دلیل یہ پےش کی ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور عبداللہبن سلام مدینہ میں مسلمان ہوا ہے۔ا

تیسرا احتمال:" من عندہ علم الکتاب" سے مقصود خداوند متعال اور

ا۔معالم التنزیل، ج ۳۔ص ۴۶۴، ۴۶۵۔الاتقان، ج ا،ص ۳۶، دارابن کثیر بیروت

"کتاب" سے مرادلوح محفوظ ہے اور" من عندہ علم الکتاب" کا" اللہ" پر عطف ہونا صفت کا

اسم ذات پر عطف ہونے کے باب سے ہے۔ اس صورت میں معنی ےوں ہوتا ہے:
خداوندمتعال اور وہ شخص جو لوح محفوظ) جس میں تمام کائنات کے حقائق ثبت ہیں) کا علم رکھتا ہے، وہ تمہاری رسالت پر گواہ ہے۔

اول یہ کہ:

جملہء<قل کفی بااللھشھیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب>
میں بظاہر عطف یہ ہے کہ " من عندہ علم الکتاب" خداوندمتعال کے علاوہ ہے کہ جس کا ذکر ابتداء میں پہلے گواہ کے طور پر آیا ہے۔

دوسرے یہ کہ: عربی ادبیات میں صفت کا عطف ،صفت پر موصوف کے سلسلہ میں مشہور اور رائج ہے۔قرآن مجید میں بھی اس قسم کا استعمال پایا جاتا ہے، جیسے: آیہء شریفہ:

<تنزیل الکتاب من اللھالعزےز العلیم غافر الذّنب وقابل التوب...>١
میں "غافر الذّنب")
گناہ کو بخشنے والا) اور " قابل التوب") توبہ کو قبول کرنے والا) دوصفتیں ہیں جو حرف عطف کے فاصلہ سے اےک دوسرے کے بعد ہیں اور خداوندمتعال کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ لےکن جن مواقع پر پہلے اسم ذات ذکر ہوا ہے، کبھی بھی مشہور اور رائج استعمالات میں صفت اس پر عطف نہیں ہوتی ہے۔اس لحاظ سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ: آیہ کریمہ میں
"من عندہ علم الکتاب"
سے مراد خداوندمتعال ہے۔

چوتھا احتمال: کتاب سے مراد ”لوح محفوظ“ ہے اور ” جس کے پاس کتاب کا علم ہے اس سے مراد امیرلمومنین علی علیہ السلام ہیں۔

اب ہم اس احتمال پر بحث وتحقیق کرتے ہیں۔

ا۔سورہ غافر/ ۲

لوح محفوظ اور حقائق هستی

قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے تمام حقائق ایک مجموعہ کی شکل میں موجود ہیں کہ قرآن مجید نے اسے ”کتاب مبین“ ایا ”امام مبین“ ۲ یا ”لوح محفوظ“ ۳ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔من جملہ سورہ نمل میں فرماتا ہے: وما من غائبۃ فی السّماء والارض إلاّ فی کتاب مبین﴿ ۴ یعنی: اور آسمان و زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین)لوح محفوظ (میں نہ ہو۔

اس بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لوح محفوظ میں درج شدہ حقائق سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے؟اور اگر یہ ممکن ہے تو کون لوگ ان حقائق سے باخبراورآگاہ ہیں اور کس حدتک؟

مطھّرون اور لوح محفوظ سے آگاہی

اس سلسلہ میں ہم سورہ واقعہ کی چند آیتوں پرغوروخوض کرتے ہیں:

﴿فلا اٴُقسم بمواقع النجوموإنّہ لقسم لو تعلمون عظیم إنّہ لقرآن کریمفی

کتاب مکنون لا یمسّہ إلّا المطھّرون>)سورہ واقعہ/۷۵_--۷۹)

ان آیات میں، پہلے ستاروں کے محل و مدار کی قسم کھائی گئی ہے۔اس کے بعد اس قسم کی عظمت واہمیت پر زور دیا گیا ہے اور اس کی نشاندھی کی گئی ہے۔اس نکتہ پر توجہ کرنا ضروری ہے کہ قسم کا معیار اور اس کی حیثیت اس حقیقت کے مطابق ہونا چاہیئے کہ جس کے متعلق یا جس کے

۱۔سورہ یونس/ ۶۱ ،سورہ سبا/ ۱۳ ،سورہ نمل/ ۷۵

۲۔سورہ یسین/ ۱۲

۳۔سورہ بروج/ ۲۲

۴۔سورہ نمل/ ۷۵

اثبات کے لئے قسم کھائی جارہی ہے۔اگر قسم باعظمت اور بااہمیت ہے تو یہ اس حقیقت کی اہمیت کی دلیل ہے کہ جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے۔

جس حقیقت کے لئے یہ عظیم قسم کھائی گئی ہے، وہ یہ ہے:

-<إنّہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسّہ الّا المطھرون>

یعنی بیشک یہ بہت ہی باعظمت قرآن ہے جسے اےک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے اسے پاک و پاکےزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔)اس کے ساتھ رابطہ نہیں کرسکتا ہے۔) آیہ شرےفہ کا یہ جملہ لایمسّہ الاّ المطھر ون※ بہت زیادہ قابل غور ہے۔

ابتدائی نظر میں کہا جاتا ہے کہ بے طہارت لوگوں کا قرآن مجید سے مس کرنا اور اس کے خط پر ہاتھ لگانا حرام ہے، لےکن اس آیہ شرےفہ پر عمیق غور وفکر کرنے سے یہ اہم نکتہ واضح ہوجاتا

ہے کہ مس سے مراد مس ظاہری نہیں ہے اور" مطھر ون" سے مراد باطہارت) مثلاً باوضو) افراد نہیں ہیں ۔ بلکہ مس سے مراد مس معنوی) رابطہ) اور" مطھر ون" سے مراد وہ افراد ہیں جنہیں خداوندمتعال نے خاص پاکیزہ گی عنایت کی ہے، اور" لا یمسہ " کی ضمیر کتاب مکنون)لوح محفوظ) کی طرف پلٹتی ہے۔

آیہ کریمہ سے یہ معنی)مس معنوی) استفادہ کرنے کے لئے چند نکات کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

۱۔ جملہء" لا یمسہ " کاظہور اخبار ہے نہ انشاء، کیونکہ بظاہر یہ جملہ دوسرے اوصاف کے مانند کہ جواس سے قبل ذکر ہوئے ہیں، صفت ہے اور انشاء صفت نہیں بن سکتا ہے، جبکہ آیت میں غیر مطہرون کے مس سے حکم تحریم)حرمت) کا استفادہ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ جملہ" لا یمسہ " انشاء ہو، نہ اخبار۔

۲۔" لا یمسہ " کی ضمیر بلا فاصلہ" کتاب مکنوں" کی طرف پلٹتی ہے، کہ جواس جملہ سے پہلے واقع ہے نہ قرآن کی طرف کہ جو اس سے پہلے مذکور ہے اور چند کلمات نے ان کے درمیان فاصلہ ڈال دیا ہے۔

۳۔قرآن مجید کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک پوشیدہ اور محفوظ کتاب میں واقع ہے کہ جس تک عام انسانوں کی رسائی نہیں ہے اور یہ مطلب اس کے ساتھ مس کرنے سے کوئی تناسب نہیں رکھتا ہے۔

۴۔طہارت شرعی، یعنی وضو) جہاں پر وضو واجب ہو) یا غسل یا تیمم) جہاں پر ان کا انجام

دینا ضروری و فرض) رکھنے والے کو"متطھّر" کہتے ہیں نہ "مطھّر"۔

اس تشریح سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو کچھ جملہء"لا یمسه الاّ المطھر ون" سے استفادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ"مطھر") پاک قرار دئے گئے)افراد کے علاوہ کوئی بھی"کتاب مکنون")لوح محفوظ)کومس نہیں کرسکتا ہے،یعنی اس کے حقائق سے آگاہ نہیں ہوسکتا ہے۔

اب ہم دے کھتے ہیں کہ اس خصوصی طہارت کے حامل افرادکون لوگ ہیں اور"مطھر ون" سے مرادکون لوگ ہیں کہ جو"لوح محفوظ" سے اطلاع حاصل کرتے ہیں؟

"مطھرون" سے مرادکون ہیں؟

کیا"مطھر ون" کی اصطلاح فرشتوں سے مخصوص ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے اشارہ کیا ہے۔ا یا یہ کہ اس میں عمومیت ہے یعنی وہ افراد جو خدا کی جانب سے خصوصی طہارت کے حامل ہیں وہ بھی اس میں شامل ہوسکتے ہیں؟ یہ اے ک ایسا سوال ہے جس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت،اور خدا کی جانب سے انھیں جانشین مقرر کیا جانا نیز

ا۔جیسے"روح المعانی" ج ٢٧، ١٥۴،داراحیاءالتراث العربی،بیروت

"اسماء"الٰہی کا علم رکھنا یعنی اے ک ایسی حقیقت سے آگاہی کہ جس کے بارے میں ملائکہ نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ملائکہ کو سجدے کا حکم دینا وغیرہ ان واقعات اور قرآنی آیات ا کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت معلوم ہوجاتی ہے کہ خاص علوم

سے آگاہی اور تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت انسان کامل میں ملائکہ سے کہیں زیادہ ہے۔
مذکورہ ان صفات کے پیش نظر کوئی دلیل نہیں ہے کہ جملہ لا یمسہ الاّ المطھرون* کو فرشتوں سے مخصوص کیا جائے جبکہ قرآن مجید کے مطابق خدا کے ایسے منتخب بندے موجود ہیں جو خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں۔

آیہ تطہیر اور پیغمبر کا محترم خاندان

<إنّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت و یطھر کم تطھیرا>
)سورہ احزاب/ ۳۳)
"بس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت : کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"
یہ آیہ شریفہ دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کا خاندان خداوند متعال کی طرف سے ایک خاص اور اعلیٰ قسم کی پاکیزگی کا مالک ہے۔ آیہ کریمہ میں "تطھیرا" کا لفظ مفعول مطلق نوعی ہے جو ایک خاص قسم کی طہارت و پاکیزگی کو بیان کرتا ہے۔
ہم یہاں پر اس آیہ شریفہ سے متعلق مفصل بحث کرنا نہیں چاہتے، اس لئے کہ آیت تطہیر سے مربوط باب میں اس پر مکمل بحث گزر چکی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کے اہل بیت کہ جن میں سب سے نمایاں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں، اس آیہ شریفہ کے مطابق خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں اور

۱۔سورہ بقرہ/ ۳۴۔۳۰

"مطہرون" میں شمار ہوتے ہیں۔وہ لوح محفوظ کے حقائق سے آ گاہی رکھ سکتے ہیں۔

"آصف برخیا" اور کتاب کے کچھ حصہ کا علم

ہم جانتے ہیں کہ خداوندمتعال نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اے ک ایسی وسیع سلطنت عطا کی تھی کہ انسانوں کے علاوہ جنّات اور پرندے بھی ان کے تابع تھے۔اے ک دن جب جن وانس ان کے گرد جمع تھے حضرت سلیمان نے ان سے کہا: تم میں سے کون ہے جو بلقیس کے مسلمان ہونے سے پہلے اس کے تخت کو میرے پاس حاضر کردے؟ جنّات میں سے اے ک عفریت نے سلیمان نبی سے کہا: قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھے ہیں تخت کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا۔قرآن مجید فرماتا ہے ۱ " کتاب کے کچھ حصہ کا علم رکھنے والے اے ک شخص نے کہا: میں اتنی جلدی تخت بلقیس کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا کہ آپ کی پلک بھی جھپکنے نہیں پائے گی اور اسی طرح اس نے حاضر کیا۔

جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب "لوح محفوظ" ہے اور شے عہ وسنی احادیث کے مطابق مذکورہ شخص حضرت سلیمان کا وزیر" آصف برخیا" تھا۔قرآن مجید سے استفادہ ہوتا ہے آصف کی یہ غیر معمولی اور حیرت انگیز طاقت وصلاحیت کتاب (لوح محفوظ) کے کچھ حصہ کا علم جاننے کے سبب تھی۔

واضح رہے کہ طہارت و پاکیزگی کے چند مراحل ہیں۔جس قدر طہارت کامل تر ہوگی اسی

اعتبار سے علم وقدرت میں بھی اضافہ ہوگا۔

جب ہمیں آیہ کریمہ

<لا یمسّہ إلا المطھرون>

سے یہ معلوم ہوگیا کہ لوح محفوظ کے حقایق کا علم خدا کی خاص طہارت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے اور آیہ تطہیر نے اس خاص طہارت اور پاکیزگی کو اہل بیت علیہم السلام کے لئے ثابت کیا ہے، وہ بھی ایک ایسی تطہیر جو

۱۔سورہ نمل/ ۴۰

۲۔کچھ اردو قوال بھی ہیں کہ تفاسیر کی طرف رجوع کرنا چاہئے

پیغمبر اکرم (ص) کی تطہیر کے ہم پلہ ہے۔لہذا ان صفات کے پیش نظر بعید نہیں ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین) علیہم السلام) لوح محفوظ کے تمام حقائق کا علم رکھتے ہوں اس لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ثعلبی کہ جو اھل سنت ا کے نزدیک تفسیر کے استاد نیز حافظ اور امام کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور اہل سنت کے ائمہ رجال ۲ کے مطابق جن کی روایتیں صحیح اور قابل اعتماد جانی جاتیں ہیں ، تفسیر" الکشف و البیان" ۳ میں اور حاکم حسکانی ۴ تفسیر شواہد التنزیل ۵ میں ، ابوسعید خدری، عبداللہ بن سلام اور ابن عباس جیسے چند اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ" من عندہ علم الکتاب" سے مراد امیر المومنین علی ،علیہ السلام ہیں۔

بلکہ ابو سعید خدری اور عبداللہبن سلام سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرم (ص) سے سوال کیا کہ " من عندہ علم الکتاب" سے مراد کون ہے؟ جواب میں پیغمبر (ص) نے علی علیہ السلام کو" من عندہ الکتاب" کے مصداق کے طور پر پیش کیا۔ اسی مطلب کو) من عندہ علم الکتاب، سے مراد علی علیہ السلام ہیں) سعید بن جبیر، ابی صالح نیز محمد بن حنفیہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

اسی طرح کئی طریقوں سے نقل کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن عطاء کہ جو امام باقر علیہ السلام کے ہمراہ تھے، جب انھوں نے عبداللہ بن سلام کے بیٹے کو دیکھا تو امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا: کیا یہ) عبداللہبن سلام کا بیٹا) اس شخص کا بیٹا ہے جس کے پاس کتاب کا علم تھا؟ حضرت نے فرمایا: نہیں، " من عندہ علم الکتاب" سے مراد) عبداللہبن سلام نہیں ہے، بلکہ) امیر

١۔ اہل سنت کے علم رجال کے جلیل القدر امام ذہبی نے " سیر اعلام النبلاء " ج ١٧، ص ٤٣٥ میں ثعلبی کے بارے میں کہا ہے: " الامام الحافظ العلامۃ شیخ التفسیر"، ٢۔ عبدالغافر نیشابوری کتاب " تاریخ نیشاپوری" ص ١٠٩ میں اس کے بارے میں کہتا ہے: الثقۃ الحافظ ×××و ہو صحیح النقل موثوق بہ، ٣۔ الکشف و البیان، ج ٥، ص ٣٠٣۔ ٣٠٢، دار احیا التراث العربی، بیروت، ٤۔ ذہبی کی عبادت کو ہم نے آیہ صادقین کی تفسیر میں اس کے متقن، محکم اسناد کے عالی ہونے کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ٥۔ " شواہد التنزیل" با تحقیق شیخ محمد باقر محمود، ج ١، ص ٤٠٠

المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

اس کے علاوہ ابن شہر آشوب ا نے اپنی" کتاب مناقب ۲ " میں کہا ہے:

" محمد بن مسلم، ابوحمزہ ثمالی اور جابر بن یزید نے امام باقر (علیہ السلام) سے اسی طرح علی بن فضل، فضیل بن یسار اور ابو بصیر نے امام صادق (علیہ السلام) سے نیز احمد بن محمد حلبی اور محمد بن فضیل نے امام رضا (علیہ السلام) سے روایت نقل کی ہے اور اس کے علاوہ موسی بن جعفر (علیہ السلام)، زید بن علی، محمد بن حنفیہ، سلمان فارسی، ابوسعید خدری اور اسماعیل سدی سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں خداوند متعال کے قول: کل کفی باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب ※ کے بارے میں کہا ہے کہ: " من عندہ علم الکتاب" سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں۔"

شیعہ احادیث میں مختلف طریقوں سے آیا ہے کہ " من عندہ علم الکتاب" سے مراد امیر المومنین علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل حدیث پرغور فرمایئے: ثقۃ الاسلام کلینی نے اصول کافی ۳ میں معتبر سند سے برید بن معاویہ سے کہ جو امام باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے روایت کی ہے انھوں نے حضرت سے عرض کی: " آیہ کریمہ قل کفی باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب ※ میں " من عندہ علم الکتاب" سے مراد کون ہے؟ حضرت نے فرمایا: اس سے صرف ہم اہل بیت معصومین (ع) کا قصد کیا گیا ہے اور علی) علیہ السلام) پیغمبر اکرم (ص) کے بعد سب سے مقدم اور ہم میں افضل ترین فرد ہیں۔

ا۔ ہم نے آیہ صادقین کی تفسیر میں اس) شہر آشوب) کی صداقت کے بارے میں ابن ابی طما

کی زبانی زہبی کی ستائش بیان کی ہے۔

۲۔مناقب،ابن شہرآشوب،ج ۲،ص ۲۹،موسسہ انتشارات علامہ قم،

۳۔اصول کافی،ج ۱،ص ۱۷۹

احادیث میں جس کے پاس کتاب کا علم ہے)علی بن ابیطالب علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین)اورجس کے پاس کتاب کا کچھ علم موجود ہے) آصف برخیا) کے درمیان دلچسپ موازنہ کیا گیا ہے:

عن ا ٔبی عبد اللہ قال: " الذی عندہ علم الکتاب" ھو امیر المؤمنین -علیہ السلام -و سئل عن الذی عندہ علم من الکتاب ا ٔعلم ا ٔم الذی عندہ علم الکتاب؟ فقال: ما کان علم الّذی عندہ علم من الکتاب عند الذی عندہ علم الکتاب إلّا بقدر ما تا ٔخذ البعوضۃ بجناحھا من ما ٔ البحر[1]

یعنی:امام صادق)علیہ السلام)نے فرمایا:

"جس کے پاس کتاب کا علم تھا علی بن ابیطالب (علیہ السلام) تھے۔سوال کیا گیا: کیا وہ شخص جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا یعنی آصف برخیا زیادہ عالم تھا یا وہ جس کے پاس مطلق کتاب کا علم تھا)یعنی حضرت علی علیہ السلام)امام نے فرمایا:جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا،اس کا موازنہ اس شخص سے کہ جس کے پاس مطلق کتاب کا علم تھا ایسا ہے جیسے مچھر کے بھیگے ہوئے پر کا موازنہ سمندر سے کیا جائے۔"

یہ بحث وگفتگواس بنا پر تھی کہ جب "من عندہ علم الکتاب" میں "کتاب" سے مرادلوح محفوظ

ہو۔لیکن اگر" الکتاب" سے مراد جنس کتاب ہو، اس بنا پر کہ" الف ولام" جنس کے لئے ہے اور کوئی خاص چیز مدنظر نہ ہوتو ہر کتاب اس میں شامل ہوسکتی ہے حتی لوح محفوظ بھی اس کے مصادیق میں سے ایک ہوگا، اس میں گزشتہ آسمانی کتابیں اور قرآن مجید سبھی شامل ہیں۔

ا۔نور الثقلیب ، ج ۴، ص ۸۸۔ ۸۷

اس صورت میں بھی" من عندہ علم الکتاب" سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہی ہوں گے کیونکہ حضرت کا لوح محفوظ کے حقائق سے آگاہ ہونا آیہ کریمہ" لایمسہ الاّ المطہرون" کو آیہ تطہیر کے ساتھ ضمیمہ کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے، اور حضرت کا قرآن مجید کے تمام ابعاد سے واقف ہونا بہت سی دلیلوں من جملہ حدیث ثقلین ا کے ذریعہ ثابت ہے۔

اس لئے اس حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت)علیہم السلام) ہرگز قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے اور یہ حضرت علی علیہ السلام کے قرآن مجید کے تمام علوم سے آگاہی رکھنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر حضرت قرآن مجید کے کسی پہلو کو نہیں جانتے ہیں تو گویا وہ اس اعتبار سے قرآن مجید سے اتنا دور ہو گئے ہیں اور یہ حدیث میں بیان کئے گئے مطلب کے خلاف ہے۔

آسمانی کتابوں کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کے علم کے بارے میں شیعہ اور اہل سنت کی احادیث کی کتابوں میں ایا ہے، من جملہ مندرجہ ذیل حدیث سے جو خود حضرت سے نقل کی گئی ہے:

" لوثنّیت لی الوسادۃ لحکمت بین اہل التوراۃ بتوراتہم ، و بین اہل الانجیل بانجیلہم ، و بین اہل

الزبور بزبورہم"۲

"اگر میرے لئے مسند قضا بچھادی جائے تو میں اہل توریت کے لئے توریت سے، اہل انجیل کے لئے انجیل سے اور اہل زبور کے لئے زبور سے فیصلہ کروں گا۔"

۱۔ سنن الترمذی، ج ۵ ص ۶۲۲

مسند احمد، ج ۳،ص ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۹۵ و ج ۵،ص ۱۸۹ ۔ ۱۸۸ خصائص امیر المؤمنین علی نسائی ص ۸۵ ۔ ۸۴

۲۔فرائد السمطین، ج ۱،ص ۳۴۱ ۔ ۳۳۳۔ شواہد التنزیل ج ۱،ص ۳۶۶، ح ۳۸۴

منابع کی فہرست

(الف)

۱۔القرآن الکریم

۲۔الاتقان،سیوطی،۹۱۱ ھ ۔،دارابن کثیر، بیروت،لبنان ※

۳۔احقاق الحق،قاضی سیدنوراللہ تستری،شہادت ۱۰۱۹ ہ۔

۴۔احکام القرآن،جصاص،ت ۳۷۰ ہ۔،دارالکتاب العربی،بیروت ※

۵۔احکام القرآن،ابوبکرابن العربی المعافری،ت ۵۴۶ ہ۔

۶۔اربعین،محمد بن ابی الفوارس،مخطوط کتابخانہ آستان قدس،رقم ۸۴۴۳

۷۔ارجح المطالب،عبداللہ الحنفی،ت ۱۳۸۱ ہ۔،طبع لاہور)بہ نقل احقاق الحق(

۸۔ارشادالعقل السلیم ،ابوالسعود،ت ۹۵۱ ء،داراحیاءالتراث العربی،بیروت،لبنان ※

۹۔ اسباب النزول،و احدی النیسابوری، ت ۴۶۸ ہ۔، دارالکتاب العلمیۃ، بیروت، لبنان ※

۱۰۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن اثیر،ت ۶۳۰ ہ۔ داراحیائ التراث العربی،بیروت،لبنان

۱۱۔الاِصابۃ فی تمییزالصحابۃ،احمد بن علی،ابن حجرعسقلانی،ت ۸۵۲ ہ۔،دارالفکر ※

۱۲۔اضوائ البیان،شنقیطی،ت ۱۳۹۳ ہ۔،عالم الکتب،بیروت ※

۱۳۔اعیان الشیعۃ، سیدمحسن الامین، ت حدود ۱۳۷۲ ہ۔،دارالتعارف للمطبوعات،

بیروت ※
۱۴۔الامامۃ والسیاسۃ،ابن قتیبۃ دینوری،ت ۲۷۶ ھ۔منشورات الشریف الرضی،قم ※
۱۵۔انساب الاشراف،احمد بن یحیی بلاذری،ت ۲۷۹ ھ۔دار الفکر ※
۱۶۔ایضاح المکنون،اسماعیل باشا،ت ۱۳۴۶ھ۔دار الفکر ※
(ب)
۱۷۔بحار الانوار،محمد باقر مجلسی،ت ۱۱۱۱ھ۔مؤسسۃ الوفاء،بیروت ※
۱۸۔بحر العلوم،نصر بن محمد سمرقندی،ت ۳۷۵ھ۔دار الکتب العلمیۃ،بیروت ※
۱۹۔البحر المحیط،ابوحیان اندلسی،ت ۷۵۴ء،المکتبۃ التجاریۃ
احمد الباز،مکۃ المکرمۃ ※
۲۰۔البدایۃ والنہایۃ،ابن کثیر الدمشقی،ت ۷۷۴ھ۔دار الکتب العلمیۃ،بیروت ※
۲۱۔البرہان،سید ہاشم بحرانی،ت ۱۱۰۷ھ۔مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان ※
۲۲۔البہجۃ المرضیۃ،سیوطی،ت ۹۱۱ھ۔مکتب المفید)ت)
۲۳۔التاج الجامع للاصول،منصور علی ناصف،ت ۱۳۷۱ھ۔دار احیائ التراث العربی،
بیروت ※
۲۴۔تاج الفردوس،محمد مرتضی حسینی زبیدی،ت ۱۲۵۰ھ۔دار الہدایۃ للطباعۃ والنشر و
التوزیع،دار مکتبۃ الحیاۃ،بیروت
۲۵۔تاریخ الاسلام،شمس الدین ذہبی،ت ۷۴۸ھ۔دار الکتاب العربی ※

۲۶۔تاریخ بغداد، احمد بن علی خطیب بغدادی، ت ۴۶۳ھ۔، دارالفکر ※

۲۷۔ تاریخ طبری، محمد بن جریر طبری، ت ۳۱۰ھ۔، مؤسسة عزالدین للطباعة والنشر ، بیروت، لبنان ※

۲۸۔تاریخ مدینة دمشق، ابن عساکر، ت ۵۷۱ھ۔، دارالفکر، بیروت ※

۲۹۔تاریخ نیسابور، عبدالغافر نیشابوری، ت ۵۲۹ھ۔ ※

۳۰۔تذکرة الحفّاظ، ذہبی، ت ۷۴۸ھ۔، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان ※

۳۱۔تذکرة الخواص، سبط بن جوزی ت ۶۵۴ھ۔، چاپ نجف ※

۳۲۔التسہیل لعلوم التنزیل، ابن حزی الکلبی، ت ۲۹۲ھ۔، دارالکتاب العربی، بیروت ※

۳۳۔تفسیر ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن محمد بن ادریس الرازی، ت ۳۲۷ھ۔، المکتبة المصریة، بیروت ※

۳۴۔تفسیر البیضاوی، قاضی بیضاوی، ت ۷۹۱ھ۔ ※

۳۵۔تفسیر الخازن)لباب التأویل)، علاءالدین بغدادی، ت ۷۲۵ھ۔، دارالفکر ※

۳۶۔تفسیر علی بن ابراہیم قمی، متوفی اواخر قرن سوم ھ۔، مطبعہ نجف ※

۳۷۔تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ت ۷۷۴ھ۔، دارالمعرفة، بیروت ※

۳۸۔التفسیر الکبیر، فخر رازی، ت ۶۰۶ھ۔، داراحیائ التراث العربی بیروت، لبنان ※

۳۹۔تفسیر الماوردی، محمد بن حبیب ماوردی بصری، متوفی ۴۵۰ھ۔، دارالمعرفة، بیروت ※

۴۰۔تفسیر النسفی)مدارک التنزیل وحقائق التأویل) حاشیہ تفسیر خازن، عبداللہ

النسفی، ت ۷۱۰ ھ۔، دار الفکر※

۴۱۔تفسیر المنار، رشید رضا، ت ۱۳۵۴ ھ۔، دار المعرفة، بیروت※

۴۲۔تلخیص المستدرک، ذہبی، ت ۷۴۸ ھ۔، دار المعرفة، بیروت※

۴۳۔تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی، ت ۸۵۲ ھ۔، دار الفکر※

۴۴۔تہذیب الکمال، مزّی، ت ۷۴۲ ھ۔، مؤسسة الرسالة، بیروت※

(ج)

۴۵۔جامع الاحادیث، سیوطی، ت ۹۱۱ ھ۔، دار الفکر※

۴۶۔جامع البیان، محمد بن جریر طبری، ت ۳۱۰ ھ۔، دار المعرفة، بیروت، لبنان※

۴۷۔جامع احکام القرآن، قرطبی، ت ۶۷۱ ھ۔، دار الفکر※

۴۸۔الجامع الصحیح الترمذی، محمد بن عیسی ت ۲۷۹ ھ۔، دار الفکر※

۴۹۔جمع الجوامع، سیوطی، ت ۹۱۱ ھ۔※

۵۰۔جمہرة اللغة، ابن درید، ت ۳۲۱ ھ۔

۵۱۔الجواہر الحسان ابوزید الثعالبی ت ۸۷۶ ھ۔، دار احیاء التراث العربی، بیروت※

۵۲۔جواہر العقدین، سمہودی، ت ۹۱۱ ھ۔، دار الکتب العلمیة، بیروت※

(ح)

۵۳۔الحاوی للفتاوی سیوطی، ت ۹۱۱ ھ۔، مکتبة القدس قاہرة) بہ نقل احقاق الحق)

۵۴۔حاشیة الشہاب علی تفسیر البیضاوی احمد خفاجی مصری حنفی، ت ۱۰۶۹ ھ۔، دار احیائ

التراث العربی، بیروت ※
۵۵۔حاشیہ الصاوی علی تفسیر الجلالین، شیخ احمد الصاوی المالکی، ت ۱۲۴۱ ھ۔، دار الفکر ※
۵۶۔حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی، ت ۴۳۰ ھ۔، دار الفکر ※
(خ)
۵۷۔ خصائص أمیر المؤمنین علیہ السلام، احمد بن شعیب نسائی ت ۳۰۳ ھ۔، دار الکتاب العربی ※
۵۸۔خصال، محمد بن علی بن بابویہ قمی (صدوق)، ت ۳۸۱ ھ۔، دفتر انتشارات اسلامی ※
(س)
۵۹۔سفینۃ البحار، شیخ عباس قمی ت ۱۳۵۹ ھ۔، انتشارات کتابخانہ محمودی ※
۶۰۔السنن الکبری، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ت ۴۵۸ ھ۔، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان ※
۶۱۔السنن الکبری، نسائی، ت ۳۰۳ ھ۔، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ※
۶۲۔سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ت ۷۴۸ ھ۔، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان ※
۶۳۔ السیرۃ النبویۃ و الآثار المحمدیۃ (حاشیۃ السیرۃ الحلویۃ)، سیدزینی دحلان، ت ۱۳۰۴ ھ۔، داراحیائ التراث العربی، بیروت، لبنان ※
۶۴۔السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ت ۲۱۸ ھ۔، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان ※
(ش)
۶۵۔شرح التجرید، قوشجی، ت ۸۷۹ ھ۔ ※

٦٦۔شرح السنۃ، بغوی، ت ٥١٠ ہ۔، المکتب الاسلامی، بیروت※

٦٧۔شرح المقاصد،تفتازانی، ت ٧٩٣ ہ۔، منشورات الشریت الرضی※

٦٨۔شرح المواقف، جرجانی، ت ٨١٢ ھ۔، منشورات الشریف الرضی※

٦٩۔شرح التنزیل، حاکم حسکانی، ت اواخر القرن الخامس، مؤسسۃ الطبع والنشر※

)ص(

٧١۔صحاح اللغۃ، جوہری، ت ٣٩٣ ہ۔※

٧٢۔صحیح ابن حبان، محمد بن حبان بستی، ت ٣٥٤ ہ۔، مؤسسۃ الرسالۃ※

٧٣۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، ت٢٥٦ ہ۔، دارالقلم، بیروت، لبنان-دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان※

٧٤۔صحیح مسلم، مسلم بن حجاج نیشابوری، ت٢٦١ ہ۔، مؤسسۃ عزالدین للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان※

٧٥۔الصلاۃ والبشر، فیروزآبادی، ت ٨١٧ ھجری دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

٧٦۔الصواعق المحرقۃ، ابن حجر ہیتمی، ت ٩٥٤ ہ۔، مکتبۃ القاہرۃ※

)ط(

٧٧۔الطبقات الکبری، ابن سعد، ت ٢٣٠ ہ۔، دار بیروت للطباعۃ والنشر※

٧٨۔الطرائف، علی بن موسی بن طاووس، ت ٦٦٢ ہ۔، مطبعۃ الخیام، قم※

)ع(

۷۹۔العمدۃ،ابن بطریق،ت ۵۳۳ ہ۔،مؤسسۃ النشر الاسلامی ※
۸۰۔عوالم العلوم،سید ہاشم بحرانی،ت ۱۱۰۷ ہ۔،مؤسسۃ الامام المہدی علیہ السلام ※
۸۱۔عیون خبار الرضا،صدوق،ت ۳۸۱ ہ۔ ※
)غ)
۸۲۔غایۃ المرام،سید ہاشم بحرانی،ت ۱۱۰۷ ہ۔ ※
۸۳۔غرائب القرآن،نیشابوری ت ۸۵۰ ہ۔،دار الکتب العلمیۃ بیروت ※
۸۴۔فتح الباری،ابن حجر العسقلانی،ت ۸۵۲ ہ۔ ※
۸۵۔فتح القدیر،شوکانی،ت ۱۲۵۰ ہ۔،دار اکتاب العلمیۃ بیروت لبنان ※
۸۶۔فرائد السمطین، ابراہیم بن محمد بن جوینی،ت ۷۲۲ ہ۔، مؤسسۃ المحمودی للطباعۃ والنشر ،بیروت ※
۸۷۔الفصول المہمۃ،ابن صباغ مالکی،ت ۸۵۵ ہ۔ ※
۸۸۔فضائل الصحابۃ،سمعانی،ت ۵۶۲ ہ۔ ※
)ق)
۸۹۔القاموس المحیط،فیروز آبادی،ت ۸۱۷ ہ۔،دار المعرفۃ،بیروت ※
۹۰۔قواعد فی علوم الحدیث،ظفر احمد تہانوی شافعی،تحقیق ابو الفتاح ابو غدۃ ※
)ک)
۹۱۔الکافی،کلینی،ت ۳۲۹ ہ۔،دار الکتب الاسلامیۃ ※

۹۲۔ کتاب الثقات، ابن حبان، ت ۳۵۴ء ھ۔، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت ※

۹۳۔ کتاب العین، خلیل بن احمد فراہیدی، ت ۱۷۵ ہ۔، مؤسسۃ دار الہجرۃ ※

۹۴۔ الکشاف، زمخشری، ت ۵۸۳ ہ۔، دار الکتاب العربی، بیروت ※

۹۵۔ الکشف و البیان، ثعلبی نیسابوری، ت ۴۲۷ یا ۴۳۷ ہ۔، داراحیائ التراث العربی، بیروت، لبنان ※

۹۶۔ کفایۃ الطالب، محمد بن یوسف گنجی شافعی، ت ۶۵۸ ہ۔، داراحیائ تراث أہل البیت ※

۹۷۔ کمال الدین، محمد بن علی بن بابویہ، ت ۳۸۱ ہ۔ ※

۹۸۔ کنز العمال، متقی ہندی، ت ۹۷۵ ہ۔، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ※

)ل (

۹۹۔ اللباب فی علوم الکتاب، عمر بن علی بن عادل الدمشقی الحنبلی، متوفی بعد ۸۸۰ ہ۔، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ※

۱۰۰۔ لسان العرب، ابن منظور، ت ۷۱۱ ہ۔، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان ※

)م (

۱۰۱۔ ما نزل من القرآن فی علی، ابوبکر الشیر ازی، ت ۴۰۷ ہ۔ ※

۱۰۲۔ ما نزل من القرآن فی علی، ابونعیم اصفہانی، ت ۴۳۰ ہ۔) بہ نقل احقاق (

۱۰۳۔ المتفق والمتفرق خطیب بغدادی، ت ۴۶۳ ہ۔) بہ واسطہ کنز العمال (

۱۰۴۔ مجمع البحرین، طریحی، ت ۱۰۸۵ ہ۔، دفتر نشر فرہنگ اسلامی ※

۱۰۵۔مجمع البیان،طبرسی،ت ۵۶۰ ھ۔،دارالمعرفۃ،بیروت※
۱۰۶۔مجمع الزوائد،ہیثمی،ت ۸۰۷ ھ۔،دارالکتاب العربی۔دارالفکر،بیروت※
۱۰۷۔المستدرک علی الصحیحین،حاکم نیشابوری،ت ۴۰۵ ھ۔،دارالمعرفۃ،بیروت※
۱۰۸۔مسندابی داوودطیالسی،ت ۲۰۴ ھ۔،دارالکتاب اللبنانی※
۱۰۹۔مسندابی یعلی موصلی،ت ۳۰۷ ھ۔※
۱۱۰۔مسنداحمد،احمدبن حنبل،ت ۲۴۱ ھ۔،دارصادر،بیروت۔دارالفکر※
۱۱۱۔مسنداسحاق بن راہویہ،ت ۲۳۸ ھ۔،مکتبۃ الایمان،مدینۃ المنورۃ※
۱۱۲۔مسندعبدبن حمید،ت ۲۴۹ ھ۔،عالم الکتب※
۱۱۳۔مشکل الآثار،طحاوی،ت ۳۲۱ ھ۔،ط مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ بالہند※
۱۱۴۔المصباح المنیر احمدفیومی،ت ۷۰۷ھ۔طبع مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر※
۱۱۵۔مصباح الہدایۃ،بہبہانی،ط سلمان فارسی،قم※
۱۱۶۔المصنف،ابن ابی شیبۃ،ت ۲۳۵ ھ۔※
۱۱۷۔مطالب السؤول ابن طلحۃ نصیبی شافعی،ت ۶۵۲ ھ۔※
۱۱۸۔معالم التنزیل،بغوی،ت ۲۱۰ ھ۔※
۱۱۹۔المعجم الاوسط،طبرانی،ت ۳۶۰ ھ۔،مکتبۃ المعارف الریاض※
۱۲۰۔المعجم الصغیر،طبرانی،ت ۳۶۰ ھ۔※
۱۲۱۔المعجم الکبیر،طبرانی،ت ۳۶۰ ھ۔※

۱۲۲۔المعجم المختص بالمحدثین، ذہبی، ت ۷۴۸ ہ۔، مکتبۃ الصدیق سعودی※
۱۲۳۔معجم مقاییس اللغۃ، ابن فارسی بن زکریا القزوینی الرازی، ت ۳۹۰ھ۔※
۱۲۴۔معرفۃ علوم الحدیث، حاکم نیشابوری، ت ۴۰۵ ہ۔، دارالکتب العلمیۃ، بیروت※
۱۲۵۔المعرفۃ والتاریخ، یعقوب بن سفیان بن بسوی، ت ۲۷۷ ہ۔※
۱۲۶۔مغنی اللبیب، ابن ہشام، ت ۷۶۱ ئ ہ۔، دارالکتب العلمیۃ، بیروت※
۱۲۷۔المفردات، راغب اصفہانی، ت ۵۰۲ ہ۔※
۱۲۸۔مقتل الحسین، خوارزمی، ت ۵۶۸ ہ۔، مکتبۃ المفید※
۱۲۹۔المناقب، موفق بن احمد خوارزمی، ت ۵۶۸ ہ۔※
۱۳۰۔مناقب ابن مغازلی شافعی، ت ۴۸۳ ہ۔، المکتبۃ الاسلمۃ※
۱۳۱۔مناقب آل ابی طالب، ابن شہرآشوب، ت ۵۸۸ ہ۔، ذوالقربی※
۱۳۲۔منتہی الارب عبدالرحیم بن عبدالکریم الہندی ت ۱۲۵۷ ہ۔※
۱۳۳۔المیزان، محمد حسین طباطبائی، ت ۱۴۰۲ ہ۔، دارالکتب الاسلامیۃ※
۱۳۴۔میزان الاعتدال، ذہبی، ت ۷۴۸ ہ۔، دارالفکر※
)ن)
۱۳۵۔نہج البلاغہ※
۱۳۶۔نظم درر السمطین، محمد بن یوسف زرندی حنفی، ت ۷۵۰ ئ ہ۔، مطبعۃ القذاء) بہ نقل احقاق)

۱۳۷۔النہایۃ،ابن اثیر جزری،ت ۶۰۶ ھ۔،المکتبۃ العلمیۃ، بیروت،لبنان※

۱۳۸۔نورالابصار،شبلنجی،ت ۱۳۰۸ ھ۔،دارالفکر※

۱۳۹۔نورالثقلین،الہویزی،ت ۱۱۱۲ ھ۔،المطبعۃ العلمیۃ،قم※

ی)

۱۴۰۔ینابیع المودۃ،شیخ سلیمان حنفی قندوزی※

ISLAMICMOBILITY.COM

IN THE AGE OF INFORMATION
IGNORANCE IS A CHOICE

"Wisdom is the lost property of the Believer,

let him claim it wherever he finds it"

Imam Ali (as)